دورِ حاضر کے معروف نومسلموں کی داستان

قبولِ اسلام

سعید احمد عباسی

دور حاضر کے معروف نومسلموں کی داستان

قبولِ اسلام

مصنف: سعید احمد عباسی

CITY BOOK POINT

Naveed Square.Urdu Bazzar, Karachi
Ph # 021-2762483
E-Mail: citybookurdubazaar@gmail.com

Marfat.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASSAN DEEN

ادارہ City Book Point کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیش نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: قبول اسلام

مصنف: سعید احمد عباسی

ناشر: سٹی بک پوائنٹ

تعداد: 500

اشاعت سن: 2014ء

قیمت: =/300 روپے

Marfat.com

پیش لفظ

یہ کتاب محض چند داستانیں نہیں بلکہ اس دور میں جب اسلام ہر طرف مظلوم ہے، روشنی کا ایک مینارہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کتاب کے کچھ حصے آپ کے آنکھیں نم کر دیں گے اور کچھ واقعات مسکراہٹیں بھی لئے ہوئے ہیں۔ یہ داستانیں ان لوگوں کی ہیں جو کبھی اسلام کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان میں بادشاہوں کے گھرانے سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں اور مزدور بھی۔ پھر اسلام نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور وہ اسلام کے ہو گئے۔ اپنی صحافتی زندگی میں، میں نے ان لوگوں کے انٹرویوز کیے، ان سے گفتگو کی اور پھر اس کو قلم بند بھی کیا، سچ تو یہ ہے کہ مجھے ان سے ملاقاتوں کے بعد اپنے اوپر شرمندگی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایمان کے درجات میں وہ مجھ جیسے پیدائشی مسلمان سے بہت آگے تھے۔ یہ قرون اولی کی داستانیں نہیں ہیں بلکہ اس دور پرفتن کے واقعات ہیں، یہاں اسلام قبول کرنے والے یہ بطلان حق صحابہ کے دور سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ہمارے ہی درمیان ابھی موجود ہیں۔ اس کتاب کو شائع کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو مسلمان مایوسی کا شکار ہیں انہیں پتہ چلے کہ اللہ اور اس کی نصرت اور مدد آج بھی بلکل اسی طرح موجود ہے جس طرح صحابہ کے دور کے واقعات میں ہمیں نظر آتی ہے۔ اگر کوتاہی ہے تو ہم میں ہے، ہماری لگن اور تڑپ میں ہے۔ یہ کتاب میری ستائش کے لئے نہیں اس لئے میں بس یہاں پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ باقی سب کچھ آگے کے صفحات میں لکھا ہے اور یہی آپ تک پہنچانا اس کتاب کا مقصد ہے۔ میرے لئے اگر کوئی کچھ کرنا چاہئے تو بس اتنا کرے کہ جب کسی واقعے کو پڑھنے کے دوران اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگیں تو دل سے نکلنے والی دعا میں مجھے بھی یاد رکھے۔

والسلام،

سعید احمد عباسی

Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
نائٹ کلب کا مالک خانہ کعبہ کا موذن کس طرح بنا؟	5
بابری مسجد اپنے ہاتھوں سے شہید کر کے ہم مسلمان ہو گئے	14
عمران خان نے مجھے مسلمان کر دیا۔ کرسٹینا بیکر	25
سابق برطانوی وزیر اعظم کی سالی کیوں مسلمان ہوئیں؟	31
والدہ ہندو ڈاکٹر کی طرح بنانا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک	37
غیر ملکی ٹیم کے چھ کھلاڑیوں کا کراچی آ کر مسلمان ہونا	47
کاش اولگا اسلام قبول نہ کرتی	50
نائن الیون کے حملوں نے مجھے مسلمان کر دیا۔ گرل سارہ بوکر	55
مسلمانوں کو زندہ جلانے والا آخر کار خود مسلمان ہو گیا	59
ایک نومسلمہ انگریز خاتون کی کہانی	66
لندن: بیس پیسے کی ایمانداری سے سفید فام خاتون کا اسلام	71
بھارتی ہاکی اسٹار کا مسلمان ہونا	74
اسلام زندگی کی چاہ۔ جرمن جوڑے پر کیا گزری پاکستان آ کر	80
ناروے کی ایک سفید فام لڑکی کو اسلام کے بعد گھر سے نکال دیا	86
اسلام قبول کرنے پر گھر والوں نے ہاتھ پیر توڑ ڈالے تھے	89
میں نے لیڈی ڈیانا سے شادی کیوں نہیں کی؟ ڈاکٹر حسنات	98
بیٹیوں کو دوبارہ ہندو بنانے میں ناکامی۔ ہندو کمیونٹی	102
ایک نومسلم کی حیرت انگیز داستان	107
بھارت۔ مرتد گاؤں کا دوبارہ اسلام لانا	117
سندھ کے صحرا کی ایک ہندو لڑکی کے اسلام لانے کے بعد	122
کٹر یہودی خاندان کا شخص کیسے مسلمان ہوا؟	152
ایک بھارتی تاجر خاتون کا قبول اسلام	156
سارہ جوزف سے امریکہ میں داعیہ بننے کا سفر	163
سونیا جین کی قبول اسلام کی کہانی	167
مسلمانوں کو یورپی ممالک کی امیگریشن کیسے ملتی ہے؟	172
آسٹریلیا کی ایک خاتون سورہ یاسین پڑھ کر مسلمان ہو گئیں	199
ہسپانوی نومسلم کے قبول اسلام کی کہانی	203
ایک ایماندار مسلمان کو دیکھ کر مالدیپ اسلام لایا	209
تجارت کے لیے سعودی عرب آیا تھا۔ نومسلم کا تاثر	214
قبول اسلام (کچھ نومسلم کا)	216
دنیا میں ہر چوتھا شخص مسلمان	224
یہودی لڑکیاں عربوں سے شادی نہ کریں۔ اسرائیل	226
بھارتی جیل سے ایک نومسلم قیدی کی داستان	228
مسلمانوں کی محبت نے مجھے مسلمان کر دیا	233
نیپالی فوج کا افسر کیسے مسلمان ہوا؟	238
سی آئی اے کے نئے سربراہ نے اسلام قبول کیا	242
معروف یہودی مصنفہ پاکستان آ کر مسلمان کیسے ہوئیں؟	244
جدید دنیا کے مشہور ترین مسلمان افراد	255
امریکی عدالت میں ایک پاکستانی کی تقریر	260
دس برس کی ایک حیرت انگیز داستان	266

Marfat.com

نائٹ کلب کا مالک خانہ کعبہ کا موذن کس طرح بنا؟

ایک حیرت انگیز داستان

یہ داستان خانہ کعبہ کے صومالی موذن شیخ عبداللہ الصومالی کی ہے۔ آپ پہلے صومالیہ کے مشہور گلوکار تھے اور پھر تائب ہونے کے بعد خانہ کعبہ کے موذن بن گئے۔ مصنف

صومالیہ کے مشہور شہر مقدیشو یا مغادیشو کے ایک پرائمری اسکول میں اساتذہ اور کلرک بڑے تعجب اور حیرت سے ایک طالب علم کی خوبصورت آواز میں نغمے سن رہے تھے۔ ''غضب کی آواز ہے'' ایک نے کہا۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا: ''اتنی خوبصورت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس کے پاس لحن داودی ہے'' لڑکے نے ایک نغمہ ختم کیا۔ اب وہ پرانی شاعری سنا رہا تھا۔ ایک کہنے لگا: ''منحنی سی شکل وصورت کا عبداللہ جب بڑا ہوگا تو کیا غضب ڈھائے گا۔ ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ یہ ہمارے اسکول کا طالب علم ہے'' خوبصورت آواز اور اس کے ساتھ صحیح تلفظ ایک نعمت خداوندی ہے جو چھوٹے عبداللہ کو بڑی کم عمری میں میسر آ گئی تھی۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اس میں خود اعتمادی بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ بڑے اجتماعات کے سامنے اپنی آواز کا جادو جگاتا اور لوگ مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ ان دنوں صومالیہ پر صیاد بری کی حکومت تھی۔ ایک دن وزارت تعلیم کے ایک بڑے افسر نے اس کے قصائد سنے تو کہا:

''اگر یہ ہمارے صدر کی مدح میں اشعار پڑھے تو مزہ آ جائے۔

Marfat.com

چنانچہ عبد اللہ کیلئے خصوصی تعلیم اور اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ اب وہ گانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ماہر بن گیا۔ میٹرک کے بعد اس کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت کے وزیر تعلیم نے اس کی آواز سنی تو گرویدہ ہوگیا۔ اس نے خصوصی قانون پاس کروایا۔ اسکولوں میں موسیقی کے شعبے کا قیام عمل میں آیا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے موسیقی اور رقص و سرور کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا۔ اس کا چیف عبداللہ کو بنایا گیا۔

اسکولوں اور کالجوں میں موسیقی کی تعلیم شروع ہوگئی۔ اندرون ملک اور بیرون ملک ثقافت کے نام پر ثقافتی طائفے جانے لگے۔ عبد اللہ کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ صومال ہی نہیں، ہمسایہ ملک جیبوتی (سابق فرانسیسی صومالی لینڈ) میں بھی لوگ اس کی آواز کے دیوانے تھے۔ اسے متعدد ایوارڈز سے نوازا گیا۔ عبد اللہ جہاں بھی جاتا لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے اکٹھے ہوجاتے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں ہفتوں پہلے اس کی بکنگ کی جاتی۔ جب وہ اسٹیج پر آتا تو کئی منٹ تک مسلسل تالیاں بجتی رہتیں۔ جب گانا شروع ہوتا تو دلوں کی دھڑکنیں ٹھہر جاتیں۔ اس کا لقب شہنشاہ ترنم تھا۔

1977 میں صومال میں انقلاب برپا ہوا۔ روسی اقتدار اور اثر ورسوخ کا خاتمہ ہوگیا۔ حکومت تبدیل ہوگئی، اس کا رخ مغرب کی طرف ہوگیا۔ ملک میں اشتراکیت کی بجائے جمہوریت کا غلغلہ ہوا۔ ایک اچھے بزنس مین کی طرح عبد اللہ نے بھی اپنا رخ تبدیل کیا۔ پہلے وہ اشتراکیت کے گن گاتا تھا، اس کے نغمے اور گیت اس نظام میں مداح سرائی میں ہوتے۔

نظام بدلا تو وہ بھی بدل گیا۔ اب اس کی زبان پر جمہوریت کیلئے نغمے تھے۔ ملک میں اقتصادی اصلاحات ہونے لگیں تو اس نے بھی اپنی کمائی کو محفوظ کرنے کا سوچا۔ اور پھر وہ ایک عدد نائٹ کلب کا مالک بن گیا۔ مقدیشو میں اول درجے کا نائٹ کلب، جہاں راتیں جاگتیں اور دن سوتے تھے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک بڑا گروہ اس کے گرد جمع ہوگیا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اس کی شہرت تھی، اب وہ مختلف ممالک کے دوروں پر جانے لگا۔ یہاں سے آگے عبداللہ کی کہانی اسی کی زبانی پڑھیے:

Marfat.com

''میں جب نائٹ کلب کا مالک بن گیا تو پھر وہاں گانے گاتا مقدیشو کے ہوٹل اور نائٹ کلب میری بکنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ رقومات پیش کرتے۔ راتوں کو زندہ کرنے کیلئے، لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اور اپنے آپ کو مزید پاپولر بنانے کیلئے میں نت نئے ناٹک رچاتا۔ عریاں ڈانس، فحش مکالمات اور عشقیہ گیتوں کے ذریعے پیسہ کمانا ہمارا مقصد حیات بن چکا تھا۔ جب یہ چیزیں میسر ہوں تو پھر شیطان خوب خوش ہوتا ہے۔ بگڑے ہوئے گھرانے، ان کی امیر لڑکیاں، اور لڑکے، شراب، نشہ، ہیروئن سب کچھ میسر تھا۔ رقص گاہیں ہماری وجہ سے آباد تھیں۔

''شیطان کے اہداف حاصل کرنے کیلئے ہمارے اردگرد بدکار لوگوں کا ایک بڑا گروہ تھا۔ اس دوران ملک میں اسلام کے خلاف حکومتی لابی دن رات کام کر رہی تھی۔ علماء، صلحااور مساجد کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ جب کفر اور اسلام کے درمیان کشمکش جاری ہو تو طاغوت اور زیادہ خوبصورت چہرے لے کر سامنے آتا ہے۔ ہم نے بھی اسلامی اقدار کو ختم کرنے اور شیطانی مجالس کو فروغ دینے میں ساری قوتیں صرف کر دیں۔ ہم صرف نام کے مسلمان تھے۔ اسلامی روح کے بغیر.. ظاہری حد تک.. میں نے کتنے ہی یورپی ممالک کا سفر کیا۔ وہاں نائٹ کلبوں میں گاتا رہا، صومال کے آرٹ کو اجاگر کرتا رہا، مغرب کو خوش کرنے کیلئے کہ ہم ترقی پسند قوم ہیں۔ میرے ایمان کا، اسلام کا اور اخلاق کا جنازہ نکلتا گیا۔ مگر میری جیب بھرتی گئی۔

1983 میں میرے والد نے مجھ پر شادی کرنے کیلئے زور دیا۔ والدین کیلئے اپنی اولاد کی شادی بہت بڑی خوشی ہوتی ہے۔ والدین نے اپنے ہی خاندان میں سے ایک لڑکی کا انتخاب کیا۔ یوں تو صومال کی بہت سی لڑکیاں میرے ساتھ شادی کی تمنا کرتی تھیں مگر یہ لڑکی میرے خاندان سے تھی۔ خوبصورت، خوب سیرت اور خاصی پڑھی لکھی تھی، لہٰذا میں نے ہزاروں لڑکیوں پر اس کو ترجیح دی اور شادی پر فوراً رضامند ہو گیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد شادی کا ہنگامہ شروع ہوا۔ ایک گلوکار کی شادی یقیناً بہت یادگار تھی۔ پورے صومال سے گلوکار آئے، خوب ہلا گلا ہوا۔ ٹیلی ویژن، اخبارات، ذرائع ابلاغ کے نمائندے جمع ہوئے۔ یقیناً یہ ایک یادگار شادی تھی۔

Marfat.com

شادی کے دوران میں، میں نے یہ محسوس کیا کہ میری بیوی اتنی زیادہ خوش وخرم نہیں ہے جتنا کہ میرے جیسے معروف آدمی سے شادی کے بعد کسی لڑکی کو خوش اور فخر ہونا چاہیے۔شادی کے بعد ہم ہنی مون کیلئے چلے گئے۔ یہ دن اتنی تیزی سے گزرے کہ اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ میں نے دوبارہ اپنی ڈیوٹی سنبھال لی.. میرا کاروبار رات کو شروع ہوتا، میں فجر سے ذرا پہلے گھر آ جاتا.. پھر میں سو جاتا اور عصر کے وقت اٹھتا.. میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب صبح گھر آتا ہوں تو میری بیوی جاگ رہی ہوتی ہے اور عموماً اس کے ہاتھ میں قرآن پاک ہوتا ہے جسے وہ پڑھ رہی ہوتی ہے۔ میں آ کر اسے بڑے جوشیلے انداز میں اس رات کی کارکردگی سناتا۔ اپنے پرستاروں کی چاہت سے آگاہ کرتا۔ آج کتنی لڑکیوں اور لڑکیوں کے فون آئے جو میرے فن کے شیدائی ہیں۔ میری بیوی ان باتوں کو ناگواری سے سنتی اور میرے لیے ہدایت کی دعا کرتی۔ اس دوران میں فجر کی اذان ہوجاتی اور وہ مصلے کی طرف بڑھ جاتی، جب کہ میں نماز پڑھے بغیر ہی سو جاتا۔ میں جب بھی اس سے نائٹ کلب کا ذکر کرتا، وہاں کی باتیں سناتا، اپنی کمائی کا ذکر کرتا، بینک بیلنس کا رعب جماتا تو وہ جواباً کہتی: ''رازق تو صرف اللہ کی ذات ہے''۔

ہماری شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے۔ میں مسلسل اپنے فن میں مبتلا اور فسق و فجور میں ڈوبا ہوا نماز اور عبادت کے بغیر زندگی گزارتا رہا.. پھر اچانک ہماری زندگی میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ یہ 1988 کی بات ہے، میری بیوی نے مجھ سے کہا: ''میں اس شخص کے ساتھ ہرگز زندگی نہیں گزار سکتی جو اپنے رب کا وفادار نہیں، جو نماز ادا نہیں کرتا.. اس کی کمائی حرام ہے جو فجر کے وقت گھر آتا ہے۔

میری وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ میری بیوی میرے لیے ایسا سوچ سکتی ہے۔ بہرحال گھر میں لڑائی شروع ہوگئی۔ میں نے اس کی باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

کچھ دن گزرے، ایک دن جب میں گھر میں داخل ہوا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ شہر کی مساجد میں اذانیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر طرف اللہ اکبر...... **اشهد ان لا اله الا الله حی علی الصلوٰة** کی گونج تھی۔ جب سونے کیلئے اپنے کمرے میں جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: ''آپ مسجد میں نماز کیلئے کیوں نہیں جاتے؟ کیا آپ نے اذان کی آواز نہیں

سنی؟''

میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھے نماز کیلئے کہا تھا۔ اس لمحے میں نے خود بھی نماز پڑھنے کے بارے میں سوچا.. میرے جسم میں جھرجھری سی آئی۔ بیوی کی آواز بار بار کانوں میں گونج رہی تھی۔''اس وقت مسلمان مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کیوں مسجد کا رخ نہیں کرتے؟ یہ رحمٰن کا بلاوا ہے۔ یہ مالک الموت کی طرف سے دعوت ہے'' اور پھر میرے ذہن میں خیر اور شر کی کشمکش ہوئی۔ فطرت کی آواز بلند ہوئی: تمہارا نام کتنا خوبصورت ہے.. عبد اللہ.. تم اللہ کے بندے ہو۔ مگر نہیں.. تم تو شیطان کے چیلے بنے ہوئے ہو۔ کبھی تم نے اپنے مالک کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ تم کب تک زندہ رہو گے، کب تک زندگی رہے گی، کب تک جوانی رہے گی؟ میرے سامنے ماضی آ گیا۔ ضمیر نے ملامت شروع کی.. مگر فورا کلب کی رعنائیاں، ٹیلی ویژن کی سکرین، اسٹیج، شہرت، عزت.. کیا میں بیوی کی بات مان لوں؟ یہ کام چھوڑ دوں؟ یہ مقام حاصل کرنے کیلئے میں نے بے حد محنت اور جدوجہد کی ہے۔ یہی سوچتے سوچتے میں حسب عادت سو گیا۔

شام کے وقت میں نے کپڑے تبدیل کیے۔ کلب جانے کیلئے تیاری کی.. میری بیوی نے میرے کان میں سرگوشی کی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کہہ رہی تھی: ذرا بیٹھ جائیں.. ذرا میری بات تو سنیں.. کیا ہمارا رازق اللہ نہیں ہے؟ حلال کا ایک لقمہ حرام کے ہزاروں لقموں سے بہتر ہے''۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بیوی کی آواز.. اس کی گفتگو.. اس کے کلمات.. یقیناً درست ہیں۔ ان میں صداقت ہے.. یہ فطرت کی آواز ہیں.. مگر.. میرا فن.. میری آواز.. میری شہرت؟.. میں تیزی سے بھاگا کہیں بیوی کی بات مان نہ لوں۔

راستے میں بیوی کے کلمات میرا پیچھا کر رہے تھے کہ میں نائٹ کلب کے دروازے پر پہنچا۔ اس دوران عشا کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میرے کانوں میں موذن کی خوبصورت اور دل میں اتر جانے والی آواز گونجی.. حی علی الصلوۃ.. حی علی الفلاح..''

بیوی کی نصیحت یاد آئی.. اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ فسق و فجور اور کفر کے غبار کی تہ بیٹھنے لگی.. ایمان کی حرارت اور اسلام کی قوت زور دکھانے لگی.. اور پھر میرا رخ نائٹ کلب

Marfat.com

سے مسجد کی طرف ہو گیا۔

میں مسجد میں داخل ہوا، وضو کیا۔ جماعت ہو رہی تھی، میں نے نماز ادا کی۔ بعض نمازیوں نے مجھے پہچان لیا۔ کوئی ہاتھ ملا رہا ہے، کوئی دور سے سلام کر رہا ہے۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ اور میرا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے۔ الحمد اللہ میں نے فطرت کو پالیا ہے۔

کسی نے مجھے صحیح بخاری کا نسخہ تحفے میں دیا۔ یہ اب میرے لیے متاع حیات تھی.. میں اپنی نئی ماڈل کی قیمتی گاڑی میں سوار ہوا۔ اس کا رخ نائٹ کلب کے بجائے گھر کی طرف دیکھا۔ میری بیوی جو مجھے فجر کے وقت گھر آتے دیکھا کرتی تھی.. آج عشا کے بعد گھر میں دیکھ رہی تھی۔ بیوی کی طرف بڑھا۔ بیگم.. تمہیں مبارک ہو.. میں نے آج سے گانوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں نے فسق و فجور اور لہو و لعب کی زندگی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ میں نے سچی توبہ کر لی ہے۔ میں الحمد اللہ تائب ہو گیا ہوں۔

پھر میں نے محسوس کیا گویا میں نے نئی زندگی کا آغاز کیا ہے.. سب سے پہلا کام.. وہ اسٹوڈیو، جس کا میں مالک تھا، جس میں گانے ریکارڈ کراتا تھا، جس میں دنیا بھر کی جدید مشینیں تھیں، جن کو دنیا کے کونے کونے سے جمع کرتا رہا تھا.. میں نے اس اسٹوڈیو کو دعوت الی اللہ کیلئے وقف کر دیا کہ اب یہاں قرآن پاک کی کیسٹیں، علمائے کرام کی تقاریر اور اسلامی ترانے ریکارڈ ہونگے.. میں نے قیمتی گاڑی فروخت کر دی، خوبصورت محل نما کوٹھی فروخت کر دی.. میں ایک اوسط درجے کے مکان میں آ گیا۔ اب میرا وقت اپنے گھر میں گزرنے لگا۔ میری ایک ہی تمنا تھی.. ایک ہی جستجو.. میں حلقہ قرآن سے وابستہ ہو گیا.. اب مجھے قرآن پاک حفظ کرنے کی خواہش تھی۔

کچھ عرصہ ٹھیک گزرا .. مگر جب کوئی اسلام کی راہ پر چلے گا تو آزمائش لازماً آئے گی.. یہ تو سنت اللہ ہے۔ حق کی راہ میں یقیناً بہت سی مشکلات ہیں.. دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے.. یہ پھولوں کی سیج نہیں، یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ عبد اللہ کیلئے سب سے پہلی آزمائش مال کی کمی تھی.. وہ گانے بجانے کی علاوہ کوئی کام نہیں جانتا تھا۔ یہ گانا بجانا ختم ہوا تو مصدر رزق بھی ختم ہو گیا۔ پہلے کا کمایا ہوا مال.. وہ حرام

کی کمائی تھی.. لہٰذا اس میں برکت تو سرے سے تھی ہی نہیں.. پس انداز بھی کم ہی تھا.. کئی دن، کئی راتیں، کئی ہفتے گزر گئے.. آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ بن سکا.. جس شخص نے ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری ہو، اب اس کیلئے فاقہ کشی.. شیطان نے کئی بار بہکایا۔ ماضی یاد آیا.. کس طرح مال و دولت میں کھیلتا تھا اور اب روٹی کیلئے ترس رہا ہوں.. اسی زندگی میں لوٹ جاؤں؟.. مگر ایمان کے تقاضے کچھ اور تھے۔ اور پھر ایک دن اس کے پرانے رفقا آ گئے.. موجودہ صورتحال پر افسوس کا اظہار کیا اور دامِ تزویر پھیلایا: ''عبد اللہ.. ایک رات ہمیں دے دو.. صرف ایک رات.. اور معاوضہ؟.. تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ جو پہلے ایک رات میں کماتے تھے اس سے دوگنا.. تین گنا زیادہ.. پانچ.. سات.. نو.. ہم دس گنا زیادہ دینے کیلئے تیار ہیں۔ ایک مرتبہ ہاں کر دو'' مگر جب ایمان باللہ پختہ ہو جائے تو پھر انقلابات برپا ہو جاتے ہیں، سخت پہاڑ بھی راستہ چھوڑ دیتے ہیں.. ایمان اور اس کے مقابلے میں دنیا بھر کی دولت، دنیا بھر کی سیادت اور حکمرانی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی.. عبد اللہ کے دل میں رب تعالیٰ کی محبت راسخ ہو چکی تھی۔ تمام اقسام کی مراعات، لالچ، فوائد.. کچھ منظور نہیں.. رحمٰن کو راضی کرنے کا عزمِ صمیم کیا ہوا ہے۔

آزمائش کا اگلا دور شروع ہوا.. حکومت کو معلوم ہوا کہ عبد اللہ نے گانا گانے سے توبہ کر لی ہے۔ اس کی یہ مجال؟.. اس کو بلایا گیا، پوچھا گیا، تنبیہ کی گئی، منع کیا گیا کہ یہ تمہارا فیصلہ نہایت نامعقول اور احمقانہ ہے۔

بعض نے کہا کہ چھوڑ دو، چند دن کی بات ہے۔ خود ہی واپس آ جائے گا.. پھر اس کے ساتھ متعدد دانشوروں نے.. اپنے تئیں عصرِ حاضر کے نام نہاد دانشوروں نے عبد اللہ سے مناقشہ شروع کیا، مناظرہ ہوا، اس سے بحث ہوئی.. تو معلوم ہوا کہ یہ وہ عبد اللہ نہیں ہے جس نے 18 سال فن کاری کی ہے.. یہ وہ مشہور مغنی، وہ گلوکار نہیں، کوئی اور عبد اللہ ہے۔ ان کو خوب معلوم ہو گیا کہ اب وہ عبد اللہ گویا نہیں بلکہ داعی الی اللہ ہے۔

اور جب مناقشہ، مناظرہ، بحث، لالچ، سب ناکام ہو گئے، عبد اللہ کو منوانے میں سب مکمل طور پر ناکام ہو چکے تو.. پھر منوانے کا، رام کرنے کا نیا انداز اختیار کیا گیا.. وہی انداز، جو تمام طاغوتی طاقتیں اختیار کرتی ہیں۔ ہر زمانے میں، ہر دور میں، ڈرانے کا، دھمکانے کا

Marfat.com

انداز .. تمہیں ٹیلی ویژن پر آنا ہوگا اور اعلان کرنا ہوگا "..میں نے گانے بجانے سے جو انکار کیا تھا اب دوبارہ اس سے رجوع کر رہا ہوں ..وہ میری غلطی تھی، وہ وقتی طور پر تھا .. ''اور اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو پھر جیل، قید خانہ، مقدمات، بدنی سزا.. مگر ایک سچا مومن، جس کا ایمان راسخ ہے، جسے رب کی تائید اور مدد کا پختہ یقین ہے ..اس کے رویے میں کوئی نرمی نہیں آئی ..یہ زندگی ہے نا، ایک ہی، اسے ختم ہو جانا ہے ..اگر رب کی فرمانبرداری میں ختم ہوتی ہے تو سودا مہنگا نہیں .. عبداللہ نے اپنے رب کے ساتھ سچا سودا کیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو وہ حق سے نہیں پھرے گا .. پھر عبداللہ نے شدت سے اور پوری قوت سے ان کے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا ..خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے ..میں تمہاری بات ماننے کیلئے نہیں۔

ان حالات میں طاغوت کے دیگر حربوں میں سے ایک حربہ .. حق کی آواز کو روکنے کا .. قید، جیل، حبس، نظر بندی، مقدمات ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حربہ بھی آزمایا گیا ..اس کو جیل میں ڈال دیا گیا، شاید لوٹ آئے ..اس کا جرم، اس کا قصور، رقص وسرود اور گانے سے انکار ...جی ہاں ..اس مقبول شخصیت کو جیل کی کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا کیونکہ اس نے اس بات کا اعلان کیا تھا: ..میرا رب اللہ ہے ..اور اگر وہ ان کی بات مان لیتا.. غنا کو، رقص کو، رات کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیتا تو اس کی عزت واحترام، منصب، دولت، شہرت، سب برقرار رہتے اور وہ اس کو کندھوں پر بٹھاتے۔

عبداللہ ایک مدت تک قید میں رہا۔ اس دوران میں اس کو تعذیب دی گئی، مارا گیا، سزائیں دی گئیں کہ ترک غنا سے رجوع کر لے .. مگر وہ اللہ کا بندہ اپنے عزائم پر ثابت قدم رہا۔ جیل میں ایک مدت گزارنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو حکمران اس سے مایوس ہو گئے اور اسکو رہا کر دیا۔

جیل سے نکلنے کے بعد معاشی حالات بہت پریشان کن ہو گئے مگر ان مشکل حالات میں، کٹھن اوقات میں اس کی بیوی اس کا مکمل ساتھ دیتی رہی۔ اس کا حوصلہ مزید بڑھاتی رہی کہ دنیا کے مال ومتاع بالکل ناپائیدار ہیں۔ حقیقی طور پر امیر کون ہے، وہ نہیں جس کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں بلکہ حقیقت میں امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے.. حقیقی

Marfat.com

قوت کیا ہے، عقیدہ اور ایمان کی قوت .. حقیقی خوشی، سعادت اور خوش بختی کس چیز کا نام ہے .. یہ اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی رضا میں ہے۔

1990 میں عبداللہ نے اپنے وطن کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیا۔ یوں بھی ملک کے حالات خراب ہو چکے تھے، خانہ جنگی شروع تھی۔ مختلف قبائل ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور قتل و غارت گری میں مبتلا تھے۔ اور پھر وہ پہلی مرتبہ اس گھر کی زیارت کیلئے آیا جس کی زیارت اور جس کے گرد چکر لگانے کی تڑپ دنیا کے ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا، نیک بخت بیوی بھی ہمراہ تھی۔ عمرہ ادا کیا تو اس کے ایمان میں مزید اضافہ ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں بعض اہل خیر کو معلوم ہوا، وہ اس سے واقف تھے .. اس کی سابقہ زندگی سے .. اس کے ماضی سے .. اس کی اسلام پر پختگی سے .. اور پھر انہوں نے عبداللہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کی تکریم کی، اس کی کفالت کی .. کچھ ہی عرصہ میں اس نے قرآن کے دس پارے حفظ کر لیے۔

اس کے وطن میں خانہ جنگی عروج پر تھی۔ ان حالات میں اس نے ایک مصلح کا کردار ادا کیا، وہ وطن واپس گیا۔ قبائل کے درمیان صلح کی کوشش کی، فساد کو ختم کرنے کیلئے اپنے اثر ورسوخ اور شہرت کو استعمال کیا .. اب وہ ایک مبلغ تھا .. عقیدہ کا، اسلام کا، قرآن کا، حدیث کا .. پھر وہ اس دوران میں کئی مرتبہ عمرہ کرنے کیلئے مکہ مکرمہ آیا۔ پھر اس کو اس بلد الحرام میں، مکہ مکرمہ میں، اس مبارک اور مقدس شہر کی مقدس مسجد میں بطور موذن موقع مل گیا۔ عبداللہ آج بھی مبلغ ہے، وہ موذن ہے اسلام کی آواز کا .. وہ سعودی عرب میں ہو یا صومال میں، ہر جگہ وہ دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے اور نجانے کتنے ہی گنہگاروں اور خطاکاروں نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی ہے اور اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق بنالی ہیں تاکہ وہ بھی حقیقی سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں .. بالکل اسی طرح جس طرح عبداللہ سعادت حاصل کر چکا ہے۔

اللہ کے رسول کا فرمان بالکل حق ہے:

الدنیا متاع و خیر متاع الدنیا المرا الصالح

"فائدہ کی چیز (دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی بہترین پونجی نیک بیوی ہے)"

Marfat.com

بابری مسجد اپنے ہاتھوں سے شہید کر کے ہم مسلمان ہو گئے۔بلبیر سنگھ کی کہانی اپنی زبانی

میرا تعلق صوبہ ہریانہ کے پانی پت ضلع کے ایک گاؤں سے ہے میری پیدائش (چھ) دسمبر کو ایک راجپوت گھرانے میں ہوئی، میرے والد صاحب ایک اچھے کسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، وہ بہت اچھے انسان تھے اور انسانیت دوستی ان کا مذہب تھا، کسی پر بھی کسی طرح کے ظلم سے انہیں سخت چڑ تھی۔ تقسیم ہند کے فسادات انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے وہ بہت کرب کے ساتھ ان کا ذکر کرتے اور مسلمانوں کے قتل عام کو ملک پر بڑا داغ سمجھتے تھے بچے کھچے مسلمانوں کو بسانے میں وہ بہت مدد کرتے تھے، اپنے اسکول میں مسلمان بچوں کی تعلیم کا وہ خاص خیال رکھتے تھے، میرا پیدائشی نام بلبیر سنگھ تھا اپنے گاؤں کے اسکول سے میں نے ہائی اسکول کر کے انٹرمیڈیٹ میں پانی پت میں داخلہ لیا، پانی پت شاید بمبئی کے بعد شیوسینا کا سب سے مضبوط گڑھ ہے، خاص طور پر جوان طبقہ اور اسکول کے لوگ شیوسینا میں بہت لگے ہوئے ہیں، وہاں میری دوستی کچھ شیوسینکوں سے ہوگئی اور میں نے بھی پانی پت شاکھا میں نام لکھا لیا، پانی پت کے اتہاس (تاریخ) کے حوالے سے وہاں نوجوانوں میں، مسلمانوں خاص طور پر بابر اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کے خلاف بڑی نفرت گھولی جاتی تھی، میرے والد صاحب کو جب میرے بارے میں معلوم ہوا کہ میں شیوسینا میں شامل ہوگیا ہوں تو انہوں نے مجھے بہت سمجھایا، انہوں نے مجھے تاریخ کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی، انہوں

نے بابر خاص طور پر اورنگ زیب کی حکومت کے انصاف اور غیر مسلموں کے ساتھ ان کے عمدہ سلوک کے قصے سنائے اور مجھے بتانے کی کوشش کی کہ انگریزوں نے غلط تاریخ ہمیں لڑانے کے لئے اور ملک کو کمزور کرنے کے لئے گھڑ کر تیار کی ہے، انہوں نے ظلم اور قتل غارت گری کے قصوں کے حوالے سے مجھے شیوسینا سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

پھر اسی دوران میں ایڈوانی جی کی رتھ یاترا میں مجھے پانی پت کے پروگرام کی خاصی بڑی ذمہ داری سونپی گئی رتھ یاترا میں ان ذمہ داروں نے ہمارے روئیں روئیں میں مسلم نفرت کی آگ بھر دی میں نے شیواجی کی سوگندھ کھائی کہ کوئی کچھ بھی کرے میں خود اکیلے جاکر رام مندر پر سے بابری مسجد کے ظالمانہ ڈھانچہ کو مسمار کروں گا، اس یاترا میں میری کارکردگی کی وجہ سے مجھے شیوسینا کے یوتہ ونگ کا صدر بنا دیا گیا، میں اپنی نوجوان ٹیم کو لے کر اکتوبر کو ایودھیا گیا، راستہ میں ہمیں پولیس نے فیض آباد میں روک دیا، میں اور کچھ ساتھی کسی طرح بچ بچا کر پھر بھی ایودھیا پہنچے، مگر پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس سے پہلے گولی چل چکی تھی اور بہت کوشش کے باوجود میں بابری مسجد کے پاس نہ پہنچ سکا میری نفرت کی آگ اس سے اور بھڑکی میں اپنے ساتھیوں سے بار بار کہتا تھا اس جیون سے مر جانا بہتر ہے رام کے دیش میں عرب لٹیروں کی وجہ سے رام کے بھگتوں پر رام جنم بھومی پر گولی چلا دی جائے، یہ کیسا انیائے اور ظلم ہے، مجھے بہت غصہ تھا، کبھی خیال ہوتا تھا کہ خودکشی کرلوں کبھی دل میں آتا تھا کہ لکھنو جا کر ملائم سنگھ کو اپنے ہاتھ سے گولی مار دوں، ملک میں فسادات چلتے رہے اور میں اس دن کی وجہ سے بے چین تھا کہ مجھے موقعہ ملے اور میں بابری مسجد کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کروں۔ایک ایک دن کر کے وہ منحوس دن قریب آیا جسے میں اس وقت کا خوشی کا دن سمجھتا تھا میں اپنے کچھ جذباتی ساتھیوں کے ساتھ ایک دسمبر کو پہلے ایودھیا پہنچا میرے ساتھ سونی پت کے پاس ایک جاٹوں کے گاؤں کا ایک نوجوان یوگیندر پال بھی تھا جو میرا سب سے قریبی دوست تھا،اس کے والد ایک بڑے زمیندار تھے اور وہ بھی بڑے انسان دوست آدمی تھے، انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو ایودھیا جانے سے بہت روکا اس کے تاو بھی بہت بگڑے مگر وہ نہیں رکا۔ہم لوگ چھ دسمبر سے پہلے کی

Marfat.com

رات میں بابری مسجد کے بالکل قریب پہنچ گئے اور ہم نے بابری مسجد کے سامنے کچھ مسلمانوں کے گھروں کی چھتوں پر رات گزاری، مجھے بار بار خیال ہوتا تھا کہ کہیں اکتوبر کی طرح آج بھی ہم اس شبھ کام سے محروم نہ رہ جائیں، کئی بار خیال آیا کہ لیڈر نہ جانے کیا کریں، ہمیں خود جاکر کارسیوا شروع کرنی چاہیے، مگر ہمارے سنچالک نے ہمیں روکا اور ڈسپلن بنائے رکھنے کو کہا، اوما بھارتی نے بھاشن دیا اور کارسیوکوں میں آگ بھر دی میں بھاشن سنتے سنتے مکان کی چھت سے اتر کر کدال لے کر بابری مسجد کی چھت پر چڑھ گیا، یوگیندر بھی میرے ساتھ تھا، جیسے ہی اوما بھارتی نے نعرہ لگایا، ایک دھکا اور دو، بابری مسجد توڑ دو، بس میری مرادوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور میں نے بیچ والے گنبد پر کدال چلائی اور بھگوان رام کی جے کے زور زور سے نعرے لگائے، دیکھتے دیکھتے مسجد مسمار ہوگئی، مسجد کے گرنے سے پہلے ہم لوگ نیچے اتر آئے، ہم لوگ بڑے خوش تھے رام للا کے لگائے جانے کے بعد اس کے سامنے ماتھا ٹیک کر ہم لوگ خوشی سے گھر آئے اور بابری مسجد کی دو دو اینٹیں اپنے ساتھ لائے، جو میں نے خوشی خوشی پانی پت کے ساتھیوں کو دکھائیں، وہ لوگ میری پیٹھ ٹھونکتے تھے، شیو سینا کے دفتر میں وہ اینٹیں رکھ دی گئیں اور ایک جلسہ کیا گیا اور سب لوگوں نے بھاشن میں فخر سے میرا ذکر کیا کہ ہمیں گرو (فخر) ہے کہ پانی پت کے نوجوان شیوسینک نے سب سے پہلے رام بھکتی میں کدال چلائی، میں نے گھر بھی خوشی سے جاکر بتایا میرے پتا جی بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے گہرے دکھ کا اظہار کیا اور مجھ سے صاف کہہ دیا کہ اب اس گھر میں تو اور میں دونوں نہیں رہ سکتے، اگر تو رہے گا تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا نہیں تو تو ہمارے گھر سے چلا جا، مالک کے گھر کے ڈھانے والے کی میں صورت دیکھنا نہیں چاہتا، میری موت تک تو مجھے کبھی صورت نہ دکھانا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا، میں نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور پانی پت میں جو سمان (عزت) مجھے اس کارنامہ پر ملا وہ بتانے کی کوشش کی انھوں نے کہا کہ یہ دیش ایسے ظالموں کی وجہ سے برباد ہوجائے گا اور غصہ میں گھر سے جانے لگے، میں نے موقع کو بھانپا اور کہا آپ گھر سے نہ جائیے میں خود اس گھر میں رہنا نہیں چاہتا جہاں رام مندر بھگت کو ظالم سمجھا جاتا ہو اور میں گھر چھوڑ کر آ گیا اور پانی پت میں رہنے لگا۔

Marfat.com

میرے اللہ کیسے کریم ہیں کہ ظلم اور شرک کے اندھیرے سے مجھے، نہ چاہتے ہوئے، اسلام کے نور اور ہدایت سے مالا مال کیا، مجھ جیسے ظالم کو جس نے اس کا مقدس گھر شہید کیا ہدایت سے نوازا، ہوا یہ کہ میرے دوست یوگیندر نے بابری مسجد کی اینٹیں لا کر رکھیں اور مائک سے اعلان کیا کہ رام مندر پر بنے ظالمانہ ڈھانچہ کی اینٹیں سوبھاگیہ (خوش قسمتی) سے ہماری تقدیر میں آ گئی ہیں سب ہندو بھائی آ کر ان پر (موت دان) پیشاب کریں، پھر کیا تھا، بھیڑ لگ گئی، ہر کوئی آتا تھا اور ان اینٹوں پر حقارت سے پیشاب کرتا تھا مسجد کے مالک کو اپنی شان بھی دکھانی تھی چار پانچ روز کے بعد یوگیندر کا دماغ خراب ہو گیا، پاگل ہو کر وہ ننگا رہنے لگا، سارے کپڑے اتارا تھا، وہ عزت والے زمیندار چودھری کا اکلوتا بیٹا تھا، اس پاگل پن میں وہ بار بار اپنی ماں کے کپڑے اتار کر اس سے منہ کالا کرنے کو کہتا، بار بار اس گندے جذبہ سے اس کو لپٹ جاتا اس کے والد بہت پریشان ہوئے بہت سے سیانے اور مولانا لوگوں کو دکھایا، بار بار مالک سے معافی مانگتے، دان کرتے، مگر اس کی حالت اور بگڑتی تھی، ایک روز وہ باہر گئے تو اس نے اپنی ماں کے ساتھ گندی حرکت کرنی چاہی، اس نے شور مچایا دیا، محلہ والے آئے، تو جان بچی، اس کو زنجیر میں باندھ دیا گیا، یوگیندر کے والد عزت والے آدمی تھے، انھوں نے اس کو گولی مارنے کا ارادہ کرلیا کسی نے بتایا کہ یہاں سونی پت میں عیدگاہ میں ایک مدرسہ ہے وہاں بڑے مولانا صاحب آتے ہیں، آپ ایک دفعہ ان سے اور مل لیں، اگر وہاں کوئی حل نہ ہو تو پھر جو چاہے کرنا، وہ سونی پت گئے تو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب تو یہاں پہلی تاریخ کو آتے ہیں اور پرسوں پہلی جنوری کو آ کر تاریخ کی صبح میں جا چکے ہیں، چودھری صاحب بہت مایوس ہوئے اور کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کو معلوم کیا، معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ذمہ دار قاری صاحب یہ کام کر دیتے ہیں، مگر وہ بھی مولانا صاحب کے ساتھ سفر پر نکل گئے ہیں، عیدگاہ میں ایک دوکاندار نے انہیں مولانا کا دہلی کا پتہ بتایا کہ پرسوں بدھ میں حضرت مولانا نے (بوانے، دہلی) میں ان کے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے، وہ لڑکے کو زنجیر میں باندھ کر بوانہ کے امام صاحب کے پاس لے گئے، وہ مولانا کے مرید تھے اور بہت زمانے سے ان سے بوانہ کے لئے تاریخ لینا چاہتے تھے مولانا صاحب ہر بار ان سے معذرت کر رہے تھے، اس بار انھوں نے ادھر

Marfat.com

کے سفر میں دو روز کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے کا وعدہ کرلیا تھا، بوانہ کے امام صاحب نے بتایا کہ حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے (چھ) دسمبر سے پہلے ہریانہ کے بہت سے امام اور مدرسین یہاں سے یوپی اپنے گھروں کو چلے گئے تھے اور ان میں سے بعض ایک مہینہ تک نہیں آئے اس لئے مولانا صاحب نے پہلی تاریخ کواس موضوع پر تقریر کی اور بڑا زور دے کر یہ بات کہی کہ مسلمان نے ان غیر مسلم بھائیوں کو اگر دعوت دی ہوتی اور اسلام، اللہ اور مساجد کا تعارف کرایا ہوتا تو ایسے واقعات پیش نہ آتے، انھوں نے کہا کہ بابری مسجد کی شہادت کے بیک واسطہ ہم مسلمان ذمہ دار ہیں اور اگر اب بھی ہمیں ہوش آجائے اور ہم دعوت کا حق ادا کرنے لگیں تو یہ مسجد گرانے والے، مسجدیں بنانے اور آباد کرنے والے بن سکتے ہیں، ایسے موقع پر ہمارے آقا **اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون** (اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دے، اس لئے کہ یہ لوگ جانتے نہیں) فرمایا کرتے تھے۔ یوگیندر کے والد چودھری رگھوبیر سنگھ جب بوانہ کے کے امام (جن کا نام شاید مولانا بشیر احمد تھا) کے پاس پہنچے، تو ان پر اس وقت اپنے شیخ کی تقریر کا بڑا اثر تھا، انھوں نے چودھری صاحب سے کہا کہ میں جھاڑ پھونک کا کام کرتا تھا مگر اب ہمارے حضرت نے ہمیں اس کام سے روک دیا، کیونکہ اس پیشہ میں جھوٹ اور عورتوں سے اختلاط (میل ملاپ) بہت ہوتا ہے اور اس لڑکے پر کوئی اثر یا جادو وغیرہ نہیں بلکہ مالک کا عذاب ہے، آپ کے لئے ایک موقع ہے، ہمارے بڑے حضرت صاحب پرسوں بدھ کے روز دوپہر کو یہاں آرہے ہیں، آپ ان کے سامنے بات رکھیں، آپ کا بیٹا ہمیں امید ہے کہ ٹھیک ہو جائے گا، مگر آپ کو ایک کام کرنا پڑے گا، وہ یہ کہ اگر آپ کا بیٹا ٹھیک ہو جائے تو مسلمان ہونا پڑے گا، چودھری صاحب نے کہا کہ میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے تو میں سب کام کرنے کو تیار ہوں۔ تیسرے روز بدھ تھا چودھری رگھوبیر صاحب یوگیندر کو لے کر صبح نو بجے بوانہ پہنچ گئے، دوپہر کو ظہر سے پہلے مولانا صاحب آئے، یوگیندر زنجیر میں بندھا ننگ دھڑنگ کھڑا تھا، چودھری صاحب روتے ہوئے مولانا کے قدموں میں گر گئے اور بولے کہ مولانا صاحب میں نے اس کمینہ کو بہت روکا، مگر یہ پانی پت کے ایک اوت کے چکر میں آگیا اور جا کر نا صرف بابری مسجد شہید کی بلکہ اس کی اینٹوں پر سب سے پیشاب کرایا اور اب یہ پاگل ہو کر اپنی ماں سے زنا

Marfat.com

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مولانا صاحب مجھے شما کرا دیجئے میرے گھر کو بچا لیجئے مولانا صاحب نے سختی سے انہیں سر اٹھانے کے لئے کہا اور پورا واقعہ سنا۔ انہوں نے چودھری صاحب سے کہا کہ ساری دنیا کو چلانے والے سروشکتی مان (قادر مطلق) خدا کا گھر ڈھا کر انہوں نے ایسا بڑا پاپ (ظلم) کیا ہے کہ اگر وہ مالک سارے سنسار کو ختم کردے تو ٹھیک ہے، یہ تو بہت کم ہے کہ اس اکیلے پر پڑی ہے، ہم بھی اس مالک کے بندے ہیں اور ایک طرح سے اس بڑے گھنگھور پاپ (بڑے گناہ) میں ہم بھی قصوروار ہیں کہ ہم نے مسجد کو شہید کرنے والوں کو سمجھانے کا حق ادا نہیں کیا، اب ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں ہے بس یہ ہے کہ آپ بھی اس مالک کے سامنے گڑگڑائیں اور شما مانگیں اور ہم بھی معافی مانگیں، مولانا صاحب نے کہا، جب تک ہم مسجد میں پروگرام سے فارغ ہوں آپ اپنے دھیان کو مالک کی طرف لگا کر سچے دل سے معافی مانگیں اور پرارتھنا (دعا) کریں کہ مالک میری مشکل کو آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا، چودھری صاحب پھر مولانا صاحب کے قدموں میں گر گئے اور بولے جی میں اس لائق ہوتا یہ دن کیوں دیکھتا، آپ مالک کے قریب ہیں، آپ ہی کچھ کریں مولانا صاحب نے ان سے کہا کہ آپ میرے پاس علاج کے لئے آئے ہیں، اب جو علاج میں بتا رہا ہوں وہ آپ کو کرنا چاہے، وہ راضی ہوگئے مولانا صاحب مسجد میں گئے، نماز پڑھی تھوڑی دیر تقریر کی اور دعا کی، مولانا صاحب نے سبھی لوگوں سے چودھری صاحب کے لئے دعا کو کہا، پروگرام کے بعد مسجد میں ناشتہ ہوا، ناشتہ سے فارغ ہوکر مسجد سے باہر نکلے تو مالک کا کرم کہ یوگیندر نے اپنے باپ کی پگڑی اتار کر اپنے ننگے جسم پر لپیٹ لی تھی اور ٹھیک ٹھاک اپنے والد صاحب سے بات کر رہا تھا، سب لوگ بہت خوش ہوئے، بوانہ کے امام صاحب تو بہت خوش ہوئے، انھوں نے چودھری صاحب کو وعدہ یاد دلایا اور اس کو ڈرایا بھی کہ جس مالک نے اس کو اچھا کیا ہے اگر تم وعدہ کے مطابق مسلمان نہیں ہوتے ہو تو پھر یہ دوبارہ اس سے زیادہ پاگل ہوسکتا ہے، وہ تیار ہوگئے اور امام صاحب سے بولے، مولانا صاحب میری سات پشتیں آپ کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتیں، آپ کا غلام ہوں، جہاں چاہیں آپ مجھے بیچ سکتے ہیں، حضرت مولانا کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام صاحب نے اس سے ٹھیک ہونے کا ایسا وعدہ کرلیا تھا، تو انھوں

Marfat.com

نے امام صاحب کو سمجھایا کہ اس طرح کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ چودھری صاحب کو مسجد میں لے جانے لگے، تو یوگیندر نے پوچھا پتا جی کہاں جا رہے ہو انھوں نے کہا مسلمان بننے، تو یوگیندر نے کہا، مجھے آپ سے پہلے مسلمان بننا ہے اور مجھے تو بابری مسجد دوبارہ ضرور بنوانی ہے، خوشی خوشی ان دونوں کو وضو کرایا اور کلمہ پڑھوایا گیا، والد صاحب کا محمد عثمان اور بیٹے کا محمد عمر نام رکھا گیا، خوشی خوشی وہ دونوں اپنے گاؤں پہنچے وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے، اس کے امام صاحب سے جا کر ملے، امام صاحب نے مسلمانوں کو بتا دیا، بات پورے علاقہ میں پھیل گئی، ہندوؤں تک بات پہنچی، تو قوت دار لوگوں کی میٹنگ ہوئی اور طے کیا کہ ان دونوں کو رات میں قتل کروایا جائے، ورنہ نہ جانے کتنے لوگوں کا دھرم خراب کریں گے، اس میٹنگ میں ایک مرید بھی شریک تھا اس نے امام صاحب کو بتا دیا، اللہ نے خیر کی ان دونوں کو راتوں رات گاؤں سے نکالا گیا، پھلت گئے اور بعد میں جماعت میں چالیس دن کے لئے چلے گئے، یوگیندر نے پھر امیر صاحب کے مشورہ سے تین چلے لگائے، بعد میں ان کی والدہ بھی مسلمان ہو گئیں، محمد عمر کی شادی دہلی میں ایک اچھے مسلمان گھرانے میں ہو گئی اور وہ سب لوگ خوشی خوشی دہلی میں رہ رہے ہیں گاؤں کا مکان اور زمین وغیرہ بیچ کر دہلی میں ایک کارخانہ لگا لیا ہے۔

اصل میں میرے قبول اسلام کو اس کہانی سے الگ کرنا ممکن نہیں، اس لئے میں نے اس کا پہلا حصہ سنایا، اب آگے دوسرا حصہ سن لیجیے، مارچ کو اچانک میرے والد کا ہارٹ فیل ہو کر انتقال ہو گیا، ان پر بابری مسجد کی شہادت اور اس میں میری شرکت کا بڑا غم تھا، وہ میری ممی سے کہتے تھے کہ مالک نے ہمیں مسلمانوں میں پیدا کیوں نہیں کیا، اگر مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتے، کم از کم ظلم سہنے والوں میں ہمارا نام آتا، ظلم کرنے والی قوم میں ہمیں کیوں پیدا کر دیا، انھوں نے گھر والوں کو وصیت کی تھی کہ میری ارتھی پر بلبیر نہ آنے پائے، میری ارتھی کو یا تو مٹی میں دبانا، یا پانی میں بہا دینا، ظالم قوم کے رواج کے مطابق آگ مت لگانا بلکہ ہندوؤں کے شمشان میں بھی نہ لے جانا، گھر والوں نے ان کی اِچھا (خواہش) کے مطابق عمل کیا اور آٹھ دن بعد مجھے ان کے انتقال کی خبر ہوئی، میرا دل بہت ٹوٹا، ان کے انتقال کے بعد بابری مسجد کا گرانا مجھے ظلم لگنے لگا اور مجھے اس پر فخر کے بجائے

Marfat.com

افسوس ہونے لگا اور میرا دل بجھ سا گیا، میں گھر کو جاتا تو میری ممی میرے والد کے غم کو یاد کر کے رونے لگتیں اور کہتیں کہ ایسے دیوتا باپ کو تو نے ستا کر مار دیا تو کیسا نیچ انسان ہے میں نے گھر جانا بند کر دیا، جون میں محمد عمر جماعت سے واپس آیا تو پانی پت میرے پاس آیا اور اپنی پوری کہانی بتائی دو مہینہ سے میرا دل ہر وقت خوف زدہ سا رہتا تھا کہ کوئی آسمانی آفت مجھ پر نہ آجائے، والد کا دکھ اور بابری مسجد کی شہادت دونوں کی وجہ سے ہر وقت دل سہما سہما سا رہتا تھا، محمد عمر کی کہانی سن کر میں اور بھی پریشان سا ہوا، عمر بھائی نے مجھ پر زور دیا کہ جون کو سونی پت میں مولانا صاحب آنے والے ہیں، آپ ان سے ضرور ملیں اور اچھا ہے کچھ دن ان کے ساتھ رہیں، میں نے پروگرام بنایا، مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی، عمر بھائی پہلے پہنچ گئے تھے اور مولانا صاحب کو میرے بارے میں پورا حال بتادیا تھا، میں گیا تو مولانا صاحب بڑی محبت سے ملے، اور مجھ سے کہا کہ آپ کی تحریک پر اس گناہ کو کرنے والے یوگیندر کے ساتھ مالک یہ معاملہ کر سکتے ہیں تو آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آسکتا ہے اور اگر اس دنیا میں وہ مالک سزا نہ بھی دے تو مرنے کے بعد ہمیشہ کے جیون میں جو سزا ملے گی آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک گھنٹہ ساتھ رہنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر مجھے آسمانی آفت سے بچنا ہے تو مسلمان ہو جانا چاہئے، مولانا صاحب دو روز کے سفر پر جا رہے تھے، میں نے دو روز ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا، تو انھوں نے خوشی سے قبول کیا، ایک روز ہریانہ پھر دہلی اور خورجہ کا سفر تھا، دو روز کے بعد پھلت پہنچے دو روز کے بعد میں دل سے اسلام کے لئے آمادہ ہو چکا تھا، میں نے عمر بھائی سے اپنا خیال ظاہر کیا تو انھوں نے خوشی خوشی مولانا صاحب سے بتایا اور الحمد للہ میں نے جون کے مہینے میں نماز ظہر کے بعد اسلام قبول کیا مولانا صاحب نے میرا نام محمد عامر رکھا اسلام کے مطالعہ اور نماز وغیرہ یاد کرنے کے لئے مجھے پھلت رہنے کا مشورہ دیا، میں نے اپنی بیوی اور چھوٹے بچوں کی مجبوری کا ذکر کیا تو میرے لئے مکان کا نظم کر دیا گیا، میں چند ماہ پھلت آ کر رہا اور اپنی بیوی پر کام کرتا رہا، تین مہینے کے بعد وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ الحمد للہ میں نے اپنی ماں سے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا، وہ بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ تیرے پتا کو اس سے شانتی ملے گی، وہ بھی اسی سال مسلمان ہوگئیں۔ آج کل میں

ایک جونیر ہائی اسکول چلارہا ہوں، جس میں اسلامی تعلیم کے ساتھ انگریزی میڈیم میں تعلیم کا نظم ہے۔

میں نے عمر بھائی سے مل کر یہ پروگرام بنایا کہ اللہ کے گھر کو شہید کرنے کے بعد اس بڑے گناہ کی تلافی کے لئے ہم ان ویران مسجدوں کو آباد کرنے اور کچھ نئی مسجدیں بنانے کا بیڑا اٹھائیں، ہم دونوں نے طے کیا کہ کام تقسیم کرلیں، میں تو ویران مسجدوں کو آباد کروں گا اور عمر بھائی نئی مسجدیں بنانے کی کوشش کریں اور ایک دوسرے کا تعاون کریں، ہم دونوں نے زندگی میں سوسو مسجدیں بنانے اور واگزار کرانے کا پروگرام بنایا ہے، الحمدللہ چھ دسمبر تک پندرہ ویران اور مقبوضہ مسجدیں ہریانہ، پنجاب اور دہلی اور میرٹھ کینٹ میں واگزار کرا کے یہ پاپی آباد کراچکا ہے (جولائی تک اٹھارہ مسجدیں واگزار اور نئی مسجدیں بنا چکے ہیں) عمر بھائی مجھ سے آگے نکل گئے وہ اب تک بیس مسجدیں نئی بنوا چکے ہیں اور اکیسویں کی بنیاد رکھی ہے ہم لوگوں نے یہ بھی طے کیا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کی ہر برسی پر چھ دسمبر کو ایک ویران مسجد میں نماز شروع کرانی ہے اور عمر بھائی کو نئی مسجد کی بنیاد ضرور رکھنی ہے، الحمدللہ کوئی سال ناغہ نہیں ہوا، البتہ سو کا نشانہ ابھی بہت دور ہے، اس سال امید ہے تعداد بہت بڑھ جائے گی، آٹھ مسجدوں کی بات چل رہی ہے، امید ہے وہ آئندہ چند ماہ میں ضرور آباد ہو جائیں گی، عمر بھائی تو مجھ سے بہت آگے پہلے ہی ہیں اور اصل میں ہمارا کام بھی ان ہی کے حصہ میں ہے، مجھے اندھیرے سے نکالنے کا ذریعہ وہی بنے۔

میری والدہ کے علاوہ صرف ایک بڑے بھائی ہیں ہماری بھابھی کا چار سال پہلے انتقال ہو گیا ان کی شادی مجھ سے بعد میں ہوئی تھی، ان کے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ایک بچہ معذور سا ہے ہماری بھابھی بڑی بھلی عورت تھیں، بھائی صاحب کے ساتھ مثالی بیوی بن کر رہیں ان کے انتقال کے بعد بھائی بالکل ٹوٹ سے گئے تھے، میری بیوی نے بھابھی کے مرنے کے بعد ان بچوں کی بڑی خدمت کی، میرے بڑے بھائی خود بہت شریف آدمی ہیں، وہ میری بیوی کی اس خدمت سے بہت متاثر ہوئے، میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر میری وجہ سے میرے والد کے صدمہ کی وجہ سے وہ مجھے کوئی اچھا آدمی نہیں سمجھتے تھے، میں نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا میرے بچے بڑے ہیں اور بھائی

Marfat.com

مشکل سے جی رہے ہیں، اگر میں تمھیں طلاق دیدوں اور عدت کے بعد بھائی تیار ہوجائیں کہ وہ مسلمان ہوکر تم سے شادی کرلیں تو دونوں کے لئے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے، وہ پہلے تو بہت برامانی مگر جب میں نے اس کو دل سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ راضی ہوگئی، میں نے بھائی کو سمجھایا ان بچوں کی زندگی کے لئے اگر آپ مسلمان ہوجائیں اور میری بیوی سے شادی کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے اور کوئی عورت ایسی ملنا مشکل ہے جو ماں کی طرح ان بچوں کی پرورش کرسکے، وہ بھی شروع میں تو بہت براماننے کہ لوگ کیا کہیں گے میں نے کہا عقل سے جو بات صحیح ہے اس کے ماننے میں کیا حرج ہے، باہم مشورہ ہوگیا، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت گزار کر بھائی کو کلمہ پڑھوایا اور ان سے اس کا نکاح کرایا، الحمدللہ وہ بہت خوشی خوشی زندگی گزار رہے ہیں، میرے اور ان کے بچے ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

حضرت مولانا کے مشورہ سے میں نے ایک نومسلم عورت جو کافی معمر ہیں شادی کرلی ہے الحمدللہ خوشی خوشی ہم دونوں بھی رہ رہے ہیں۔

میری ہر مسلمان سے درخواست ہے کہ اپنے مقصد زندگی کو پہچانیں اور اسلام کو انسانیت کی امانت سمجھ کر اس کو پہنچانے کی فکر کریں، محض اسلام دشمنی کی وجہ سے ان سے بدلہ کا جذبہ نہ رکھیں۔ میں یہ بات بالکل اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ رہا ہوں کہ بابری مسجد کی شہادت میں شریک ہر ایک شیوسینک بجرنگ دلی اور ہر ہندو کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ اسلام کیا ہے؟ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ قرآن کیا ہے اور مسجد کیا چیز ہے تو ان میں سے ہر ایک مسجد بنانے کی تو سوچ سکتا ہے، مسجد گرانے کا تو سوال ہی نہیں ہوسکتا، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بال ٹھاکرے جی، ونئے کٹیار، اوما بھارتی اور اشوک سنگھل جیسے سرکردہ لوگوں کو بھی اگر اسلام کی حقیقت معلوم ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام ہمارا بھی مذہب ہے، ہمارے لئے بھی ضروری ہے، تو ان میں سے ہر ایک اپنے خرچ سے بابری مسجد دوبارہ تعمیر کرنے کو سعادت سمجھے گا۔ چلئے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو مسلمان کی دشمنی کے لئے مشہور ہیں مگر ایک ارب ہندوں میں ایسے لوگ ایک لاکھ بھی نہیں ہوں گے، ایک لاکھ بھی۔ سچی بات یہ ہے کہ میں شاید زیادہ بتا رہا ہوں، ننانوے کروڑ لاکھ تو میرے والد کی طرح ہیں، جو

Marfat.com

انسانیت دوست بلکہ اسلامی اصولوں کو دل سے پسند کرتے ہیں، میرے والد کیا فطرتاً مسلمان نہیں تھے مگر مسلمانوں کے دعوت نہ دینے کی وجہ سے وہ کفر پر مرگئے میرے ساتھ اور میرے والد کے ساتھ مسلمانوں کا کتنا بڑا ظلم ہے، یہ بات سچی ہے کہ بابری مسجد کو شہید کرنے والے مجھ سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے؟ مگر مجھ سے بہت زیادہ ظالم تو وہ مسلمان ہیں، جن کی دعوت سے غفلت کی وجہ سے میرے ایسے پیارے باپ دوزخ میں چلے گئے، مولانا صاحب سچ کہتے ہیں، ہم مسجد شہید کرنے والے بھی، نہ جاننے اور مسلمانوں کے نہ پہنچانے کی وجہ سے ایسے ہوئے، ہم نے انجانے میں ایسا ظلم کیا اور مسلمان جان بوجھ کر ہمارے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن رہے ہیں، مجھے جب اپنے والد کے کفر پر مرنے کا رات میں بھی خیال آتا ہے تو میری نیند اڑ جاتی ہے، ہفتوں ہفتوں نیند نہیں آتی نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں، کاش مسلمانوں کو اس درد کا احساس ہو۔ میری ہر مسلمان سے درخواست ہے کہ اپنے مقصد زندگی کو پہچانیں اور اسلام کو انسانیت کی امانت سمجھ کر اس کو پہنچانے کی فکر کریں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عمران خان نے مجھے مسلمان کردیا۔ مشہور جرمن میوزک ٹی وی اسٹار کرسٹینا بیکر کی کہانی

دنیا کے سب سے مشہور اور بڑے میوزک ٹی وی چینل ایم ٹی وی کی پہلی میزبان جرمن خاتون اور اسٹار کرسٹیانے باکر نے 1995 میں اسلام قبول کیا۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ جس میں انہوں نے اسلام اور پاکستان حوالے سے ذاتی تجربات تحریر کئے ہیں۔ میوزک اور شو بزنس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے کرسٹیانے باکر کا نام اجنبی نہیں۔ خاص طور سے، میوزک ٹی وی چینل MTV کی پہلی میزبان کرسٹیانے باکر کی کتاب "Von MTV nach Mekka-wie Islam mein Leben vernderte" کے چند ماہ قبل ہارڈ کور ایڈیشن کی شکل میں شائع ہونے کے بعد سے، مغربی دنیا سے لے کر مسلم معاشروں تک میں بھی، اس نو مسلم جرمن خاتون نے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔

تینتالیس سالہ کرسٹیانے باکر کی کتاب From MTV to Mecca, How Islam has changed my Life جہاں ان کے بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی کا ایک خوبصورت جائزہ پیش کرتی ہے وہیں اس کا متن پاکستانی عوام کے لئے بھی غیر معمولی دلچسپی کا باعث ہے۔ کرسٹینا نے اپنی کتاب کا عنوان اپنی زندگی میں آنے والے اس انقلاب کے پس منظر میں رکھا ہے جسے وہ اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھتی ہیں۔ انہوں نے 1995 میں اسلام قبول کیا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ دراصل یورپ میں اسلام کا

Marfat.com

جو امیج پایا جاتا ہے، اس نے انہیں ہمیشہ بہت مایوس اور افسردہ کیا۔ کرسٹیانے کے بقول: مغرب میں لوگ اس خوبصورت مذہب کو سمجھتے ہی نہیں۔ یہ ہمیشہ سے ان کی خواہش تھی کہ وہ مغرب میں لوگوں پر اسلام کا وہ پہلو اجاگر کریں، جسے خود انہوں نے بہت دلکش پایا۔ وہ ایک عرصے سے اس بارے میں لکھنا چاہتی تھیں، تاہم پبلشرز اور دیگر لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کرسٹیانے نے اس بارے میں کچھ لکھا تو وہ شو بزنس کی دنیا سے بالکل آؤٹ کردی جائیں گی۔ کوئی انہیں اپنے پروگرام میں نہیں لے گا۔ اس لئے وہ اس معاملے کو ٹالتی رہیں۔

ان کے بقول: اسلام سے مجھے محبت پتہ نہیں کیوں ہوئی۔ دراصل میں شروع سے ہی گلوکاری اور میوزک میں مصروف تھی تو دنیا بھر کے میوزک کا جائزہ بھی لیا کیونکہ مجھے ٹی وی پر پروگرام کرنا ہوتا تھا۔ جب میں نے اسلامی صوفی میوزک اور قوالی اور نعتوں اور نظموں کا جائزہ لیا تو مجھے اسلام نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ بلکل اسی طرح ہوتا ہے کہ جب ایک نوجوان لڑکی اپنے لئے کسی لڑکے کی محبت ڈھونڈتی ہے میں بھی اسوقت بالکل اسی طرح سکون اور ذہنی عافیت کی تلاش میں تھی۔ اس وقت میں اپنے کیریئر کی بلندی پر تھی، میرے ہزاروں عاشق تھے، میرے پاس دولت کا ڈھیر تھا اور میں ہر قسم کا نشہ بھی کرچکی تھی۔ دنیا میں ہر جگہ میں نے گھوم پھر کر سیر کی اور میں جس مرد کو چاہتی حاصل کرلیتی تھی۔ مگر پھر میں زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ میں کیوں زندہ ہوں۔ بس جب میں ہر عیاشی کرلیتی اور کرنے کو کچھ نہیں رہتا تو پھر مجھے یہ خیال ستاتا کہ میں کیوں زندہ ہوں۔ اسی طرح میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور میں خود ہی مسلمان ہوگئی۔ میرے اسلام قبول کرنے میں اہم ترین کردار پاکستانی لیجنڈ کرکٹر اور سیاستدان عمران خان کا بھی ہے اس پر میں آگے چل کر بات کروں گی۔ پھر 2006 میں، کرسٹیانے باکر حج کے لئے گئیں۔ یہ خبر کسی طرح میڈیا کے ذریعے عام ہوگئی اور اس پر جرمنی میں بہت زیادہ ردعمل سامنے آیا۔ اس پر ایک ناشر نے ان سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ کیا وہ اپنے اس سفر کو قلم بند کرنا چاہتی ہیں۔ بس اس وقت ان کا جی چاہا اور انہوں نے یہ کتاب لکھ دی۔

کرسٹیانے باکر نے دراصل ایک پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کی

Marfat.com

پیدائش اور پرورش جرمن شہر ہیمبرگ میں ہوئی اور جب وہ ہائی اسکول میں تھیں تو وہ کچھ عرصے کے لئے امریکہ میں ایک یہودی خاندان کے ہاں بطور طالبہ paying guest بھی رہیں۔ کرسٹیا نے اپنی کتاب میں لکھتی ہیں کہ انہیں اس یہودی فیملی کی چند مذہبی اور روحانی تعلیمات اور رسومات نے بہت متاثر کیا۔ کرسٹیا نے تینوں وحدانیت پسند مذاہب کے مابین گہرے تعلق کو بہت اہم سمجھتی ہیں۔ کرسٹیا نے باکر کو پاکستانی ثقافت بہت پسند ہے اور پاکستان سے تعارف عمران خان نے کرایا تھا۔

ان کا کہنا ہے: ابراہیم علیہ السلام ہم سب کے اجداد میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ تینوں مذاہب دراصل یکساں اخلاقی اصولوں پر مبنی ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اچھا برتا، عفو و درگزر، انسان دوستی اور سچائی پر قائم رہنا وغیرہ۔ دراصل ہم سب ان دس اخلاقی احکامات پر یقین کرتے ہیں جو خدا نے حضرت موسیٰ کو دئے تھے۔ ہم سب کے پیغمبر ایک ہیں، آدم اور حوا سے لے کر اب تک یہ تینوں ادیان ایک ہی تاریخی ارتقا سے گزرے ہیں۔ اسلام میرے لئے اس وحدانیت کے تصور کا آگے بڑھنے والا سلسلہ ہے جو حضرت ابراہیم کے دور سے شروع ہوا اور پیغمبر اسلام تک پہنچا۔

اسلام کی وہ کون سی خصوصیت ہے جس نے کرسٹیا نے کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اس سوال کے جواب میں کرسٹیا نے نے کہا: یوں تو ہر کوئی اپنے انداز میں عبادت کرتا ہے، تاہم اسلام میں پنجگانہ نماز انسان کو خدا سے قربت کا بہت گہرا احساس دیتی ہے۔ اس لئے انہیں اسلام پسند ہے۔ خدا سے یہ قرب بہت اچھی لگتی ہے۔ اسی طرح رمضان کے روزے رکھنا بھی روحانیت کا ایک عجیب احساس ہے۔

کرسٹیا نے اس وقت سے گلیمر اور شو بزنس کی دنیا سے منسلک رہی ہیں جب نوجوانوں کو ظاہری نمود و نمائش اور شہرت دیوانگی کی حد تک پسند ہوتی ہے۔ بقول کرسٹا نے باکر، وہ سب کچھ جو ایک ٹین ایجر کے لئے خواب ہوتا ہے، انہیں میسر رہا۔ شہرت، گلیمر، دنیا بھر کی سیر، لیکن کہیں بہت گہرائی میں ان کے اندر ایک خلا سا تھا، خالی پن کا احساس۔ کچھ کمی تھی۔ وہ سوچتی تھیں کہ شاید خدا کی مخلوق سے محبت کی کمی پائی جاتی ہے لیکن دراصل یہ کمی تھی خدا سے قربت کی۔ جس کی انہیں ایک انجانی سی تلاش تھی۔

Marfat.com

کرسٹیانے کا تعلق ایک پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانے سے ہے۔ ان کے مطابق ان کے دادا، پردادا کی نسل بیحد مذہبی تھی۔ لیکن ان کے والدین کے گھر میں مذہب کا کوئی خاص عمل دخل نہیں تھا۔ تاہم کرسٹیانے کے اندر فطری طور پر مذہبیت اور روحانیت پائی جاتی تھی جو انہوں نے پالی۔ لیکن دلچسپ بات یہ کہ کرسٹیانے کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی مسلمان ہو جائیں گی۔

وہ کہتی ہیں: اگر کسی نے 1991 میں ان سے کہا ہوتا کہ کرسٹیانے تم ایک روز مسلمان ہو جاؤ گی تو وہ سوچتیں کہ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ یہ بات دور دور تک ان کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ یہ امر دراصل ناقابل یقین ہے کہ ان کے ساتھ ایسا ہو گیا۔ تاہم یہی تو خدا کے پراسرار طریقے ہیں جس سے وہ اپنی نشانیاں غیب سے ظاہر کرتا ہے۔ کرسٹیانے کا کہنا ہے: ایک ایسا وقت آیا جب خدا کی منشا سے ان کی ملاقات ایک معروف، گلیمرس پاکستانی کرکٹر عمران خان سے ہوئی۔ یہ بات ہے 1992 کی۔ اس وقت تک، ایک جرمن ہونے کے ناطے کرسٹیانے عمران خان کو بالکل نہیں جانتی تھیں۔ عمران نے انہیں دنوں کرکٹ ورلڈ کپ جیتا تھا۔ تاہم کرسٹیانے کے بقول: عمران میں ذرا بھی غرور نہیں تھا، وہ ہر وقت یہی کہتے تھے کہ ان کی یہ کامیابی خدا کا کرم ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ خدا کون ہے جس نے عمران خان کو ورلڈ کپ کا فاتح بنا دیا۔ عمران سے میری ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہم دونوں ہی گلیمر کے دمکتے ستارے تھے۔ عمران پر یورپ بھر کی لڑکیاں مرتی تھیں اور مجھ پر مرد۔ میں گلوکارہ تھی، ایکٹر تھی اور دنیا کے سب سے بڑے میوزک ٹی وی ایم ٹی وی کی اسٹار تھی جب کہ عمران کرکٹ کا لیجنڈ تھا۔ اسی تناظر میں میری ملاقات لندن میں عمران سے ایک پارٹی میں ہوئی جہاں ہم دونوں ہی مدعو تھے۔

عمران خان جس طرح اپنے عقیدے اور مذہب کے بارے میں باتیں کرتے تھے اس نے کرسٹیانے کو اسلام کو قریب سے جاننے اور سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ ہم سے خصوصی بات چیت کے دوران کرسٹیانے عمران خان کے کینسر ہسپتال کے پروجیکٹ سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔ وہ کہتی ہیں: عمران کے اندر ایک سچا مسلمان، ایک اچھا انسان دیکھ کر وہ محو حیرت تھیں۔ عمران نے ایک فلاحی کام کے لئے اپنا کیریئر ترک کر دیا۔ لاہور میں شوکت خانم

Marfat.com

ہسپتال کا قیام جس طرح عمل میں آیا وہ قابل تحسین ہے۔ پھر عمران خان نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی اور انہوں نے فوراً ہی حامی بھر لی اور یہی ان کے اسلام لانے کا باعث بنا۔

کرسٹیانے کو پاکستانی عوام کے جذبے نے بھی بے حد متاثر کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ جس طرح انہوں نے عام لوگوں کو ایک ایک روپے کے عطیات جمع کرتے دیکھا اور جس خلوص دل سے عمران خان نے یہ پروجیکٹ چلایا اس کی مثال انہیں کسی یورپی ملک میں نہیں ملتی۔ کرسٹیانے باکر نو بار پاکستان کا دورہ کر چکی ہیں اور انہیں وہاں کے لوگوں کا خلوص، ان کی محبت، ان کی ثقافت بہت اچھی لگتی ہے۔ وہ کہتی ہیں: پاکستان کے عام لوگوں کی نگاہوں میں جو چمک میں نے دیکھی، وہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی۔ نگر کے پہاڑی علاقوں کی طرف جاتے ہوئے میں نے شمالی علاقہ جات کے غریب لوگوں کو دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے دیہات سے گزرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ پاکستان کے غریب لوگ کتنے پرخلوص اور مہمان نواز ہیں۔ میں عمران کے ساتھ ان علاقوں میں پھر رہی تھی، جہاں نہ ٹیلی ویژن میسر ہے، نہ ہی کسی کو معلوم تھا کہ عمران کون ہے۔ تب بھی ہر کوئی ہمیں پھل اور میوے، چائے وغیرہ کی پیشکش کرتا۔ اس قدر مہمان نوازی میں نے کہیں اور نہیں دیکھی۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ مسلم ثقافت آخر ہے کیا۔ پاکستان میں ہر کوئی ہر کام سے پہلے خدا کا نام لیتا ہے۔ وہاں کے عوام کی زندگی کا مرکز ان کا اسلامی عقیدہ ہے۔ اس چیز نے مجھے اسلامی کتابیں پڑھنے اور اپنی ذات میں موجود خلا کو دور کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرسٹیانے باکر کو پاکستان کا ثقافتی ورثہ بہت متاثر کن لگتا ہے۔ وہ مسلم ثقافت کی بہت قدر کرتی ہیں۔ خاص طور سے لاہور میں مغل تہذیب کے جو نادر نمونے موجود ہیں وہ نظر کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً شالیمار گارڈن، جہانگیر کا مقبرہ اور دیگر عمارتیں، مسلم ثقافت کی شان وشوکت کی عکاسی کرتی ہیں۔ کرسٹیانے کے بقول: یہ عمارتیں جیسے خدا کی عبادت کی نشانی ہوں۔

کرسٹیانے باکر کا پاکستان کی خواتین کے بارے میں کہنا ہے کہ انھوں نے پاکستان میں جتنی بھی خواتین کو دیکھا، وہ سب کی سب بہت مضبوط، باحوصلہ اور پراعتماد نظر آئیں۔

Marfat.com

یہاں تک کہ کھیتوں میں کام کرنے والی عورتیں بھی بہت باوقار زندگی گزار رہی ہیں۔ جن تعلیم یافتہ خواتین سے ان کی ملاقات ہوئی، وہ گھر بار اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کچھ عرصے تک گھر پر رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ وہ اپنی یہ ذمہ داری بخوشی نبھا رہی ہیں۔ دوسری جانب انہیں بہت سی ایسی پاکستانی خواتین بھی ملیں جو اپنے شوہروں کی شکایت کر رہی تھیں کیونکہ ان کے شوہر دفتروں سے دیر سے گھر آتے ہیں، بغیر بتائے کہیں ڈنر پر چلے جاتے ہیں، پھر گھنٹوں بعد گھر آ کر کچھ کہتے بھی نہیں۔ ان باتوں سے مجھے بہت سی بیویاں تنگ نظر آئیں اور یہ صحیح بھی ہے۔ کرسٹیا نے کہتی ہیں کہ وہ بھی یہ برداشت نہیں کرسکتیں کہ ان کا شوہر بتائے بغیر دیر سے گھر آئے۔ اس لحاظ سے پاکستانی بیویوں کی شکایت بجا ہے۔ کرسٹیا نے کو پاکستانی آم اتنے پسند ہیں کہ وہ اسے جنت کا میوہ کہتی ہیں۔ انھوں نے ہمیں ایک خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اگر پاکستان اپنے آموں کو دنیا بھر میں ایکسپورٹ کرنا شروع کر دے تو ان آموں سے لطف اندوز ہونے والے پاکستان سے محبت کرنے لگیں گے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سابق برطانوی وزیر اعظم کی سالی کیوں مسلمان ہوئیں!

(لورین بوتھ صاحبہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کی سالی ہیں اور انہوں نے دو سال قبل اسلام قبول کیا۔ ان کی کہانی ان کی اپنی زبانی پیش ہے۔)

میں اسلام قبول کرنے کے لیے ہرگز سرگرم نہ تھی، نہ ہی میں اسلام کا مطالعہ کر رہی تھی، بات دراصل یہ ہے کہ جب آپ ایک مسلم معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان رد کر ایک طویل عرصے سے کام کر رہے ہوں تو لامحالہ ان سے روزمرہ کی گفتگو کے دوران ان کے دین اور قرآن کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہوتی ہی رہتی ہیں، میں یہ سمجھتی ہوں کہ میں نے اتفاقاً مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے تھوڑا بہت قرآن کے بارے میں جانا، اس دوران یہ بھی اندازہ ہوا کہ اگر آپ نے اسلام میں دلچسپی لیتے ہوئے اسکے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی تو مسلم امہ کی تمام تر محبت، یگانگت اور خلوص کو آپ یقیناً محسوس کئے بنا نہ رہ سکیں گے۔ اپنے اسلام قبول کرنے کے حوالے سے 43 سالہ لورین بوتھ نے کہا کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے اسلام، مسلمانوں کی محبت اور دوستی میں قبول نہیں کیا بلکہ جن حالات میں میں مسلمانوں کے درمیان رہ کر اک طویل مدت تک کام کرتی رہی ہوں اس دوران نہ جانے کس وقت میرا اللہ سے ربط قائم ہو گیا، میں نے اللہ کو زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کی اور اب میں امید کرتی ہوں کہ میں اپنی اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہو سکی ہوں۔ اسلام کی جانب یہ سفر میری زندگی کا نہایت خوشگوار سفر ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میں کب اس راہ کی مسافر بنی، حالات سازگار ہیں اور ساتھی مسافر گرمجوش، اس سفر میں میں مسلسل آگے بڑھ رہی ہوں اور وقت کی گرم آندھی

Marfat.com

اور راہ کی تمام رکاوٹوں کے باوجود اسلام کے راستے پر میرا یہ سفر تیزی سے گامزن ہے۔ اگر مجھ سے یہ سوال پوچھا جائے کہ ایک انگریز صحافی، ایک تنہا دو بچوں کی ماں نے مغربی میڈیا کے سب سے ناپسندیدہ مذہب کو کس طرح قبول کیا تو اس کے جواب میں میں اپنے اس انتہائی روحانی تجربے کا حوالہ ضرور دینا چاہوں گی جو مجھے ایران کی ایک مسجد میں ہوا جس نے میرے دل کی دنیا بدل دی، مگر اسلام قبول کرنے کے حوالے سے اگر ماضی میں جھانکا جائے تو اسکی بنیاد غالباً اس وقت پڑ گئی تھی جب میں جنوری 2005 میں اکیلی فلسطینی علاقے ویسٹ بنک (مغربی کنارہ) میں برطانوی جریدے دی میل کے لیے فلسطینی صدارتی انتخابات کی کوریج کے لیے پہنچی تھی، یہاں میں یہ بات واضح کر دوں کہ اپنے اس سفر سے پہلے مجھے کبھی بھی مسلمانوں یا عربوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا جب میں نے اپنا مشرقِ وسطیٰ کا یہ سفر شروع کیا تھا تو میرا ذہن مغربی میڈیا کے اس پروپیگنڈہ کی وجہ سے سخت مخدوش تھا جو اس نے دنیا کے اس حصے کے لوگوں کے بارے میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے تھے، جاری رکھا ہوا تھا اور انہیں بنیاد پرست، متعصب، مذہبی انتہا پسند، خودکش حملہ آور، اغوا کار اور جہادی قرار دیا جاتا تھا جبکہ میرا یہ تجربہ ان تمام تصورات کے بالکل برعکس ثابت ہوا۔ میں فلسطینی مغربی کنارے کے علاقے میں اس حال میں داخل ہوئی تھی کہ میرے جسم پر میرا کوٹ بھی نہیں تھا کیونکہ تل ابیب کے ہوائی اڈے پر اسرائیلی حکام نے میرا سوٹ کیس اپنے قبضے میں لے لیا تھا، اور میں رام اللہ کے مرکزی علاقے میں شدید سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ یکا یک ایک بوڑھی فلسطینی خاتون نے میرا ہاتھ تھام لیا، تیزی سے عربی زبان میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ مجھے ملحقہ گلی میں واقع ایک گھر میں لے گئی، سب سے پہلے میرے ذہن میں جس خدشے نے جنم لیا وہ یہ تھا کہ کیا میں ایک بوڑھی عورت کے ہاتھوں اغوا ہو گئی ہوں، کئی منٹ تک میں خاموشی سے اسے اپنی بیٹی کے کمرے میں موجود کپڑوں کی الماری سے کچھ ڈھونڈتے ہوئے دیکھتی رہی، بالآخر اس نے الماری سے ایک کوٹ، ایک حجاب اور ایک ٹوپی نکالی اور مجھے دیکر دوبارہ اسی گلی میں چھوڑ دیا جہاں سے وہ مجھے اپنے گھر لے گئی تھی۔ میرے سر پر گرمجوشی سے بوسہ دیا، اور اپنی راہ ہولی، حیرت کی بات یہ ہے اس سارے عمل کے دوران ہمارے درمیان ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہ

Marfat.com

ہوا۔

یہ سخاوت اور فیاضی کی ایک زندہ مثال تھی جسے میں کبھی نہ بھول پاؤں گی اور جس کا مجھے اس کے بعد وہاں رہتے ہوئے کئی موقعوں پر بارہا تجربہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری عملی زندگی میں روحانی گرمجوشی کا ایسا مظاہرہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس سفر کے بعد آنے والے تین برسوں میں میرا مقبوضہ علاقوں میں متعدد بار جانے کا اتفاق ہوا۔ ابتدا میرا وہاں اپنے صحافتی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں جانا ہوتا رہا مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے وہاں کے سفر کی نوعیت میں تبدیلی آتی گئی اور پھر میں نے فلسطینی عوام کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرنے اور انکے لیے امدادی کام کرنے والے گروپوں کیساتھ مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں آنا جانا شروع کر دیا۔ اس دوران میں نے وہاں ہر مذہب اور عقیدے کے حامل فلسطینیوں کی بدحالی اور تکالیف کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور دل سے محسوس کیا۔ یہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عیسائی عقیدے کے لوگ بھی جو تقریباً دو ہزار برس سے ارضِ مقدس پر رہ رہے ہیں وہ بھی مسلمانوں کی طرح اسرائیلی جارحیت کا شکار ہیں۔ وہاں آتے جاتے اور فلسطینی مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے ان شاءاللہ، ماشاءاللہ اور الحمدللہ جیسے کلمات میری زبان کا حصہ بنتے رہے جو فلسطینی مسلمان اپنے روزمرہ کی گفتگو میں شکر، تعریف اور امید کے اظہار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس سرزمین کے لوگوں کے حوالے سے مغربی میڈیا نے جو خوفناک تاثر مغرب کے لوگوں کے اذہان میں پیدا کر دیا ہے اور جسکا دہشتناک تصور لے کر میں پہلی بار اس خطے میں آئی تھی اب اتنا عرصہ ان لوگوں میں رہنے کے بعد وہ تاثر یکسر غائب ہو گیا تھا۔ اب میں بغیر کسی خوف و تردد کے مختلف مسلم گروپوں سے ملنے لگی تھی اور اس طرح اس سرزمین کے ذہین، عقلمند اور سب سے بڑھ کر مہربان اور فیاض لوگوں کے درمیان مجھے رہنے اور انہیں سمجھنے کا موقع ملا۔ فلسطین کی مسلمان خواتین اسلام سے میری خصوصی لگن اور پسندیدگی کا سبب بنیں، آپ اندازہ کریں کہ سر سے پیر تک برقع میں ملفوف خواتین کو ایک انگریز عورت نے کس نظر سے دیکھا ہوگا۔ اسکے برعکس یورپ میں پیشہ ور خواتین اپنی خوبصورتی اور ظاہری وضع قطع کی زیادہ سے زیادہ نمائش میں خوشی محسوس کرتی ہیں اور وہاں ایسا کرنا

Marfat.com

روزمرہ کے معمولات میں شامل ہے، بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

جب کبھی مجھے کسی پروگرام کونشر کرنے کے لیے ٹیلیویژن سٹیشن پر مدعو کیا جاتا تھا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتی تھی کہ خواتین میزبان پندرہ منٹ کے دورانیہ کے سنجیدہ نوعیت کے پروگرام پیش کرنے سے پہلے گھنٹہ بھر تک بالوں کی تزئین و آرائش اور میک اپ پر صرف کیا کرتی تھیں۔کیا اسی کا نام آزادی ہے؟ میں سوچتی ہوں کہ اس آزاد مغربی معاشرے میں لڑکیوں اور خواتین کو کتنا حقیقی احترام دیا جاتا ہے۔ 2007 میں مجھے لبنان جانے کا اتفاق ہوا، میں نے وہاں چار دن یونیورسٹی کی طالبات کے ساتھ گزارے جو سب کی سب حجاب پہنی ہوئی تھیں اور جن کے سر کے بال تک نظر نہیں آتے تھے۔ وہ خوبصورت، خودمختار اور صاف گو تھیں۔اور قطعاً ایسی ڈرپوک اور بزدل نہیں لگ رہی تھیں کہ کوئی زبردستی انکی مرضی کے برخلاف انہیں پکڑ کر انکی شادی کر دیتا جیسا کہ میرے ذہن میں تصور تھا جو میں نے مغرب کے اخباروں میں پڑھ کر قائم کیا تھا۔ جتنا زیادہ وقت میں مشرقِ وسطی میں گزار رہی تھی اتنی ہی زیادہ تبدیلی میں اپنے اندر محسوس کر رہی تھی، میں انہیں خود کو مسجد میں لے جانے کے لیے کہتی، اپنے آپ کو میں یہ کہہ کر مطمئن کر لیتی کہ میں سیاحت کر رہی ہوں مگر درحقیقت مساجد مجھے بے حد دلکش لگتی تھیں، مجسموں سے پاک اور خوبصورت غالیچوں سے آراستہ۔لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں نے اب تک کتنا قرآن پڑھا ہے اور میں یہ کہتی ہوں کہ میں نے اب تک صرف سو صفحات کا باترجمہ مطالعہ کیا ہے مگر اس سے پہلے کہ میری اس بات کو کوئی طنزیہ نظروں سے دیکھے میں صرف یہ گزارش کرنا چاہتی ہوں کہ اس عظیم کتاب کی ایک وقت میں دس لائنیں پڑھنا چاہیے، مکمل تدبر کے ساتھ۔ اسطرح کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہوں اس کو اچھی طرح سمجھ بھی رہے ہوں اور اگر ممکن ہو تو ان دس لائنوں کو زبانی یاد بھی کر لینا چاہیے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قرآن کو اللہ کی نازل کی ہوئی کتابِ ہدایت سمجھ کر پڑھنا چاہیے نہ کہ کوئی رسالہ سمجھ کر۔ میں انشاءاللہ عربی زبان بھی سیکھنے کی کوشش کروں گی مگر اس میں خاصہ وقت لگے گا۔اسلام کی تعلیمات سے واقف ہونے کے لیے بہت زیادہ مطالعے کی ضرورت پڑتی ہے، شمالی لندن کی چند مساجد سے میرا رابطہ ہے اور پرامید ہوں کہ میں کم از کم ہفتہ میں ایک بار وہاں جایا کروں۔لباس کے بارے میں بات

Marfat.com

کرتے ہوئے لورین صاحبہ کہتی ہیں کہ اعتدال پسندانہ لباس کا انتخاب اتنا مشکل معاملہ نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے۔ حجاب پہننے کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ باہر پہلے سے بھی زیادہ کم وقت میں جاسکتے ہیں کیونکہ حجاب کی وجہ سے آپ کو بہت سارا وقت بالوں کی آرائش میں ضائع نہیں کرنا پڑے گا۔ چند ہفتے قبل جب میں نے پہلی بار اپنے سر پر حجاب باندھا تو مجھے بہت شرم سی محسوس ہوئی تھی۔ چونکہ ان دنوں سردی کا موسم تھا تو میرا حجاب پہننا کسی نے محسوس نہ کیا البتہ گرمی کے موسم میں حجاب پہن کر نکلنا ایک چیلنج ہے، مگر برطانیہ ایک روادار ملک ہے اور ابتک مجھے کسی نے حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھا، حجاب کے ساتھ نقاب میں اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتی مگر برقع مجھے زیادہ موزوں محسوس ہوتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میڈیا میں ردعمل کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ظاہر ہے میرے اس عمل سے انہیں موقع ہاتھ آ گیا اور بہتان اور دشنام طرازی کا سلسلہ شروع ہوگیا مگر حقیقتا ان کا ہدف میری ذات نہیں تھی بلکہ اسلام کا غلط تصور جو انہوں نے اپنے ذہنوں میں قائم کرلیا ہے درا صل وہی سوچ اس سارے قصے کے پیچھے کارفرما تھی، مگر میں نے زیادہ تر منفی تبصرے نظرانداز کردئے کیونکہ کچھ لوگ روحانیت کے معنوں سے ناآشنا ہوتے ہیں اور اس موضوع پر انکے ساتھ کسی قسم کا بحث ومباحثہ انہیں مزید خوفزدہ کردیتا ہے۔ میرے اسلام قبول کرنے کے اعلان کے بعد ایک مشورہ مجھے اچھا لگا اور میں نے اس پر عمل بھی کیا کہ میں ایسے مواد کا مطالعہ نہ کروں جو ناگوار خاطر گزریں، نہ ہی بلاگس (Blogs) میں موجود منفی تبصروں پر کان دھروں۔ اسطرح میں نے بہت سی تصوراتی اور ناخوشگوار باتوں کی طرف مطلق دھیان نہ دیا بلکہ اپنی تمام تر توجہ اس بات پر مبذول کرلی ہے کہ مسلم امہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پیار اور تعلق کو مضبوط ومربوط کیا جائے۔ اپنے پیشے کے حوالے سے تشویش ظاہر کرتے ہوئے انکا سوال یہ تھا کہ کیا حجاب پہن کر وہ اپنی موجودہ پوزیشن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوسکیں گی۔ مجھے علم ہے کہ بہت ساری مسلم خواتین نے ٹیلیویژن اور صحافت کے میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ شائستہ مغربی لباس پہنتی ہیں، میں ابھی اسلام میں نئی نئی داخل ہوئی ہوں اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقفیت حاصل کررہی ہوں، اسلام سے میرے تعلقات کی نوعیت الگ قسم کی ہے۔ میرا

Marfat.com

قطعا یہ نظریہ نہیں ہے کہ اسلام کے بعض اصول تو میں اپنا لوں اور بعض کو نظر انداز کر دوں بلکہ میں اسلام کو مکمل طور پر اپنے اندر سمو لینا چاہتی ہوں۔ مستقبل کے حوالے سے بھی غیر یقینی حالات کا شکار ہوں، میں روزانہ ہی کچھ نہ کچھ اپنے اندر تبدیلی اور ایک نیا پن محسوس کرتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ اپنے معاشرتی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے انکا کہنا ہے کہ میں اس حوالے سے اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میرا اسلام قبول کرنا میرے اہم ترین رشتوں پر کسی طور بھی اثر انداز نہیں ہوا ہے۔ میرے اس فیصلے سے میرے غیر مسلم دوستوں کا ردعمل تجسسانہ تھا نہ کہ مخالفانہ اور معاندانہ۔ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم بدل جاؤ گی؟ کیا ہماری دوستی برقرار رہ سکے گی اور کیا ہم اب بھی شراب نوشی کے لیے جا سکیں گے؟ انکے پہلے دو سوالوں کا جواب تو میرے پاس اثبات میں ہے مگر تیسرے سوال کا جواب قطعا انکار میں۔ جہاں تک میری والدہ کا تعلق ہے تو وہ میری خوشی میں خوش ہیں۔ میرے لیے یہ مناسب وقت نہیں ہے کہ میں کسی مرد سے تعلقات کے بارے میں سوچوں، میری ازدواجی زندگی انحطاط کا شکار ہے اور یہ طلاق پر منتج ہونے جا رہی ہے، کسی مناسب وقت پر اگر میں نے دوبارہ شادی کے بارے میں سوچا تو وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگی اور میرا ہونے والا شوہر یقیناً ایک مسلمان ہوگا۔

☆☆☆☆☆

والدہ ہندو ڈاکٹر کی طرح بنانا چاہتی تھیں مگر مبلغ اسلام بن گیا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک

ڈاکٹر ذاکر نائیک کا تعلق بھارت کے معروف شہر ممبئی سے ہے۔ آپ مبلغ اسلام کی حیثیت سے دنیا بھر میں معروف ہیں، کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ انہیں بھارت بھر کے با اثر مذہبی رہنماؤں میں تیسرے نمبر پر دیکھا جاتا ہے۔ تبلیغ اسلام کے لئے انگریزی زبان، سائنس اور تقابل ادیان کو ذریعہ بنانے والے ڈاکٹر نائیک پیشے کے لحاظ سے ہارٹ سرجن ہیں، ممبئی میں ڈاکٹر ذاکر نے پیس سیٹلائٹ ٹی وی قائم کرنے کے علاوہ، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، اسلامک انٹرنیشنل اسکول بھی قائم کر رکھا ہے۔ ہارٹ اسپیشلسٹ سے مبلغ اسلام تک، ڈاکٹر ذاکر کا سفر ان کی اپنی زبانی قارئین کے لئے پیش ہے۔

اپنی زندگی کے ابتدائی عشرے میں جب مجھے ممبئی کے سینٹ پیٹرک ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا تھا تب سے ہی یہ بات میرے ذہن میں موجود تھی کہ مجھے ڈاکٹر بنا ہے، بہت بڑا ڈاکٹر! یہ میری والدہ ہی کی خواہش نہیں تھی بلکہ میرے والد بھی یہی چاہتے تھے کہ میں ڈاکٹر بنوں، دل کا ماہر ڈاکٹر جو لوگوں کی جان بھی بچائے اور والدین کی عزت بڑھانے کا سبب بھی بنے۔ 1996 تک میں نے اپنے والدین کا خواب پورا کر دیا اور میں اچھا سرجن بن گیا مگر میرے دل میں عجیب سی ہلچل جاری تھی آخر ایک دن میں والدہ کے پاس بات کرنے بیٹھ ہی گیا۔ میں انہیں ممی کہا کرتا تھا۔ شدید محبت کے باعث میں یہ سوچ رہا تھا

Marfat.com

کہ بات کہاں سے شروع کروں، آخر میں نے کہہ ہی دیا کہ ممی! آپ مجھے کس طرح کا انسان دیکھنا چاہتی ہیں؟ ڈاکٹر کرشن چند کیلارم یا شیخ احمد دیدات؟ میرا سوال بڑا مشکل تھا، ممی کافی دیر تک خاموش رہیں۔ شیخ احمد دیدات کے بارے میں بتا تا چلوں کہ وہ عجیب انسان تھے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، میری زندگی کو پلٹنے میں ان کا بڑا کردار ہے، ان کا تعلق بھی بھارتی گجرات سے تھا اور وہ تاجر تھے، جنوبی افریقہ میں ہی میں انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کی اور داعی اسلام بن گئے، بھارت میں بھی وہ مقبول تھے خاص طور سے تعلیم یافتہ حلقے میں کیوں کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کے لئے انگریزی زبان استعمال کر کے یورپ، امریکا سمیت دنیا بھر کی جدید تعلیم یافتہ طبقے میں جگہ بنا لی تھی، اپنی کرشماتی شخصیت اور تقابل ادیان میں مہارت کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت میں ایسی کشش تھی کہ کوئی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اب میں کشن چند کیلارم کے بارے میں بھی بتا دوں، میں نے جس کالج میں پڑھا اس کا نام کشن چند کیلارم کالج ہے، کشن چند ہارٹ اسپیشلسٹ تھے اور ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، ماہر اور قابل ترین سرجن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انسان دوست آدمی تھے اور اسی لئے انہوں نے کشن چند کیلارم کالج بھی قائم کیا تھا، میری والدہ سمیت بہت سے لوگ تھے جو انہیں رول ماڈل خیال کرتے ہوئے ان جیسا بننا چاہتے تھے، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کشن چند ہندو تھے تو لوگ ہندو بننا چاہتے تھے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ لوگ ڈاکٹر کشن چند کی طرح بڑا آدمی بننا چاہتے تھے۔ میری والدہ بھی مجھ سے یہی کہتی تھیں کہ میں بھی ڈاکٹر کشن چند کی طرح بڑا آدمی بنوں۔ اسی دوران ہم لوگ شیخ احمد دیدات سے بھی اچھی طرح واقف ہو گئے، ہمیں ان پر فخر تھا کہ ایک ایسا مسلمان بھی ہے جو اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو سائنس، تقابل ادیان اور جدید علوم کے ذریعے ایسا جواب دے دسکتا ہے جو ان معترضین کا منہ بند کر دے۔ جب میں نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا تھا تو میرے دل میں یہ بات تھی کہ ڈاکٹر معاشرے کا اہم ترین فرد ہوتا ہے، اس لئے میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا، صرف ڈاکٹر نہیں بلکہ سرجن، ہارٹ اسپیشلسٹ۔ اسی دوران میرے سامنے وہ دروازے وا ہونے شروع ہوئے جو اس دنیا سے آگے کے منظر دکھاتے ہیں، شیخ احمد دیدات کی باتوں نے میرے دل میں

Marfat.com

اسلام کی تبلیغ کا ایک شعلہ سا روشن کر دیا اور میں اسلام سے متعلق علوم کے حصول میں کافی وقت دینے لگا، اسی طرح چھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ یعنی 1991 سے 1996 آ گیا۔ میں کامیاب ڈاکٹر تھا اپنی فیلڈ میں آگے بڑھنے کے سارے راستے روشن تھے اور میرے تمام ساتھی واساتذہ پر یقین تھے کہ میں اپنی فیلڈ کے چند گنے چنے لوگوں میں شمار کیا جاؤں گا مگر میں کچھ اور سوچ رہا تھا، میری سوچ کا محور اب یہ تھا کہ ڈاکٹر معاشرے کا سب سے بہترین فرد نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کا داعی معاشرے کا سب سے بہترین فرد ہوتا ہے، جب یہ بات میرے دل میں راسخ ہو گئی تو میں نے اپنا پیشہ ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب میں مزید ڈاکٹر نہیں رہنا چاہتا تھا، بلکہ داعی بننا چاہتا تھا، بالکل شیخ احمد دیدات کی طرح کا داعی۔

اسی سال میں نے اپنی والدہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور انکے سامنے یہ سوال رکھا کہ وہ مجھے ڈاکٹر کشن چند کیلارم کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں یا شیخ احمد دیدات کے روپ میں، ممی بہت دیر تک خاموش رہیں اور سوچتی رہیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے لئے فیصلہ کرنا کافی مشکل تھا، وہ بچپن سے مجھے بڑے ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں اور یہ ان کا خواب تھا جب کہ شیخ احمد دیدات بھی معمولی آدمی نہیں تھے اور پھر یہ عارضی دنیا ہی کا معاملہ نہیں تھا، قیامت، آخرت، دین اور جنت کا معاملہ تھا اس لئے انہوں نے خوب اچھی طرح سوچ کر جواب دیا۔ میرے والدین مجھ سے کتنی محبت کرتے تھے اس کے بارے میں اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے، سبھی والدین اپنے بچوں سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں مگر میں ایک مثال دینا چاہتا ہوں تاکہ اس محبت کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ جب میں پہلی بار دین کے داعی کے طور پر بیرون ملک جا رہا تھا تو میرے والد نے کہا تھا ذاکر! اگر تمھیں کوئی 10 لاکھ روپے بھی تنخواہ دیتا اور یہ کہتا کہ بیرون ملک ملازمت کرنا پڑے گی تو میں کبھی بھی تمھیں اس کی اجازت نہیں دیتا اور اپنے سے دور نہ ہونے دیتا مگر تم اسلام کی دعوت کے لئے جا رہے ہو اس لئے میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔

میری والدہ نے اس دن کافی سوچ و بچار کے بعد جواب دیا ذاکر! تمھیں شیخ احمد دیدات تو بننا ہی پڑے گا کیوں کہ یہ دین اور آخرت کا معاملہ ہے، دنیا میں عارضی زندگی ہے نجانے کب اس کا اختتام ہو جائے مگر تمھیں ڈاکٹر کشن چند کیلارم بھی بننا پڑے گا،

Marfat.com

ہارٹ اسپیشلسٹ۔ والدہ کا جواب مجھے بھی پسند آیا، ان کے حکم کی میں نے مکمل تعمیل کی اور اس دن کے بعد سے میں نے اپنے وقت کے دو حصے کر لئے، یا یوں کہہ لیجئے میں نے اپنے دن کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر لیا، ایک حصہ شیخ احمد دیدات بننے کے لئے اسلامی علوم اور اسلام کی دعوت کے لئے مختص تھا اور ایک حصہ میں اپنی میڈیکل پریکٹس کرتا تھا، اس طرح میری پچاس فیصد صلاحیتیں داعی بننے کے لئے استعمال ہو رہی تھیں اور پچاس فیصد صلاحیتیں میڈیکل پریکٹس کے لئے تھیں۔ ایک سال اسی طرح گزرا، میں نے اس عرصے کے دوران دوبارہ اس موضوع پر اپنی والدہ سے کوئی بات نہیں کی مگر ٹھیک ایک سال بعد میں نے دوبارہ اپنی والدہ کے سامنے یہ سوال رکھا ممی! آپ مجھے ڈاکٹر کشن چند کیلارم بنانا چاہتی ہیں یا شیخ احمد دیدات؟ اس بار والدہ نے سوچنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگایا، شاید انہیں اپنی ایک سال پہلے والی بات یاد آ گئی، ان کی آنکھیں تھوڑی نم اور آواز گلوگیر ہوئی، وہ مظبوط لہجے میں بولیں ذاکر! اگر میرے پاس ایک ہزار کشن چند بھی ہوں تو میں ایک احمد دیدات کے حصول پر قربان کر دوں گی اس دن میری روح سرشار ہوگئی اور میں نے اپنی والدہ کے حکم کے عین مطابق ڈاکٹر کشن چند کو شیخ احمد دیدات پر قربان کر دیا، بحیثیت ڈاکٹر یہ میرے پیشے کا آخری روز تھا، اس دن کے بعد سے میں مکمل داعی بن گیا، اسلام کی تبلیغ میری زندگی کا مقصد بن گئی اور میری تمام سوچیں اور صلاحتیں اسی لئے وقف ہوگئیں۔ بہت سے لوگ کہہ سکتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ یہ میں نے کیا کیا؟ میں نے اپنا تابناک مستقبل خراب کر لیا؟ دین اور دنیا میں نفع و نقصان کے پیمانے الگ الگ ہیں لیکن میں علمی جواب دینے کے بجائے عام سا جواب دوں گا۔ فرض کریں کہ اگر میں نے کبھی کوئی خواب دیکھا بھی تھا وہ زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہی کہ میں دنیا میں مشہور ہو جاؤں، مقبول ہو جاؤں لوگ مجھے جانیں۔ دیکھئے خواب دیکھنا یا دل میں کوئی تمنا پیدا ہونا انسانی بس میں نہیں ہے بلکہ یہ فطرت انسانی ہے کہ خود بخود کوئی بھی خواہش پیدا ہو سکتی ہے اب یہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ، یہ الگ بات ہے، میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کبھی میرے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوئی بھی ہوتی تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوتی؟ یہی کہ شہرت ملے۔ الحمدللہ ویسے بھی یہ سب کچھ تو اللہ نے مجھے دے ہی دیا ہے، اگر سچ بتاؤں تو کبھی میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں

25 لوگوں کے سامنے بھی بات کر سکوں گا، الحمد للہ اب ہزاروں لوگ میرے سامعین ہوتے ہیں، میں بڑائی نہیں کر رہا، میں تو صرف ان لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹری کا پیشہ ترک کر کے اپنا مستقبل تاریک کر لیا، بھائی اللہ نے مجھے ضائع نہیں کیا، بلکہ اگر میں نامور ہارٹ اسپیشلسٹ بن جاتا تو کسی جگہ لوگوں کے آپریشن کر رہا ہوتا مگر اس طرح دنیا میں مجھے کوئی نہیں جانتا جس طرح آج بحیثیت داعی کے پہچانا جاتا ہوں، یہ بھی بتایا چلوں کہ میں نے سینٹ پیٹرک ہائی اسکول ممبئی سے میٹرک کرنے کے بعد کشن چند کیلارم کالج میں داخلہ لیا اور اس کے بعد ممبئی کے ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج میں داخلہ لیا، اس کے بعد ممبئی یونیورسٹی سے بیچلر آف میڈیسن وبیچلر آف سرجری کی ڈگری حاصل کی۔

یہ تو ہوا میری زندگی کا ایک حصہ، جو میرے خاندان سے متعلق ہے کہ میں نے کہاں سے پڑھا اور کیسے ڈاکٹر بنا اور داعی تک کا سفر کیسے طے ہوا، میری زندگی کا دوسرا اہم حصہ میرے اور شیخ احمد دیدات کے تعلق پر مبنی ہے۔ یہ لوگوں کو حیرت زدہ کر دینے والی داستان ہے کہ شیخ احمد دیدات، جنوبی افریقا میں متعصب اور جارحانہ انداز کی عیسائی مشنریز کے عین درمیان میں رہنے والا فرنیچر کا ایک ہندوستانی تاجر کس طرح سے اپنا دین بچانے کے ساتھ ساتھ مبلغ اسلام بن گیا۔ شیخ دیدات کے آخری سال اس طرح گزرے کہ پورا جسم فالج سے اثر سے مفلوج تھا صرف آنکھوں کی پلکوں کو ہلا سکتے تھے مگر اسی صورت میں مجھ سمیت تمام مبلغین کی سرپرستی کرتے اور باقاعدہ ہدایات جاری کرتے۔ ایک ایسا شخص جو فالج کے باعث بولنے سے قاصر ہو، ہل جل بھی نہیں سکتا ہو، صرف آنکھوں کی پلکوں کو حرکت دے سکتا ہو، آخر کس طرح ہدایات جاری کر سکتا ہے؟ یہ اللہ کی توفیق اور عزم وحوصلے کی حیرت انگیز ایمان افروز کہانی ہے۔ شیخ دیدات اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، ان کے ایک طرف شیخ کا بڑا بیٹا اپنے ہاتھ میں مخصوص رجسٹر تھامے بیٹھا تھا بستر کے دوسرے طرف میں اور چند دوسرے ساتھی بیٹھے تھے، ہم نے شیخ کی گردن اور سر کے نیچے اونچے تکئے رکھ کر انہیں اتنا اونچا کر دیا تھا کہ وہ اپنے قدموں کے قریب رکھے ٹی وی کو دیکھ سکیں، اس ٹی وی پر میری ایک تقریر جاری تھی، یہ تقریر اس موضوع پر تھی کہ اعلیٰ اور جدید تعلیم یافتہ مسلم طبقہ خاص طور سے نوجوان اپنی مسلم شناخت پر کیوں معذرت خواہانہ رویہ اپناتے ہیں اور یورپ و امریکہ

Marfat.com

میں جیسے ممالک میں کس طرح سے ان غیر مسلموں کے سوالات کا جواب دیا جا سکتا ہے جو ہر چیز سائنسی پہلو پر، پرکھنا چاہتے ہیں۔ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ شیخ دیدات اپنے آخری سالوں میں فالج کے زیر اثر تھے اور آنکھوں کے سوا ان کا پورا جسم مفلوج تھا، اس صورت میں بھی وہ یہ چاہتے تھے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں انہیں اس کی مکمل خبر ہو، اس کا حل ہم نے یہ نکالا کہ میری تقاریر کی ویڈیو ان کے بستر کے سامنے ٹی وی پر لگا دی جاتی، سر اور گردن کے نیچے تکیئے رکھ کر اونچا کر دیا جاتا اس طرح وہ ٹی وی پر پروگرام دیکھتے رہتے اور ساتھ ساتھ ہدایات بھی جاری کرتے جاتے، یہ ایک ایسا حیرت انگیز منظر ہوتا تھا کہ نیا دیکھنے والا ایک لمحے کو ششدر رہ جاتا تھا، 80 سال کا ایک بوڑھا جو فالج کے باعث ہلنے جلنے اور بولنے تک سے قاصر تھا وہ شدید تکلیف برداشت کر کے اسلام کے مبلغین کو ہدایات جاری کر رہا ہے، اللہ اکبر، یہ سب اللہ کی توفیق اور مسلمانوں کی بھلائی کا جذبہ تھا۔ شیخ دیدات جنہیں میں چچا یا انگریزی میں انکل کہا کرتا تھا، انہوں نے انکھوں کے اشاروں سے گفتگو کرنے کی ایک نئی زبان اپنی بیماری کے باعث ایجاد کی تھی، گو کہ یہ ایک نہایت سست رفتار اور تھکا دینے والا عمل ہوتا تھا مگر ہر ایک پورے جوش و جذبے سے اس میں شریک رہتا، انکل دیدات فالج کے باعث بولنے سے قاصر تھے ان کے حلق سے جو آواز نکلتی تھی وہ نا قابل فہم غوں غاں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا، وہ مجھے اور دیگر ساتھیوں کو اپنے قریب بٹھا لیتے اور ہم ٹی وی پر اپنے مناظرے یا تقاریر لگا دیتے، شیخ دیدات پروگرام دیکھتے جاتے اور جہاں کہیں انہیں کچھ کہنا ہوتا، تنقید کرنا ہوتی یا کوئی مشورہ دینا ہوتا وہ اپنے حلق سے کچھ آواز نکالتے اور ہم ٹی وی وہیں روک کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے، فالج کے باوجود انکل دیدات کا ذہن مکمل طور پر تندرست تھا، اب ان کے ذہن میں کیا ہے؟ یہ سمجھنے کے لئے ہم انگریزی حروف تہجی کو ان کے سامنے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیتے، جن لفظ پر وہ آنکھ سے اشارہ کرتے ہم دوبارہ تصدیق کر کے اسے رجسٹر پر لکھ لیتے اس طرح کئی بار کی ریہرسل کے بعد ایک جملہ یا لفظ پورا ہوتا تو ہم اسے بلند آواز سے پڑھ کر شیخ سے تصدیق کرتے کہ کیا وہ یہی کہنا چاہتے ہیں، انکل دیدات اس کا جواب آنکھوں کی پتلیوں اور ابروں کو اثبات یا نفی میں ہلا کر دیتے۔ مثلاً اگر انہیں گڈ کہنا ہوتا تو ہم اے بی سی پڑھنا

Marfat.com

شروع کر دیتے جب جی پر پہنچتے تو وہ آنکھ سے اشارہ کر دیتے اور ہم دوسرے لفظ کی تلاش کا سفر شروع کر دیتے، جب انکل دیدات زیادہ خوش ہوتے تو وہ رونا شروع کر دیتے، ان کا رونا اس بات کا اشارہ ہوتا تھا کہ وہ اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح کی ایک نشست میں جب انکل نے دیکھا کہ ہمارے پروگرامز میں سامعین کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے اور ان میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ غیر مسلم پیچیدہ قسم کے سوالات بھی کرتے ہیں الحمدللہ کبھی آج تک ایسا نہیں ہوا کہ غیر مسلموں نے کوئی سوال اسلام سے متعلق کیا ہو اور انہیں تسلی بخش جواب نہ ملا ہو، یہ دیکھ کر شیخ نے کہا ذاکر بیٹے! اللہ تمھیں کامیاب کرے، میں نے جو کچھ چالیس سال میں حاصل کیا تھا وہ تم نے صرف چار سال میں حاصل کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ دیدات نے اپنا سفر صفر سے شروع کیا تھا اور وہ چالیس سال تک ان تھک محنت اسلام کی تبلیغ کے لئے کرتے رہے، میں نے جب اپنا سفر شروع کیا تو اس چالیس سال کے بعد کا سفر شروع کیا اور شیخ دیدات کی چالیس سالہ محنت کا ثمر بھی میرے پاس چلا آیا، اس لئے یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ دراصل آج میں اسلام کے داعی کے طور پر جس مقام پر کھڑا ہوں یہ 44 سالہ محنت کا نتیجہ ہے، چالیس سالہ محنت میرے انکل شیخ دیدات کی محنت اور چار سال میرے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ شیخ دیدات نے مجھے چالیس سالہ سفر چار سال میں طے کرا دیا۔

بہت سے لوگوں کو جب یہ پتہ چلتا ہے کہ میں پیشے کے لحاظ سے میڈیکل ڈاکٹر ہوں تو وہ مجھے بحیثیت مبلغ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، میں آپ کو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات بتاتا ہوں، میرے، استاد، محسن، چچا اور میری زندگی کو پلٹ دینے والی شخصیت، شیخ احمد دیدات نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ فرنیچر کی خرید و فروخت کرتے گزارا تھا، ان کے والد بھی تاجر تھے اور جنوبی افریقہ میں رہائش پذیر تھے، انکل دیدات بھارتی گجرات میں پیدا ہوئے اور نو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے پاس جنوبی افریقہ چلے گئے۔ یہ 1928 تھا اسی دوران شیخ دیدات کی والدہ انتقال کر گئیں۔ دیدات جنوبی افریقہ میں فرنیچر کا کاروبار کرتے تھے، ان کا کام یہ تھا کہ گھوم پھر کر فرنیچر فروخت کریں۔ اسی

Marfat.com

دوران دیدات نے یہ دیکھا کہ عیسائی مشنریاں ہر طرف سرگرم ہیں اور عیسائیت کی تبلیغ کر رہی ہیں، جنوبی افریقہ میں اس وقت نسلی تفاوت اور افراتفری عروج پر تھی اور لوگوں کو پرسکون رکھنے کے لئے عیسائی مشنریوں کو استعمال کیا جاتا تھا، یہاں سے شیخ دیدات کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا۔ اس سے قبل ان کے پاس جو معلومات تھیں وہ صرف اپنے فرنیچر سے متعلق تھیں، جوان کے مسلمان مالک کا تھا اور یہ اسے فروخت کرنے کے لئے سیلز مین کے طور پر کام کرتے تھے۔ شیخ دیدات نے اپنے مطالعے کی ابتدا ہندوستان کے ایک عالم کی کتاب سے کیا، یہ کتاب مذاہب کے تقابل پر تھی۔ شیخ دیدات کو اس بات پر رنج تھا کہ امن کا مذہب اسلام ہے تو پھر لوگوں کو امن کی طرف لانے کے لئے اسلام کے بجائے عیسائی مشنریاں کس طرح کام کر رہی ہیں؟ وہ لوگوں کو درست راستے کی طرف لانا چاہتے تھے مگر ان کے پاس علم کی کمی تھی، اگر وہ عیسائی مبلغین سے کوئی مباحثہ کرتے تو شیخ دیدات کے پاس مشنریوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا، دیدات نے بائیبل خریدی اور اسے ازبر کر لیا، اسلام سے متعلق کتابوں کا معالعہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ زیر تربیت مشنریوں سے مباحثے شروع کر دئے اب دیدات کے پاس تمام سوالوں کا جواب تھا۔

اس جگہ میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ شیخ دیدات اور میرے لیکچرز، کتب، مباحثے اور مناظرے انگریزی میں کیوں ہوتے ہیں، شیخ دیدات نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا اور میں بھی اسی وجہ سے شیخ دیدات سے متاثر ہوا، وجہ یہ ہے کہ ہم ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو یورپ، امریکہ اور ایسے ممالک میں رہتے ہیں جہاں زبان انگریزی ہے، یا پھر ایسا نوجوان طبقہ جو جدید علوم کا گرویدہ ہے اور اس کی زبان بھی انگریزی ہے یا وہ انگریزی کو ہی ترجیح دیتا ہے، ہمارا فوکس یہی طبقہ ہے اسی لئے تبلیغ اسلام کے لئے ہماری زبان بھی یہی ہے۔ دعوت کا میدان بہت وسیع ہے اور مختلف طبقوں کے لئے مختلف صلاحیتوں والے داعیوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ کسی کو کسی پر فوقیت یا برتری حاصل ہے، نہیں! اسلام نے سب کو برابر رکھا ہے اور کسی کو کسی پر کوئی بھی فوقیت حاصل نہیں ہے سوائے تقوی کے۔ اب جب ہم اچھی انگریزی بولتے ہیں، جدید سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر علوم کی تحقیق کو سامنے رکھ کر یہ بتاتے ہیں

Marfat.com

کہ یہ تمام باتیں تو قرآن اور اسلام صدیوں قبل ہی بتا چکے ہیں تو پھر کسی کو یہ شک نہیں رہتا کہ اسلام ہی خدا کی طرف سے انسانیت کے لئے بھیجا گیا مذہب ہے۔ بات کسی اور طرف نکل گئی، میں یہ کہہ رہا تھا کہ شیخ دیدات نے انگریزی زبان کو اسی لئے تبلیغ کے چنا تھا کہ امریکہ، یورپ اور ایسے ہی دیگر ممالک میں موثر انداز میں اسلام کی تبلیغ کی جائے، اسلام کے معاملے میں معذرت خواہانہ اور نیم دلانہ رویہ نہ اختیار کیا جائے، الحمدللہ ہمیں اس میں کامیابی ہوئی، اس بارے میں گواہی بھی جنوبی افریقہ میں مشنری رہنما ڈیوڈ ویسٹر لینڈ نے دی، اس کا کہنا تھا شیخ دیدات وہ شخص تھا جس نے عیسائی غلبے والے ممالک میں عیسائی مشنریوں کو جارحانہ سے مدافعانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کیا اور انگریزی کو اسلام کی تبلیغ کے لئے استعمال کر کے جارحانہ پیش قدمی کی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب لوگ شیخ دیدات اور میرا نام لیتے ہیں تو ایسے کئی اہم افراد گم نامی میں رہ جاتے ہیں جنہوں نے شیخ دیدات کا سفر شروع کرنے میں مدد دی تھی اور اس عمارت کے معماروں میں سے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ دیدات کے ذہن میں یہ آئیڈیا تھا کہ عیسائیت اور اسلام سے متعلق مباحث کرائے جائیں، ظاہر ہے کہ اس سے حق سامنے آجاتا، یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ اس سلسلے کا پہلا لیکچر، مناظرہ یا مباحثہ 1942 میں ڈربن کے ایک سینما میں ہوا۔ اس کا عنوان محمد امن کے پیغامبر تھا اور اس میں کل 15 افراد نے شرکت کی تھی۔ یعنی 1942 میں جس بات کو سننے کے لئے صرف 15 افراد راضی تھے اب اس بات کو سننے کے لئے ہزاروں افراد بے تاب رہتے ہیں، اسی لئے شیخ دیدات نے اپنے آخری دنوں میں مجھے کہا تھا ذاکر بیٹے! میں نے جو کچھ چالیس سال میں حاصل کیا تھا وہ تم نے صرف چار سال میں حاصل کر لیا۔ شیخ دیدات کے دو بہت ہی قریبی دوست تھے ان میں سے ایک غلام حسین وینکر تھے اور دوسرے کا نام طاہر رسول تھا، یہ وہ دو افراد ہیں جن کے بارے میں انکل دیدات کہا کرتے تھے کہ یہ میرے کیرئیر کے دو گمنام ہیرو ہیں۔ شیخ دیدات کی اکثر سرگرمیوں میں ان دونوں کا مشورہ شامل ہوتا تھا۔ 1956 میں شیخ دیدات نے اپنے انہی دونوں دوستوں کے ساتھ مل کر ڈربن میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا ارادہ کیا جو موثر انداز سے کتب شائع کرے اور کام کو منظم کرے، اسی سال اسلامک پروپیگیشن سینٹر انٹرنیشنل ڈربن میں قائم ہو گیا۔ اس

Marfat.com

ادارے نے درجنوں کتب اور لیکچرز کی کئی میلین کا پیاں چھاپ کر مفت تقسیم کیں، شیخ دیدات نے اس کے علاوہ جنوبی افریقہ میں ہی ایک تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا۔ انہی کا ایک شاگرد میں بھی ہوں جس پر انہیں بہت فخر بھی تھا۔ 8اگست 2005 کو شیخ دیدات کا جنوبی افریقہ میں اپنے گھر میں ہی انتقال ہو گیا، سعودی علما اور حکمران شیخ دیدات کی تبلیغی سرگرمیوں کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ فالج ہونے کے بعد فوری طور پر انہیں خصوصی طیارے کے ذریعے سعودی عرب بلوایا گیا تا کہ ان کا علاج کیا جاسکے مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ باقی زندگی بستر پر گزاریں، شیخ نے واپس آنا پسند کیا اور اپنے گھر میں حیرت انگیز طریقے سے تبلیغی سرگرمیاں انجام دیتے ہوئے ایک دن خاموشی سے اپنے رب کے واپس چلے گئے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ میں نے شیخ کی زندگی میں ہی ان سے مشاورت کر لی تھی کہ میں ممبئی سے ایک سیٹلائٹ چینل پیس ٹی وی کے نام سے شروع کرنا چاہتا ہوں اور ممبئی میں ہی اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن وغیرہ بھی ان کے سامنے ہی کی بات ہے۔ یہ اسی دن کا ذکر ہے جس دن انکل دیدات نے مجھے کہا تھا کہ تم نے چالیس سال کا سفر چار سال میں طے کیا ہے، میں نے اسی دن ان سے کہا کہ میں مستقبل میں ایک ایسا چینل قائم کرنا چاہتا ہوں جو جدید طریقے سے اسلام کی تبلیغ کرے۔ شیخ دیدات اس پر بہت خوش ہوئے۔ شیخ دیدات کی وفات کے بعد احساس ہوا کہ انکل کی موجودگی کیا اہمیت رکھتی تھی، میں آج داعی ہوں تو اس کا سہرا شیخ دیدات کے سر ہے، مجھے داعی بنانے میں میرے والدین اور گھر والوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے، انہی کی سپورٹ کی وجہ سے میں اپنی پوری توانائی دین کی دعوت پر صرف کرتا ہوں۔ اللہ میرا انجام بھی ایسا ہی کرے کہ میں دین کی دعوت دیتا ہوا رب کے پاس حاضری کے لئے رخصت ہوں۔ آمین۔ یہ تھی میری زندگی کی کہانی۔

والسلام، ڈاکٹر ذاکر احمد نائیک

☆☆☆☆☆

غیر ملکی ٹیم کے چھ کھلاڑیوں نے کراچی آ کرایک ساتھ اسلام قبول کرلیا

براعظم افریقہ سے تعلق رکھنے والے 9 باکسرز نے کراچی میں بے نظیر بھٹو شہید انٹرنیشنل باکسنگ ٹورنمنٹ کے دوران عیسائیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ مفتی نعیم کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے کے بعد یہ نوجوان باکسرز بہت خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ان میں سے چھ کا تعلق سنٹرل افریقن ریپبلک سے ہے اور تین کیمرون کے شہری ہیں۔

واضح رہے کہ یہ باکسرز بے نظیر بھٹو شہید انٹرنیشنل باکسنگ ٹورنمنٹ میں شرکت کے لیے حکومت پاکستان کی دعوت پر اپنے کوچ اور باکسنگ فیڈریشن کے صدر کے ہمراہ کراچی آئے تھے۔ کے پی ٹی اسپورٹس کمپلیکس میں ان کے مقابلے جاری تھے۔ یہ ٹورنامنٹ اس وقت پاکستان سمیت دنیا بھر کے میڈیا کی توجہ کا مرکز بن گیا جب 4 جنوری 2010 کی شب وسطی افریقن ریپبلک سے تعلق رکھنے والے 6 باکسروں کی جانب سے اسلام قبول کرنے کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ بعد ازاں ان باکسرز کے لیے 5 جنوری کی دوپہر 2 بجے پاکستان باکسنگ فیڈریشن کی جانب سے مقامی ہوٹل میں تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ممتاز عالم دین مفتی نعیم کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔صحافیوں اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو اس وقت خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب تقریب کے منتظمین کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ 6 وسطی افریقی باکسرز کے ساتھ کیمرون سے تعلق رکھنے والے تین باکسرز بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ بعدازاں مفتی صاحب نے 9

Marfat.com

باکسروں کو کلمہ طیبہ پڑھا کر انہیں دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ اس موقع پر مفتی نعیم کی جانب سے ان کے قبول اسلام کی ایک سند تیار کر کے نوجوانوں کو دے دی گئی ۔ قبول اسلام کی بابرکت اور روح پرور تقریب کے بعد مہمان باکسرز نے اپنے کوچ کے ہمراہ واپس کے پی ٹی اسپورٹس کمپلیکس چلے گئے ۔ ہماری جانب سے نومسلم باکسرز اور ان کے کوچ سے خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ جب ہماری ٹیم کے پی ٹی اسپورٹس کامپلکس پہنچی تو وہاں مختلف ممالک کے باکسرز کے درمیان مقابلے جاری تھے اور رنگ کے اطراف موجود عام شائقین کے ساتھ نومسلم نوجوان افریقی باکسرز بھی بیٹھے ہوئے مقابلوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وسطی افریقہ سے تعلق رکھنے والے 6 نومسلم نوجوان سفید کاٹن کے شلوار، قمیض پہنے اور سروں پر سفید ٹوپیاں لگائے الگ ہی دکھائی دے رہے تھے۔

9 افریقی باکسرز کے قبول اسلام کا سارا کریڈٹ ان کے کوچ محمد کلام بے کو جاتا ہے۔ ہماری جانب سے انٹرویو کی خواہش ظاہر کرنے پر ان باکسرز کے کوچ محمد کلام بے نے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ان کا تعلق سنٹرل افریقن ریپبلک کے شہر بنگوی سے ہے اور 1967 سے باکسنگ کے مقابلوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ الحمد للہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں اور انہوں نے اپنی ٹیم کے عیسائی کھلاڑیوں کے ساتھ ہمیشہ برادرانہ اور دوستانہ رویہ رکھا جس کی وجہ سے باکسرز اسلام کی تعلیمات سے متاثر تھے۔ محمد کلام کے مطابق جب وہ حکومت پاکستان کی درخواست پر اپنی ٹیم کے 6 کھلاڑیوں کے ہمراہ کراچی پہنچے تو پاکستان باکسنگ فیڈریشن کے عہدہ دار رات 2 بجے ایئر پورٹ پر استقبال کے لیے موجود تھے ۔ یہ افریقی کھلاڑی پاکستانی آفیشلز اور دیگر لوگوں کے حسن سلوک اور مہمان داری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلی ہی رات انہوں نے اپنے کوچ سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کردی ۔ محمد کلام بے اپنے کھلاڑیوں کے اس فیصلے پر خوشی سے سرشار ہوگئے اور انہوں نے فوری طور پر پاکستان فیڈریشن کے حکام کو مطلع کیا وسطی افریقہ کے جن کھلاڑیوں نے اسلام قبول کیا ان کے افریقی نام اور مفتی نعیم کی جانب سے رکھے گئے اسلامی نام کچھ اس طرح سے ہیں:

☆ اقبال حسین (سیلی بانگے)

Marfat.com

☆محمد اکرام (کبوڈو آئی گور)

☆عبیدالرحمٰن (نیام بونگوی)

☆تیمور حسین (بانگوی)

☆محمد علی (این گوکو)

☆علی اکبر (ین ڈراسا)

جبکہ کیمرون سے تعلق رکھنے والے باکسرز کے نام

☆محمد یاسر (میمدوا)

☆محمد راشد (کیچی می)

☆محمد احمد (نچ ویم) رکھے گئے ہیں۔ وسطی افریقہ ٹیم سے تعلق رکھنے والے باکسرز کا کہنا تھا کہ وہ پاکستانی عوام کے اخلاق اور حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہاں جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا گیا اور بعد ازاں خلوص ومحبت کے رویے کو وہ زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ممکن ہے ہمیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اپنے اہل خانہ اور دوستوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تاہم وہ تمام مشکلات کو جھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس حوالے سے تمام باتیں ان کے ذہنوں میں موجود تھیں تاہم ان کے کوچ محمد کلام بے ان کی بہت ہمت افزائی کر رہے تھے اور اسلام سے متعلق بہت سی باتیں بھی سکھا رہے تھے۔

نومسلم باکسر محمد علی کا کہنا تھا یہ امکان بہت کم ہے کہ انہیں اپنے اہل خانہ یا دوستوں کی جانب سے کسی مخالفت یا رویے کا سامنا کرنا پڑے کیوں کہ گزشتہ کچھ عرصے سے ان کے ملک میں خواتین اور مردوں کی جانب سے اسلام قبول کرنے کے رجحان میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

تمام نومسلم کھلاڑیوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اپنے وطن جا کر تبلیغ دین کا کام کریں گے۔ ان کھلاڑیوں کی عمریں 24 سے 30 سال کے درمیان ہیں۔ ان کے چہروں سے خوشی اور سکون جھلک رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کاش اولگا اسلام قبول نہ کرتی۔ سانحہ خروٹ آباد پر روسی صحافی کا خط

بقلم: روسی صحافی، سلطانہ مراویوہ

کوئٹہ کے علاقے خروٹ آباد میں پولیس اور سرکاری دستوں نے تین خواتین اور ایک مرد پر خود کش حملہ آور ہونے کے شبہ میں فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کر دیا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ نومسلم روسی خواتین تھیں جو پاکستان دینی تعلیم حاصل کرنے چلی آئی تھیں۔ ان کو قتل کرنے والے اہلکاروں پر مقدمہ بھی چلا اور مقتول خواتین کے والدین پاکستان بھی آئے۔ اسی قتل پر ایک روسی صحافی نے ایک خط لکھا جو کہ پیش ہے۔

درود اور سلامتی ہو محمد پر، ان کے اہل وعیال پر اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم پر۔ دنیا کے جس کونے تک میرا یہ پیغام پہنچے، وہاں کے رہنے والے سب عزیز بھائیوں اور بہنوں کو السلام علیکم۔

دنیا کے ہر کونے میں مسلمان بستے ہیں، جو ایک اللہ کی عبادت کا درس دینے والے دین کی پیروی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ہیں؛ روسی مسلمان۔ ایک بھائی نے مجھ سے ہماری دینی بہن اولگا (سمیہ) شروئڈر کی شہادت کے بارے میں پوچھا، جو کہ ایک روسی مسلمان تھیں اور کوئٹہ پاکستان میں شہید ہوئیں۔ میں ان کی گزارش پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔ (انشااللہ) میں بتاتی چلوں کہ میں اور اولگا ایک دوسرے کو ذاتی طور پر نہیں جانتے

تھے۔ میں نے اور دیگر کئی مسلمانوں نے ان کی کہانی کو صرف سرے سے جانچا ہی تھا۔ اور چونکہ میں ایک صحافی ہوں، میں نے اپنی پوری استطاعت کے مطابق ان کی زندگی کے بارے میں تحقیق کی۔ میں نے ان لوگوں سے بات کی جو اس بہن کو جانتے تھے، اس کے ہم جماعت، اس کی بہنیں اور دیگر مسلمان۔ میرے لئے زیادہ اہمیت کی بات یہ تھی کہ میں یہ ثابت کروں کہ اولگا، ان کے شوہر اور ان کیساتھ تین اور مسلمان ،جنگجونہیں تھے، جیسا کہ روسی پریس نے لکھا تھا۔ مجھے جتنے بھی حقائق ملے، میں نے اولگا کے والدین کو فراہم کر دیئے۔ میں نے ان کے شوہر کے والدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ، جو کہ تاجکستان میں رہائش پذیر ہیں، مگر میرا ان سے رابطہ نہیں ہوسکا کیونکہ کسی کوان کا پتہ معلوم نہیں۔ یہ حقیقت کہ اولگا ایک جنگجونہیں تھیں، چند حقائق سے ہی یہ بات ثابت ہوجاتی ہے۔ جب ان کو قتل کیا جارہا تھا تب ان کے پاس کوئی بم یا اسلحہ نہیں تھا۔لیلہ، اولگا کی ایک سہیلی جو کہ ماسکو میں مقیم ہیں، اس نے کہا ہے کہ مئی کو بھیجے جانے والے ایک خط میں اولگا نے ان کو بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ جلد ہی اپنے حمل کو ہلکا کرنے ماسکو واپس آئیں گی اور وہ پھر دوشنبہ (تاجکستان) جائیں گی۔

جنگجوؤں کے، اصول اور مستقبل کیلئے ایسے ارادے تونہیں ہوا کرتے ہیں۔اولگا بہت اچھی اور فرمانبردار بیٹی تھیں۔ ان کی سہیلیاں ان کے بارے میں خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت رحم دل اور بہت ذہین لڑکی تھیں۔ ان کی وفات ان کے والدین کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا۔ ان کی ایک قریبی سہیلی ، اینستاسیہ کہتی ہیں: ان کی والدہ مضبوط خاتون ہیں، مگر میں دیکھتی ہوں کہ وہ اپنی بیٹی کو بہت پریشانی سے یاد کرتی ہیں۔ان کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں ہیں۔اولگا ایک بہت قابل طالب علم تھیں، انہوں نے ہائی سکول سے سونے کا تمغہ اور ڈپلومہ حاصل کیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ماسکو کی ایک یونیورسٹی میں داخلہ لے سکیں۔مگر ادھر ان کی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی آئی۔ وہ ادھر مسلمانوں سے ملیں اور اسلام سے متعارف ہوئیں اور انہوں نے اپنا نیا نام 'سمیہ' رکھا۔ انہوں نے ایک تاجک بھائی نعمان سے شادی کی۔انہوں نے یونیورسٹی چھوڑی کیونکہ ان کو اس میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا اور ماسکو میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا شروع کیا۔ادھر ان کے

Marfat.com

سارے دوست ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے ہیں۔ میں یہاں ایک بات بتاتی چلوں کہ روسیوں کے لئے جو کہ ہزاروں سال سے عیسائی ہیں، اسلام قبول کرنا آسان نہیں ہے۔ اسلامی اور روسی تہذیب بہت مختلف ہے۔ مگر اللہ کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، اولگا کے والدین اپنی بیٹی کے اس فیصلے سے (کہ وہ مسلمان ہوگئیں) خوش نہیں تھے مگر رکاوٹ کا باعث بھی نہیں بنے۔ خوش قسمتی سے روسی والدین (اس معاملے میں) صابر ہوتے ہیں، اور روس میں مذہبی آزادی کے متعلق بھی ایک قانون ہے۔

اب اس بات پر آتے ہیں کہ وہ پاکستان میں کیسے تھے۔ اس کے بارے میں نہ میں اور نہ ہی کوئی اور پتا لگا سکا ہے۔ مگر ان کی روانگی سے قبل ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ نعمان کے ایک دوست اور پانچ مزید مسلمان غائب ہو گئے اور ابھی تک نامعلوم ہیں۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ روس میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اگرچہ یہاں حالات افغانستان اور پاکستان سے بہتر ہی ہیں، مگر روس میں بھی مسلمان مغلوب ہیں۔ روسی حساس ادارہ ایف ایس بی مسلمانوں پر کڑی نظر رکھتی ہے اور جن مسلمانوں کو چاہتی ہے گرفتار کر لیتی ہے اور ان کو یا تو غیر قانونی طور پر اپنی مرضی کے مطابق غیر مشروط مدت کے لئے اپنے پاس رکھتی ہے یا پھر جان سے مار دیتی ہے۔ روسی حکومت نے شمالی قفقاز کے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے اسلام کا تصور بہت بدنام ہے۔ (مزاحمت کار اپنے علاقوں میں) جوابی حملے کرتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف یہی چیز لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ بھی کرتی ہے اور دن بہ دن زیادہ سے زیادہ روسی نوجوان اسلام قبول کر رہے ہیں۔ بطور روسی مسلمان، میرے لئے یہ ایک بہت خوشی کی بات ہے۔ الحمدللہ یہ بات خارجِ امکان نہیں ہے کہ وہ اور ان کے شوہر، ان حالات کی وجہ سے ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ روسی حکومت ایسے لوگوں کو برداشت نہیں کرتی جو شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس حکومت کو تو ایسے شہری چاہیے جو اس کے قوانین کی پاسداری کرتے ہوں۔ آسان الفاظ میں جیسے، بھیڑ کا ریوڑ۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ان کے محرکات جان سکتے۔ مگر پاکستانی پولیس نے یہ امکان ہی زائل کر دیا...... جو کچھ کوئٹہ کی چیک پوسٹ پر ہوا، وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔

Marfat.com

تمام معلومات لوگوں میں عام ہیں۔ یہ روسی مسلمان صرف اس لئے گرفتار کئے گئے اور پھر شہید کئے گئے کہ انہوں نے رشوت دینے سے اور جنسی خدمات فراہم کرنے سے انکار کیا۔ (حاملہ اولگا) سمیہ کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ انہوں نے پھر تمام لاشوں سے زیورات چوری کر کے اپنے پاس رکھ لئے۔ یقیناً آپ میں سے زیادہ تر لوگوں نے وہ ویڈیو دیکھی ہوگی جس میں پاکستانی پولیس اہلکار ان زخمی خواتین پر گولیاں برسا رہے تھے۔ ایک طرف تو میرا دل افسردہ ہوا جب میں نے وہ تصویریں دیکھیں، مگر دوسری طرف مجھے اولگا (سمیہ) شروُنڈر سے انسیت ہوگئی۔ وہ ایک سچی مسلمہ کی طرح اپنے جسم کے ذریعہ ایک مسلمان کی حفاظت کرتے ہوئے غیرت اور عزت کے ساتھ شہید ہوئیں۔ وہ اس حالت میں فوت ہوئیں کہ ان کا ہاتھ بلند تھا اور شہادت کی انگلی بلند تھی۔ اے اللہ ہم سب کو عزت کی موت دے، ایمان کی موت۔ آمین

اولگا (سمیہ) کے والدین اور دوست احباب کا دل ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اسلام کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اولگا (سمیہ) اسلام قبول نہ کرتیں تو ایسا نہ ہوتا وہ کہتے ہیں کہ کاش اولگا اسلام قبول نہ کرتی تو آج زندہ ہوتی۔ یہ ایک بہت دھچکے کی بات ہے کہ وہ روسی مسلمان، مسلمانوں کے ایک ملک میں ہی مارے گئے۔ ہم مسلمان بھی بہت ظالم ہیں، مگر یہ بھی اللہ کے اذن سے ہے۔ میں دل سے یہ امید کرتی ہوں کہ وہ سب (مقتولین) جنتوں میں جائیں گے۔ (انشاءاللہ) میں نے اولگا (سمیہ) کی کزن سے اور ان کی بہن 'لیدیا' سے بات کی۔ اس نے کہا کہ اگر اللہ اولگا (سمیہ) کو ایک اور زندگی دیتا، تو وہ ان کی طرح رہتیں، اور کسی نے افسوس نہ کیا ہوتا۔ پھر وہ رونا شروع ہوگئی۔ خوش قسمتی سے اولگا (سمیہ) کے والدین سمجھدار لوگ ہیں۔ انہوں نے اولگا (سمیہ) کو، بشمول ان کے شوہر اور بیٹے کے، اسلامی طریقے کے مطابق دفن ہونے دیا۔ شروع میں وہ دوشنبہ میں دفنانا چاہ رہے تھے مگر ان کے شوہر کے والدین ان لاشوں کو گھر لانے پر رضامند نہ ہوئے، تاہم وہ کوئٹہ میں ہی دفنا دیئے گئے۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ روسی تو ان کی قبروں کی زیارت نہیں کرسکیں گے۔ میں امید کرتی ہوں کہ ہمارے مسلمان بھائی اور بہنیں ان قبروں کی دیکھ بھال کریں گے۔ میں یہ بھی التجا کرتی ہوں کہ، جو بھی بھائی بہن یہ پیغام پڑھیں۔

Marfat.com

وہ اولگا، ان کی مسلمان سہیلیوں اور رشتہ داروں کے لئے دعا کریں۔ کیونکہ اولگا (سمیہ) ایک روسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ عیسائی اور ملحد لوگ ہیں، تو ہمارے (مسلمانوں کے) علاوہ، ان میں سے کوئی بھی ان کے لئے دعا نہیں کرے گا۔

تمام نیک تمناؤں اور سلام کے ساتھ

روس سے آپکی مسلم صحافی بہن

سلطانہ مراویووہ

(Svetlana Muraviova) کوہ یورال، روس

☆☆☆☆☆

Marfat.com

نائن الیون کے حملوں نے مجھے مسلمان کر دیا۔ امریکی ماڈل گرل سارہ بوکر کی کہانی اپنی زبانی

(سارہ بوکر مشہور امریکی ماڈل گرل رہی ہین۔ مگر اب انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے اورعورتوں کے حقوق کا ایک ادارہ بھی امریکہ میں ہی چلا رہی ہیں۔ اسلام قبول کرنے کی اپنی کہانی انہوں نے اس طرح بیان کی۔)

وہ امریکہ کے قلب نیویارک میں پیدا ہوئی۔ اس کی ابتدائی جوانی ایک امریکی لڑکی ہی کی طرح گزری۔ اس کا ایک ہی شوق تھا کہ امریکا کے عظیم شہر کی تفریح بھری زندگی کی جاذبیت اور دلکشی کی دوڑ میں حصہ لے اور سب سے آگے نکل جائے۔ لیکن اسے لگتا تھا کہ اس کی کوشش جس قدر بڑھتی اور وہ جتنا بظاہر کامیابیوں کی منزلیں طے کرتی جاتی، اس کی بے اعتمادی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ وہ اپنے باطن میں ایک انجانا سا خلا ایک عجیب سی کمی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا معیار زندگی بظاہر جتنا اونچا ہو رہا تھا، اس کا اندر کا اعتماد اتنا ہی ٹوٹتا جا رہا تھا۔ وہ اس کا حل چاہتی تھی، مگر اسے کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

آخر وہ اس زندگی سے تنگ سی آ گئی۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اس نے خود کو نشے کے حوالے کر دیا، مگر اندر کی بے کلی تھی کہ بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کسی نے اسے مشورہ دیا کہ خود کو مصروف رکھ کر وہ ان سوچوں سے جان چھڑا سکتی ہے، چنانچہ وہ حقوق نسواں کی ترجمان سماجی کارکن کے طور پر فلاحی اور رفاہ عامہ کے کام کرنے لگی، اس

Marfat.com

نے بہت کم عرصے میں اس میدان میں بھی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے، اوراس کے نام کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی جس رفتار سے اس کی ترقی میں اضافہ اوراس کے کیریئر میں نکھار آ رہا تھا، اسی سرعت سے اس کے اندر کی خود اعتمادی کا بت ریزہ ریزہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس کے حصول کا اس کے ضمیر کی طرف سے مطالبہ ہے، وہ بہت سوچنے کے باوجود سمجھنے میں ناکام تھی، یکسر ناکام۔

اچانک س کی زندگی میں نائن زیرو آ گیا ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پینٹا گون کی تباہی کے بعد اس نے دیکھا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔ ہندو، یہودی اور عیسائی دنیا اگر اپنی توانائیاں کسی چیز کے خلاف صرف کر رہی ہے تو وہ اسلام اور اسلامی اقدار ہیں۔ اسلام سے اسے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، نہ مثبت نہ منفی، وہ اسلام کو ماضی کا ایک افسانہ، ایک بھولی بسری کہانی اور ''پتھروں کے دور'' کی ایک یادگار سمجھتی تھی۔ جب اس کے کانوں میں ہر طرف سے یہ آوازیں گونجنے لگیں کہ اسلام عورتوں کا استحصال کرتا اور اسے گھر کی نوکرانی اور شوہر کے پاؤں کی جوتی سے زیادہ کوئی مقام نہیں دیتا، تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اپنی آواز بھی اس اسلام مخالف ''شوروغوغا'' میں شامل کرلے، بلکہ اسے اس کی شہرت اور معاشرے میں ایک اسٹیٹس کا حامل ہونے کی وجہ سے اس بات کی باقاعدہ پیشکشیں ہونے لگیں۔ اس نے پہلے تو سوچا کہ وہ بھی اس رو میں بہہ جائے، کیوں کہ وہ عورتوں کی آزادی کی علمبردار ہے اور بزعم خویش اسلام حقوق نسواں کی راہ کی سب سے بڑی دیوار ہے۔

پھر جانے کیوں اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے تحقیق کر لینی چاہیے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی تحقیق اس کی اسلام مخالفت میں مزید شدت کا باعث بنے گی، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس تحقیق سے اس کی اپنی رائے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یکسر بدل جائے گی، ورنہ شاید وہ ''یہ کڑوا گھونٹ'' پینے کی شاید زحمت بھی گوارا نہ کرتی۔

تحقیق کی ابتدا اس نے ایک ایسے سینئر سماجی کارکن سے ملاقات کے ذریعے کی، جو بلا تفریق ملک و مذہب سارے انسانوں کے لیے انصاف اور فلاح و بہبود کا داعی تھا۔ اس ملاقات کے بعد اسے احساس ہوا کہ انصاف، آزادی اوراحترام انسانیت آفاقی اقدار ہیں، جن کی دوسرے مذاہب سے بڑھ کر اسلام دعوت وترغیب دیتا ہے۔ یہ اس کے لیے

ایک بڑا انکشاف تھا، جسے وہ آسانی سے قبول نہیں کرسکتی تھی۔

اس نے ایک اسلامک ریسرچ سینٹر سے رابطہ کر کے قرآن مجید کا ترجمہ حاصل کیا اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔ پہلے تو قرآن کے اسلوب و انداز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا، پھراس کتاب میں کائنات، انسان اور زندگی کے بارے میں بیان کردہ ناقابل تردید حقائق نیز عبد و معبود کے رشتے پر جو روشنی ڈالی گئی ہے، ایسی جامع تفصیل اسے اس سے قبل کسی کتاب، کسی فلسفے اور کسی مفکر و مصنف کی تھیوری میں نظر نہیں آئی تھی۔ وہ بے اختیار یہ سوچنے لگی کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا اس انقلابی کتاب ہدایت نے اس کے اندر گویا ایک بھونچال سا برپا کردیا۔ اس نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی تعلیمات کا مخاطب براہ راست انسان اور اس کی روح کو بنایا ہے۔ اس نے قرآن میں بیان کردہ عورت کے حقوق کا مقابلہ دوسرے ادیان و مذاہب سے کیا، تو اس میں بھی اسلام کو سب سے بڑھ کر پایا، پھر اس نے حضور اکرم ﷺ کے فرامین، آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کو دیکھا تو قرآنی ہدایات کا کامل و مکمل نمونہ اور عکس جمیل نظر آیا، جب کہ دوسرے ادیان و مذاہب کے ''بڑے'' اسے صرف ''گفتار کے غازی'' نظر آئے اور آخر کار وہ لمحہ آ گیا جب اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ جس سکون کیلئے بیتاب ہے، وہ صرف اسلام قبول کر کے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کی داخلی بے تابیوں اور اضطراب کا علاج صرف ایمان سے ہوسکتا ہے اور اس کے مسائل کا حل مہم جوئی میں نہیں عملی مسلمان بننے میں ہے۔

وہ اب اسلامی زندگی سے زیادہ دیر دور بھی نہیں رہ سکتی تھی، اس نے اسلام قبول کر کے ایک مسلمان مرد سے نکاح کرلیا۔ اس نے ایک برقعہ اور سر اور گردن کو ڈھکنے والا اسکارف خریدلیا، جو ایک مسلم عورت کا شرعی لباس ہے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا بس ایک چیز بدلی ہوئی تھی یعنی اس کا اندرونی اطمینان وسکون اور خود اعتمادی اور تحفظ کا احساسگویا وہ حقیقی آزادی کی منزل سے اب ہمکنار ہوئی ہو۔ وہ اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

"میں بڑی خوش تھی کہ ان آنکھوں میں اب تعجب اور دوری کے آثار تھے، جو پہلے مجھ کو ایسے دیکھتے تھے جیسے شکاری اپنے شکار کو اور باز ننھی چڑیا کو۔ حجاب نے میرے کندھوں کے ایک بڑے بوجھ کو ہلکا کردیا اور مجھے ایک خاص طرح کی غلامی اور ذلت سے نکال

دیا تھا۔اب دوسروں کے دلوں کو لبھانے کیلئے میں گھنٹوں میک اپ نہیں کرتی تھی۔اب میں اس غلامی سے آزاد تھی۔ابھی تک میرا پردہ یہ تھا کہ صرف ہاتھ اور چہرے کو چھوڑ کے میرا پورا جسم ڈھکا ہوتا،میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں چہرہ بھی ڈھکنا چاہتی ہوں،اس لیے کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ میرے رب کو زیادہ راضی کرنے والا عمل ہوگا،انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی،وہ مجھے ایک دکان پر لے گئے جہاں میں نے ایک عربی برقعہ خریدا اور مکمل شرعی پردہ کرنے لگی۔آج مجھے اپنے فحش لباس کو اتار کر اور مغرب کی دلربا طرز زندگی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی معرفت و بندگی والی ایک باوقار زندگی کو اختیار کرنے سے جو مسرت واطمینان کا احساس ہوا ہے میں اس کی کوئی مثال نہیں دے سکتی میری وہ سہیلیاں جو میرے ساتھ حقوق نسواں کے محاذ پر مصروف کار تھیں،مجھے ڈراتی تھیں کہ اسلام قبول کر کے تم ایک عضو معطل بن کر رہ جاؤ گی،مگر یہ ان کی کم فہمی یا اسلام کے بارے میں غلط سوچ تھی،الحمدللہ!اب میں بھی عورتوں کے حقوق کی حامی و داعی ہوں،جو مسلم عورتوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی ایمانی ذمہ داریوں کو ادا کریں،اپنے شوہروں کی ایک اچھا مسلمان بننے میں مدد کریں،اپنے بچوں کو اس طرح تربیت دیں کہ وہ استقامت کے ساتھ دین پر جم کر اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کیلئے مینارہ نور بن جائیں"۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسلمانوں کو زندہ جلانے والا آخرکار خود مسلمان ہوگیا۔

ایک دردناک کہانی

(ذیل کے سطور میں ایک ایسے سنگ دل انسان کے قبولِ اسلام کی عبرت آموز داستان پیش کی جارہی ہے۔جس نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر برادرزادی کو قبولِ اسلام کے جرم میں زندہ جلا کر اصحاب اخدود کی مثال قائم کی تھی۔داستان درد وکرب، عبرت ونصیحت اور خوشی وغمی کے امتزاج سے لبریز ہے.... پڑھیے اور پڑھتے جایئے۔)

اگر میں یہ کہوں کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے۔آج تک میں دنیا کا ظالم ترین شخص ہوں بدترین اور خوش قسمت ترین انسان ہوں تو یہ میرا بالکل سچا تعارف ہوگا۔میں ضلع مظفر نگر کی بڑھنا تحصیل کے مسلم راج پوت اکثریت والے گاوں میں اب سے تقریباً بیالیس تینتالیس سال قبل پیدا ہوا۔میرا گھرانہ نہایت مذہبی ہندو لیکن جرائم پیشہ تھا۔والد اور چچا جرائم پیشہ گروہ کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے لوٹ مار اور ظلم خاندانی طور پر گھٹی میں داخل تھا۔1987 میں میرٹھ کے فسادات کے موقع پر میں اپنے باپ کے ساتھ رشتہ داروں کی مدد کے لیے میرٹھ ہی رہا اور ہم دونوں نے کم از کم پچیس مسلمانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔اس کے بعد مسلم نفرت کے جذبہ سے متاثر ہوکر بجرنگ دل میں شامل ہوا۔بابری مسجد کی شہادت کے سلسلہ میں 1990 میں شاملی میں کتنے مسلمانوں کو قتل کیا اسی طرح 1992 میں بڑھانہ میں بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا۔مگر تقدیر کے بھید بڑے نرالے ہیں، آج

Marfat.com

میں مسلمان ہوں، میرے قبولِ اسلام کا واقعہ بڑا عجیب ہے: میرے ایک بڑے بھائی تھے جنکی دولڑکیاں اور دولڑکے تھے۔ اور مجھے کوئی اولاد نہیں ہے۔ ان کی بڑی لڑکی کا نام ہیرا تھا۔ وہ عجیب دیوانی لڑکی تھی بہت ہی جذباتی جس سے ملتی بس دیوانوں کی طرح جس سے نفرت کرتی پاگلوں کی طرح کبھی کبھی ہمیں یہ خیال ہوتا کہ شاید اس کے اوپر کوئی اثر ہے لہٰذا دیکھایا سنایا مگر اس کا حال جوں کا توں رہا۔ آٹھویں کلاس کے بعد اس کی پڑھائی روک دی گئی مگر اس نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر ہائی اسکول کا فارم بھر دیا اور آٹھ دن کھیتوں میں مزدوری کی تاکہ فیس بھرے اور کتابیں منگوائے، جب کتابیں اسے خود ہی سمجھ میں نہ آئی تو گھر کے سامنے ایک برہمن کے گھر اسکی لڑکی سے پڑھنے جانے لگی۔ برہمن کا لڑکا بدمعاش اور ڈاکو تھا۔ نہ جانے کس طرح میری بھتیجی ہیرا کو بہکایا اور اس کو لیکر بڑوت کے جنگل میں جہاں اسکا گروہ رہتا تھا پہنچا۔ وہ اس کے ساتھ چلی تو گئی مگر وہاں جاکر اسے اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال آیا انکی بدنامی اور اپنی غلطی کا احساس ہوا تو چپکے چپکے روتی تھی۔ اس گینگ میں ادریس پور کا ایک مسلمان لڑکا بھی تھا۔ ایک روز اس نے اسے روتے ہوئے دیکھ کر اس کے رونے کی وجہ معلوم کی۔ تو اس نے بتایا کہ میں نادانی میں اسکے ساتھ آتو گئی مگر مجھے اپنی عزت خطرے میں لگ رہی ہے اور اپنے ماں باپ کی پریشانی مجھے یاد آرہی ہے۔ اسکو ہیرا پر ترس آگیا اور اس نے کہا میں تجھے اپنی بہن بناتا ہوں میں تیری عزت کی حفاظت کروں گا اور تجھے اس جنگل سے نکال کر صحیح سلامت تیرے گھر پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ اس نے تدبیر یہ نکالی کہ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لڑکی تو بہت بہادر اور اپنے ارادے کی پکی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے گروہ میں ایک دولڑکیوں کو ضرور شامل کرنا چاہیے۔ اکثر ہمیں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب جنگل میں اس کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو لڑکوں کے کپڑے پہناؤ۔ اس کی بات سب ساتھیوں کو سمجھ میں آگئی۔ ہیرا کو کپڑے پہنا کر لڑکا بنایا گیا اور اسے ساتھ لے کر پھرا جانے لگا۔ اب اس نے ایک روز ہیرا کو کسی بہانے سے بڑوت بھیجا اور ہیرا سے کہا کہ تو وہاں تانگہ میں بیٹھ کر ہمارے گھر ادریس پور چلی جانا اور وہاں جاکر میرے چھوٹے بھائی سے سارا حال سنانا اور کہنا کہ تیرے بھائی نے بلایا ہے۔ اور اس کو بتا دینا کہ وہ یہاں آکر یہ کہے کہ وہ لڑکی کو بڑوت والوں نے

Marfat.com

شک میں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ ہیرا نے ایسا ہی کیا اس کا بھائی جنگل میں گیا اور اس نے اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ اس لڑکی کو بڑوت والوں نے شک میں پکڑ کر پولس کے حوالے کر دیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ ہیرا کو تھانے بھیج دو، اور وہ جا کر تھانے میں کہے کہ مجھے ایک گروہ گاوں سے اٹھا کر لے گیا تھا۔ کسی طرح میں چھوٹ کر آ گئی ہوں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ ہیرا نے ایسا ہی کیا۔ بڑوت تھانے والوں نے بڑھانہ تھانہ سے رابطہ کیا وہاں پر اس لڑکی کے اغوا کرنے کی رپورٹ پہلے لکھی ہوئی تھی۔ بڑھانہ تھانے کے لوگ لیڈیز پولیس لے آئے اور تھانے سے ہیرا کو لے کر ہمارے گاوں آئے۔ ہم نے اسے گھر تو رکھ لیا مگر ایسی بدچلن لڑکی کو گھر کیسے رکھیں۔ لیکن ہیرا نے بتایا کہ اس نے اپنی عزت کی حفاظت کی ہے۔ یقین کسی کو نہ آیا تو ڈاکٹری چیک اپ کے لیے اسے اسپتال اس نیت سے لے گیا کہ اگر باعفت ہوگی تو ٹھیک ورنہ مار کر بڑھانہ ندی میں ڈال آئیں گے۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ ڈاکٹر نے رپورٹ دی کہ اس کی عزت سلامت ہے۔ خوشی خوشی اس کو لے کر گھر آئے مگر وہ اب مسلمانوں کا بہت ذکر کرتی تھی اور بار بار ایک مسلمان لڑکے کی وجہ سے اپنے بچ جانے کا ذکر کرتی تھی۔ وہ مسلمانوں کے گھر جانے لگی۔ وہاں ایک لڑکی نے اسے دوزخ کا کھٹکا اور جنت کی کنجی نامی کتابیں دیں۔ مسلمانوں کی کتاب میں نے گھر میں دیکھا تو میں اسے بہت مارا اور خبردار کیا کہ اگر اس طرح کی کتاب میں نے گھر میں دیکھا تو تجھے کاٹ ڈالوں گا۔ مگر اس کے دل میں اسلام گھر چکا تھا۔ اور اسلام نے اس کے دل کی اندھیری کوٹھری کو اپنے نور سے منور کر دیا تھا۔ اس نے مدرسہ میں جا کر ایک مولوی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور چپکے چپکے نماز سیکھنے لگی اور وقتاً فوقتاً نماز پڑھنے لگی۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ شرک کے اندھیرے گھرانے میں گھٹن محسوس کرنے لگی۔ وہ بالکل اداس اداس رہنے لگی ہر وقت ہنسنے والی لڑکی ایسی ہوگئی جیسے اس کا سب کچھ بدل گیا ہو۔ پھر وہ کسی طرح پروگرام بنا کر گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ ایک مولوی صاحب اس کو اپنی بیوی کے ساتھ پھلت چھوڑ آئے۔ کچھ دن مولوی کلیم احمد صدیقی کے گھر رہی پھر مولوی صاحب نے اس کو احتیاط کے طور پر دہلی اپنی بہن کے گھر بھیج دیا۔ وہاں اسے بہت ہی مناسب ماحول ملا اسے اپنے گھر والوں خصوصاً اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ اس کی ماں

Marfat.com

بہت بیمار رہتی تھی۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ماں مرگئی ہے۔ آنکھ کھلی تو ماں کی بہت یاد آئی اگر ایمان کے بغیر اس کی ماں مرگئی تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر رونے لگی اور اسکی چیخیں نکل گئی۔ گھر کے سبھی لوگ اٹھ گئے اس کو سمجھایا تسلی دیا۔ وقتی طور پر وہ چپ ہو گئی مگر بار بار وہ خواب یاد کرکے روتی تھی۔ بار بار وہ ماں کو یاد کرتی اور گھر جانے کی اجازت مانگتی مگر مولوی صاحب سمجھاتے کہ تمہارے گھر والے تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور پھر تمہیں ہندو بنالیں گے۔ ایمان کے خطرہ سے رک جاتی مگر جب گھر کی یاد آتی تو گھر جانے کی ضد کرنے لگتی۔ بہت مجبور ہوکر مولوی صاحب نے اس کو اجازت دے دی۔ مگر سمجھایا کہ تم اپنے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دینے کی نیت سے گھر جاو۔ اور واقعی اگر تمہیں اپنے گھر والوں سے محبت ہے تو اس محبت کا سب سے ضروری حق یہ ہے کہ تم ان کو اسلام کی دعوت دو اور انکو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ ہیرا (جس کا نام اب حرا ہو چکا تھا) نے کہا کہ وہ تو اسلام کے نام سے ہی چڑھتے ہیں وہ ہرگز اسلام نہیں قبول کرسکتے۔ مولوی صاحب نے اس سے کہا تم بھی تو اسلام سے اسی طرح چڑھتی تھی جس طرح اب شرک سے نفرت کرتی ہو۔ اللہ سے دعا کرو اور مجھ سے عہد کرو کہ تم گھر اپنی ماں اور گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر میں جارہی ہو اگر تم اس نیت سے جاوگی تو اللہ تعالی تمہاری حفاظت کریں گے اور اگر تکلیف بھی ہوئی تو وہ تکلیف ہوگی جو ہمارے رسول کی اصل سنت ہے۔ وہ دہلی سے پھلت اور پھر ہمارے گھر آ گئی۔ ہم اسے دیکھ کر آگ بگولہ ہوگئے۔ میں نے اسے جوتوں اور لاتوں سے مارا۔ اس نے یہ تو نہیں بتایا کہ کہاں رہی؟ البتہ یہ بتایا کہ وہ مسلمان ہوگئی ہے اور اب اسے اسلام سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ ہم اس پر سختی کرتے تو الٹا ہمیں مسلمان ہونے کو کہتی۔ اس کی ماں بہت بیمار تھی۔ دو مہینے کے بعد وہ مرگئی تو وہ اس کو دفن کے لیے مسلمانوں کو دینے کو کہتی اور یہ کہتی رہی کہ میری ماں نے میرے سامنے کلمہ پڑھا ہے۔ اب روز ہمارے گھر میں ایک فساد ہونے لگا کبھی وہ بھائیوں کو مسلمان ہونے کو کہتی تو کبھی باپ کو ہم لوگوں نے اسے میرٹھ اس کے ننیھال میں پہنچادیا۔ اس کے ماموں بھی اس کی مسلمانیت سے عاجز آگئے اور انہوں نے اسکے والد کو اور مجھے بلایا کہ اسے ہمارے یہاں سے لے جاو، ہم لوگ روز روز کے جھگڑوں سے عاجز

Marfat.com

آ گئے ہیں۔ اب میں نے بجرنگ دل کے ذمہ داروں سے مشورہ کیا سب نے اسے مار ڈالنے کا مشورہ دیا۔ میں اسے گاؤں لے آیا ایک دن جا کر ندی کے کنارے پانچ فٹ گہرا گڑھا کھودا۔ میں اور میرے بڑے بھائی (حرا کے والد) بوا کے گھر کے بہانے اس کو لے کر نکلے۔ اسے شاید اصل حقیقت کا علم ہو چکا تھا وہ نہائی، نئے کپڑے پہنی اور ہم سے کہا کہ چچا! آخری نماز پڑھنے دو جلدی سے نماز پڑھی اور خوشی خوشی دلہن سی بن کر ہمارے ساتھ چل دی۔ کس دل سے پوری کروں یہ داستان؟ مگر پوری تو کرنی ہے، میرے تھیلے میں پانچ لیٹر پٹرول تھا۔ ہم اس کو لیکر اس گڑھے کے پاس پہنچے جو ایک دن پہلے پروگرام کے تحت کھودا گیا تھا۔ مجھ جیسے درندہ صفت چچا نے یہ کہہ کر اس پھول سی بچی کو اس گڑھے میں دھکا دے دیا کہ تو ہمیں جہنم کی آگ سے کیا بچائے گی تو خود نرک کا مزہ چکھ۔ گڑھے میں دھکا دیکر میں نے اس کے اوپر سارا پٹرول ڈال دیا اور ماچس جلا دیا۔ میرے بھائی (حرا کے والد) بس روتے ہوئے اس کو کھڑے دیکھتے رہے جلتی ہوئی ماچس کی تیلی جب اس پر لگی تو آگ اس کے نئے کپڑوں میں بھڑک اٹھی اس حال میں اس نے ہاتھ آسمان کے طرف اٹھائی اور چیخی: میرے اللہ! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں نا! میرے اللہ! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں نا! میرے اللہ! آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں نا! اپنی حرا سے بہت پیار کرتے ہیں نا ہاں میرے اللہ! آپ غار حرا سے بھی محبت کرتے ہیں اور گڑھے میں جلتی حرا سے بھی محبت کرتے ہیں نا آپ کی محبت کے بعد مجھے کسی کی محبت کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد اس نے زور زور سے کہنا شروع کیا: ابا! اسلام ضرور قبول کر لینا مسلمان ضرور ہو جانا چاچا! مسلمان ضرور ہو جانا اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں بھائی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر چلا آیا۔ بھائی صاحب مجھ سے کہتے رہے کہ ایک بار اور سمجھا کر دیکھ لیتے۔ مجھے ان پر غصہ آیا۔ بعد میں واپس آتے ہوئے ہم نے گڑھے کے اندر سے زور زور سے لاالہ الا اللہ کی آوازیں آتی سنی ہم اپنے مذہبی فریضے کو ادا کر کے چلے آئے مگر اس کے ایمان ویقین میں ڈوبے آخری الفاظ میرے پتھر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر گئے۔ حرا کے والد آ کر بیمار ہو گئے ان کے دل میں صدمہ سا بیٹھ گیا اور یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ مرنے کے دو دن پہلے انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ میں نے زندگی میں جو کچھ کیا مگر اب میری

Marfat.com

موت ہیرا کے دھرم پر جائے بغیر نہیں ہو سکتی۔ تم کسی مولوی کو بلا لاؤ۔ میں بھی بھائی صاحب کی حال کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ میں مسجد کے امام صاحب کو لے آیا۔ انہوں نے ان کو کلمہ پڑھا کر ان کا نام عبد الرحمٰن رکھا۔ بھائی صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجھے مسلمانوں کی طرح مٹی دینا۔ میرے لیے یہ بہت مشکل تھا مگر میں نے بھائی کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے ان کو علاج کے بہانے دہلی لے گیا وہاں ایک ہاسپٹل میں داخل کیا۔ اسپتال میں ہی انکی موت ہوئی۔ وہ بہت اطمینان سے مرے۔ ہمدرد کے ایک ڈاکٹر کو یہ حال سنایا تو انہوں نے کچھ مسلمانوں کو بلا کر انکے دفن کا انتظام کیا۔ مگر بھائی کے مسلمان ہو کر مرنے کا مجھے بہت دکھ تھا اور یہ یقین ہو گیا کہ میری بھابھی بھی مسلمان ہو گئی ہو گی۔ مجھے ایسا لگا کہ کسی مسلمان نے میرے گھر پر جادو کر دیا ہے اور وہ دلوں کو باندھ رہا ہے کہ ایک ایک کر کے سب اپنے دھرم کو چھوڑ کر مسلمان ہو کر مر رہے ہیں۔ اس تعلق سے میں نے بہت سے جیوتشیوں سے بات کی۔ میں ایک تانترک کی تلاش میں شاملی سے اون جا رہا تھا، بس میں سوار ہوا تو بس کسی مسلمان کی تھی اور ڈرائیور بھی مسلمان تھا۔ اس نے ٹیپ میں قوالی چلا رکھی تھی بڑھیا نام کی قوالی تھی۔ اس میں ہمارے نبی اکو ایک بڑھیا کے ستانے لیکن آپ کا اس کے ساتھ اچھے سلوک، اس کو سمجھانے اور پھر بڑھیا کے مسلمان ہو جانے کا قصہ تھا۔ اسپیکر میرے سر پر ہی تھا۔ اس قوالی نے میری سوچ ہی بدل دی۔ مجھے خیال ہوا کہ جس نبی کا یہ قصہ ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ میں اون کے بجائے جھنجھانہ اتر گیا۔ اور خیال ہوا کہ مجھے اسلام کے بارے میں پڑھنا چاہیے اس کے بعد شاملی کی بس میں بیٹھ گیا۔ اس میں بھی ٹیپ بج رہا تھا۔ پاکستان کے مولانا قاری حنیف صاحب کی تقریر تھی مرنے اور مرنے کے بعد کے حالات پر تقریر مشتمل تھی۔ مجھے شاملی اترنا تھا مگر تقریر ابھی مکمل نہ ہوئی تھی شاملی بس اسٹاپ پر پہنچ کر ڈرائیور نے ٹیپ بند کر دیا۔ میں نے تقریر سننے کے لیے مظفر نگر کا ٹکٹ لے لیا مگر بگھرا پہنچ کر وہ تقریر ختم ہو گئی۔ اس تقریر نے اسلام سے میرے فاصلے کو بہت کم کر دیا۔ میں بڑھانہ روڈ پر اتر کر گھر جانے کے لیے دوسری بس میں سوار ہو گیا۔ اس بس میں مجھ سے قریب ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے ان سے میں نے کہا کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ پڑھنا چاہتا ہوں اور اسلام کے بارے میں معلومات

حاصل کرنا چاہتا ہوں آپ اس سلسلہ میں میری مدد کریں انہوں نے کہا آپ پھلت جا کر مولوی کلیم صدیقی سے ملیں ۔ میں نے پھلت کا پتہ معلوم کیا اور گھر جانے کے بجائے پھلت پہنچا۔ مولوی کلیم صدیقی موجود نہیں تھے اگلے روز صبح کو آنے والے تھے۔ رات کو ایک ماسٹر صاحب نے مجھے مولوی کلیم صدیقی کی کتاب آپ کی امانت آپ کی سیوا میں دیا ۔اس کتاب کی زبان اور دل کو چھو لینے والی باتوں نے مجھے شکار کرلیا۔ مولوی صاحب صبح سویرے کے بجائے اگلے دن شام کو پھلت آئے ۔ میں نے مغرب کے بعد ان سے مسلمان ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا میں اسلام کے بارے میں معلومات کرنے آیا تھا مگر آپ کی امانت نے مجھے شکار کرلیا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے ۔ جنوری کو مجھے کلمہ پڑھایا اور میرا نام عبداللہ رکھا۔ رات کو میں وہی رکا میں نے مولوی صاحب سے ایک گھنٹے کا وقت مانگا۔ اور اپنے ظلم و بربریت کے ننگے ناچ کی کہانی سنائی۔ مولوی صاحب نے مجھے تسلی دی کہ اسلام پچھلے سارے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ مگر میرے دل کو اطمینان نہ ہوا کہ اس درجہ سفاکی اور بربریت کو کس طرح معاف کیا جا سکتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے کہتے رہے کہ قبول اسلام سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنے دل کے اطمینان کے لیے اب کچھ مسلمانوں کی جان بچانے کی کوشش کریں ۔ قرآن کا فرمان ہے کہ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں (اِن ال حسناتِ یذھب ن السیئات) میں اپنے دل کی تسلی کے لیے کوشش کرتا ہوں کہ کسی حادثہ میں یا بیماری میں کوئی مسلمان مر رہا ہے تو اسے بچاوں۔ میں نے گاؤں کے مکانات اور زمینیں سستے داموں میں فروخت کی اور دہلی میں مکان لیا۔ بیوی اور دو بھتیجیوں اور حرا کی بہن کو تیار کیا اور پھلت لے جا کر کلمہ پڑھوایا۔ میرا دل ہر وقت اس غم میں ڈوبا رہتا ہے کہ اتنے سارے مسلمانوں اور پھول سی بچی کا سفاکی سے قتل کرنے والا کس طرح معافی کا مستحق ہے۔ مولوی صاحب نے مجھے قرآن شریف پڑھنے کو کہا اور خاص کر سورہ بروج کو بار بار پڑھنے کو کہا اب مجھے وہ زبانی یاد ہے، مجھے ایسا لگا کہ غیب کے جاننے والے اللہ نے اس میں ہمارا ہی نقشہ کھینچا ہے۔ (سور البروج:) اس سورہ کو پڑھیں اور حرا کی تڑپا دینے والی آخری صداوں پر غور کریں۔

Marfat.com

ایک نومسلمہ انگریز خاتون کی کہانی علامہ اقبال کی زبانی

لیڈی بارنس کا قبول اسلام عجیب واقعہ ہے۔ وہ ایک نومسلم انگریز فوجی کی بیوی تھیں۔ چند سال پہلے کا ذکر ہے یہ دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں ملوث ہو کر علامہ اقبال کے پاس آئے۔ چوں کہ الزامات سراسر جھوٹے تھے اس لیے عدالت نے ان دونوں کو باعزت بری کر دیا۔ چوں کہ وکالت کے فرائض علامہ اقبال نے انجام دیے تھے اس لیے چند روز بعد لیڈی بارنس شکریہ ادا کرنے کے لیے لاہور علامہ اقبال کے پاس تشریف لائیں۔ اس وقت علامہ اقبال نے سوال کیا لیڈی صاحبہ! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی اسباب کیا ہیں؟ مسلمانوں کے ایمان کی پختگی ڈاکٹر صاحب! لیڈی بارنس نے جواب دیا۔ لیڈی صاحبہ! میں نہیں سمجھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ میں نے پوچھا۔ لیڈی صاحب نے وضاحت میں واقعہ سنایا۔ ڈاکٹر صاحب میں نے دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو۔ بس اسی چیز نے مجھے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا ہے۔ لیڈی نے اپنا نظریہ پیش کر کے تھوڑا سا تامل فرمایا اور کہا: ڈاکٹر صاحب میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی۔ میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ بوڑھا مسلمان ملازم تھا۔ اس بوڑھے کا فرزند نہایت ہی خوب صورت نوجوان تھا۔ مہلک بیماری میں جب یہ لڑکا چل بسا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ میں بوڑھے کے پاس تعزیت کے لیے گئی۔ اسے تسلی دی اور دلی رنج وغم کا اظہار کیا۔ بوڑھا نہایت غیر موثر حالت میں میرے تعزیتی الفاظ سنتا رہا اور جب میں غم کی باتیں ختم کر چکی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا: میم صاحبہ! یہ خدا کی تقدیر ہے خدا کی امانت تھی خدا لے گیا۔ اس میں غم

ہونے کی کیا بات ہے ہمیں تو ہر حال میں خدائے غفور کا شکر ادا کرنا ہے۔ لیڈی بارنس اتنا کہہ کر رک گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا انہوں نے کوئی بہت بڑا معجزہ بیان کیا ہے اور اب وہ زبان حال سے مجھ سے یہ مطالبہ کر رہی تھیں کہ میں بھی ان کے ساتھ مل کر حیرت کا اظہار کروں۔ میں نے کہا لیڈی صاحبہ پھر؟ لیڈی نے پھر اپنا قصہ شروع کیا اور کہا: ڈاکٹر صاحب بوڑھے کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا ہمیشہ کے لیے میرے دل میں پیوست ہو گیا۔ میں بار بار اس کے الفاظ پر غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ الٰہی اس دنیا میں اس قسم کے صابر شاکر اور مطمئن دل بھی موجود ہیں۔ مجھے بڑی کاوش یہ تھی کہ بوڑھے نے ایسا پر استقامت دل کیسے پایا؟ اسی غرض سے میں نے پوچھا کیا مرحوم کے اہل و عیال بھی تھے؟ وہ کہنے لگا ایک چھوٹا بچہ اور ایک بیوی ہے۔ بوڑھے کے اس جواب نے میری حیرت کم کر دی۔ میں نے بوڑھے کے اطمینان قلب کی یہ تاویل کی کہ چوں کہ پوتا موجود ہے اس واسطے وہ اس کی زندگی اور محبت کا سہارا ہوگا لیکن ڈاکٹر صاحب میں نے اس تاویل سے اگرچہ اپنے دماغ کو پرچا لیا مگر میرے دل کو اطمینان نہ ہوا اور میں برابر اس پڑتال میں لگی رہی کہ کسی طرح اپنے بوڑھے ملازم کی صحیح کیفیت سمجھوں۔ اس واقعے کے تھوڑے ہی دن بعد یتیم بچے کی ماں بھی چل بسی۔ اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔ بوڑھے کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا مگر ٹھیک اسی وقت میری وہ قدیم تڑپ بھی جاگ اٹھی اور میں نے خیال کیا کہ بوڑھے کے امتحان کا اصل وقت یہی ہے۔ میرے دل پر اس کی طویل خدمت گزاریوں کا اثر تھا۔ اس کے نوجوان فرزند کی وفات کے بعد اب اس کی بہو کی موت اور اس کے پوتے کی یتیمی نے اس اثر کو اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا لیکن اس فطری اور رسمی ہمدردی اور دل سوزی کے علاوہ اصل چیز جو میری دلچسپیوں کا حقیقی مرکز تھی یہ تھی کہ میں بوڑھے کی کیفیت قلب کا صحیح اندازہ کروں؟ میں دوسرے دن بوڑھے کے گاؤں روانہ ہوئی جو بالکل قریب ہی تھا۔ اس وقت تک جذبات و تخیلات کی ایک بے تاب کائنات میرے ہم کاب تھی مین ہر قدم پر یہ خیال کرتی تھی کہ اس تازہ مصیبت نے بوڑھے کے دل کی حالت کو بدل دیا ہوگا۔ وہ کبھی اپنے ضعیف اور حال زار پر غور کرتا ہوگا پھر اپنے یتیم پوتے کی کم سنی کو دیکھتا ہوگا اور غم میں ڈوب جاتا ہوگا۔ دوسرے ہی قدم پر یہ سوچنے لگتی تھی کہ جب اس کا

معصوم کمسن اور لاوارث پوتا ماں باپ کے فراق میں بلبلائے گا تو وہ کس طریقے سے اس کے اور اپنے دل کو تسلی دے گا؟ وہ اس کی آنسوؤں کی جوابدہی سے کیونکر عہدہ برآ ہوگا؟ ضعیفی اور اپنے پوتے کے تاریک مستقبل پر کیا پردہ ڈالے گا؟ ان تمام سوالات نے میرے دل اور دماغ کے لیے جو فیصلہ کیا یہ تھا کہ بوڑھے کا وہ پہلا صبر واستقامت ختم ہو چکا ہوگا۔ میں اسی فیصلے کو ساتھ لے کر بوڑھے کے گھر میں داخل ہوئی اور اس کی تازہ مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ وہ نہایت امن وسکون سے میری دردمندانہ باتیں سنتا رہا لیکن جب اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر انگلی آسمان کی طرف اٹھادی اور کہا میم صاحبہ ! خدا کی تقدیر میں کوئی شخص دم نہیں مار سکتا۔ اسی نے دیا تھا اور وہی لے گیا ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ لیڈی بارنس بوڑھے کے الفاظ نقل کرنے کے بعد پھر رکیں گویا وہ مجھ سے ان الفاظ کی داد طلب کر رہی تھیں۔ انہوں نے تھوڑا تامل کیا ایسا تامل جس میں ایک قسم کی محویت ملی ہوئی تھی اور اس سلسلہ میں کلام پھر شروع کیا اور کہا: ڈاکٹر صاحب میں جب تک بوڑھے کے پاس بیٹھی رہی اس کے سینے سے آہ نکلی نہ آنکھ سے آنسو گرے اور نہ زبان پر افسوس کا لفظ آیا۔ وہ اس طرح اطمینان سے باتیں کرتا تھا گویا اس نے اکلوتے بیٹے اور بہو کو زمین میں دفن نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کا کوئی بڑا فرض ادا کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے واپس آ گئی۔ میں بوڑھے کی پختگی ایمان پر حیرت زدہ تھی۔ میں بار بار غور کرتی تھی اور تھک جاتی تھی مگر مجھ پر یہ معما حل نہیں ہوتا تھا کہ اس پریشانی میں کسی انسان کو یہ استقامت حال کیسے نصیب ہوسکتی ہی؟ چند روز بعد اس کا معصوم پوتا بھی گزر گیا۔ اس اطلاع کے بعد میں نے اپنی تمام فکری تاویلات کو نئے سرے سے اپنے دماغ میں جمع کیا تاکہ اس کے حال کا اندازہ کروں۔ میں بڑی بے قراری کے عالم میں اس کے پاس گاوں پہنچی۔ مجھے یقین تھا کہ اب لاوارث بوڑھا اپنی تمام دنیا کو ختم کر چکا ہوگا۔ اس کے حواس ہوش سے بے گانہ ہوں گے۔ اس کا دل و دماغ مقفل ہوگا اور یاس اس کی امید کے تمام رشتے منقطع کر چکی ہوگی۔ یہی توقعات ساتھ لے کر میں بوڑھے کے مکان میں داخل ہوئی اور نہایت ہی دل سوزی سے اس کے مصائب پرغم کا اظہار کیا۔ مجھے یہ معلوم کر کے بے حد حیرت ہوئی کہ میرے اظہار افسوس کا بوڑھے

Marfat.com

کے دل پر کچھ بھی اثر نہ تھا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے بیٹھا تھا اور نہایت ہی غیر متاثر حالت میں میری گفتگو سن رہا تھا۔ جب میری گفتگو ختم ہوگئی تو اس نے زبان کھولی پہلے کی طرح پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور کہا: میم صاحبہ یہ خدا کی حکمت کے کھیل ہیں۔ اس نے دیا تھا واپس لے لیا۔ اس میں ہمارا کیا تھا جس پر ہم اپنے دل کو برا کریں بندے پر ہر حال میں اپنے خدا کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ ہم مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں۔ اب لیڈی بارنس درد دل کی کیفیتوں سے لبریز تھیں۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور روتی ہوئی آواز میں کہا ڈاکٹر صاحب بوڑھے کا یہ جواب میرے لیے قتل کا پیغام تھا اس کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور تیر بن کر میرے دل کو کرید رہی تھی۔ اس وقت میں نے اس مرد ضعیف کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کے لیے اپنا سر جھکا دیا۔ مجھے یقین حاصل ہوگیا کہ یہ اطمینان قلب مصنوعی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ میں نے کہا اے میرے بوڑھے باپ اب تم اکیلے اس گاوں میں رہ کر کیا کرو گی؟ میرے ساتھ ہوٹل میں چلو اور آرام سے زندگی بسر کرو۔ بوڑھے نے میری اس دعوت کا شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل میں چلا آیا۔ یہاں وہ دن بھر ہوٹل کی خدمت کرتا اور رات کو خدا کی یاد میں مصروف ہو جاتا۔ کچھ عرصے بعد اس نے کہا میں آج قبرستان جاوں گا۔ میرے دل میں پھر وہی امتحان لینے کی لگن پیدا ہوئی۔ دل نے کہا یہ دیکھنا چاہیے کہ وہاں اس کے صبر و تحمل پر کیا گزرتی ہی؟ بوڑھا ہوٹل سے نکل کر اس خاموش اور ویران مقام کی طرف آیا جہاں اس کے تینوں عزیز مدفون تھے۔ میں ایک طرف کھڑی ہوگئی اور وہ قبرستان پہنچتے ہی پریشان حال قبروں کو درست کرنے میں مصروف ہوگیا۔ وہ مٹی کھود کھود کر لاتا اور قبروں کو درست کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ پانی لے آیا اور ان پر چھڑکاو کرنے لگا۔ جب قبریں درست ہوگئیں تو بڑھے نے وضو کیا ہاتھ اٹھائے اور اہل قبرستان کے حق میں دعا کی اور واپس چل دیا۔ میں نے اس تمام عرصے میں نہایت احتیاط سے اس کی تمام حرکات کو دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور اور ایمان کی پختگی جلوہ گر ہے۔ اب میرے دل پر ایک غیبی نشتر چلا اور مجھے محسوس ہوا کہ یہ بوڑھے کی خوبی نہیں بلکہ یہ اس دین حق کی خوبی ہے جس کا یہ بوڑھا پیرو ہے۔ میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کرلیا اور ہوٹل میں پہنچ کر اس

Marfat.com

مرد بزرگ سے کہا کہ وہ کوئی ایسی عورت بلا لائے جو مجھے اسلام کی تعلیم دے۔ وہ فی الفور اٹھا اور اپنے مولانا صاحب کی لڑکی کو بلا لایا۔ اس نے مجھے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کا سبق سکھایا۔ ڈاکٹر صاحب اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے مسلمان ہوں اور وہی عظیم الشان قوتِ ایمان جس سے کہ بوڑھے کا دل سرشار تھا اپنے سینے میں موجود پاتی ہوں۔ اب مجھے اپنے خدا پر اسقدر پختہ ایمان ہے کہ خواہ کس قدر بھی مصیبت آئے میرے قدموں کو کبھی لغزش نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆☆☆

لندن: بیس پیسے کی ایمانداری سے

سفید فام خاتون امام مسجد کی بیوی بن گئی

میرا نام محمد اسحاق ہے اور میں لندن کے مضافات میں ایک مسجد کا امام ہوں۔ سالوں پہلے کی بات ہے میں پاکستان میں روزگار کے لئے دھکے کھا رہا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے مجھے لندن جانے کا راستہ دکھایا۔ دراصل ہوا یہ کہ میں کراچی میں ایک صاحب کے بچوں کو گھر پر قرآن پاک پڑھانے جاتا تھا۔ یہ برطانوی شہری تھے اور لندن میں ان کے کافی رشتہ دار موجود تھے۔ انہیں وہاں اپنی مسجد کے لئے ایک امام کی ضرورت پڑی تو اپنے بھائی سے کہا کہ پاکستان سے کوئی اچھا سا عالم دین بھیج دیں اور اس طرح میری لاٹری کھل گئی اور میں لندن پہنچ گیا۔

مجھے روزانہ گھر سے مسجد جانے کیلئے بس پر سوار ہونا پڑتا تھا۔

لندن پہنچنے کے ہفتوں بعد، لگے بندھے وقت اور ایک ہی روٹ پر بسوں میں سفر کرتے ہوئے کئی بار ایسا ہوا کہ بس بھی وہی ہوتی تھی اور بس کا ڈرائیور بھی وہی ہوتا تھا۔ اب جو میں بتانے جا رہا ہوں وہ بلکل سچا واقعہ ہے اور میرے ساتھ پیش آیا۔

ایک مرتبہ میں بس پر سوار ہوا، ڈرائیور کو کرایہ دیا اور باقی کے پیسے لیکر ایک نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔ سفید فام خاتون ڈرائیور کے دیئے ہوئے باقی کے پیسے جیب میں ڈالنے سے قبل دیکھے تو پتہ چلا کہ بیس پنس زیادہ آ گئے ہیں۔

میں سوچ میں پڑ گیا، پھر اپنے آپ سے کہا کہ یہ بیس پنس اترتے ہوئے خاتون

Marfat.com

ڈرائیور کو واپس کر دیں گے کیونکہ یہ ان کا حق نہیں بنتے۔ پھر ایک سوچ یہ بھی آئی کہ بھول جا ان تھوڑے سے پیسوں کو، اتنے تھوڑے سے پیسوں کی کون پرواہ کرتا ہے!!!

ٹرانسپورٹ کمپنی ان بسوں کی کمائی سے لاکھوں پاؤنڈ کماتی بھی تو ہے، ان تھوڑے سے پیسوں سے ان کی کمائی میں کیا فرق پڑ جائے گا؟ اور میں ان پیسوں کو اللہ کی طرف سے انعام سمجھ کر جیب میں ڈالتا ہوں اور چپ ہی رہتا ہوں ویسے بھی میں غریب ہوں اور ان پیسوں پر میرا حق ہے۔

بس میرے مطلوبہ سٹاپ پر رکی تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ نہیں یہ رقم میں نہیں رکھ سکتا اور یہ میرے لئے اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ میں حرام کھاتا ہوں یا نہیں۔

میں نے اترنے سے پہلے خاتون ڈرائیور کو بیس پنس واپس کرتے ہوئے کہا؛ یہ لیجئے بیس پنس، لگتا ہے آپ نے غلطی سے مجھے زیادہ دے دیئے ہیں۔

خاتون ڈرائیور نے بیس پنس واپس لیتے ہوئے مسکرا کر امام صاحب سے پوچھا؛ کیا آپ اس علاقے کی مسجد کے نئے امام ہیں؟ میں بہت عرصہ سے آپ کو دیکھ رہی ہوں اور کچھ لوگوں سے آپ کے بارے میں پوچھا بھی تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ ہاں میں ہی اس علاقے کی مسجد کا نیا امام ہوں۔ اس پر وہ بولی کہ میں آپ کی مسجد میں آ کر اسلام کے بارے میں معلومات لینا چاہ رہی تھی کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہوگا۔ یہ بیس پنس میں نے جان بوجھ کر تمہیں زیادہ دیئے تھے تاکہ تمہارا اس معمولی رقم کے بارے میں رویہ پرکھ سکوں اور یہ جان سکوں کہ تم کتنے ایماندار ہو۔ اگر تم بیس پنس کے معاملے میں بے ایمانی کرتے تو پھر مذہب اور عقیدے اور خدا کے بارے میں تم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ایماندار ہو اور میں تم سے روحانی رہنمائی لے سکتی ہوں۔ میں نے اسے جیسے تیسے کر کے مسجد آنے کا وقت بتایا اور بس سے نیچے اتر آیا۔

جیسے ہی بس سے نیچے اترا، مجھے ایسے لگا جیسے ٹانگوں سے جان نکل گئی ہے، گرنے سے بچنے کیلئے ایک کھمبے کا سہارا لیا، آسمان کی طرف منہ اٹھا کر روتے ہوئے دعا کی، یا اللہ مجھے معاف کر دینا، میں ابھی اسلام کو بیس پنس میں بیچنے لگا تھا۔ اگر اس ایک لمحے میں مجھ پر شیطان غالب آ جاتا تو آج ایک سفید فام انگریز خاتون میرے فعل کو اسلام سے جوڑ کر

Marfat.com

اسے ہی غلط سمجھ بیٹھتی۔ مجھے ایسے لگا کہ شاید میں مر گیا تھا اور جہنم کے دروازے سے اچانک ہی مجھے واپس بلا لیا گیا ہو۔

جب میں مسجد پہنچا تو شدید سردی میں بھی پسینے سے شرابور تھا اور مسجد کے ساتھیوں نے میری پیشانی سے پسینہ بہتے دیکھ خیریت پوچھی مگر میں انہیں کیا بتاتا۔ بہر حال بعد میں وہ انگریز خاتون ڈرائیور میرے پاس آئی اور کئی بار آئی۔ کچھ ماہ بعد اس نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ پھر میں نے اسے نکاح کی اہمیت کے بارے میں بتایا تو اس نے براہ راست مجھ سے سوال کر لیا۔ کیا تم مجھ سے نکاح کرو گے؟ میں اسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ کس طرح حضرت خدیجہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ یہ واقعہ میں نے اسے عورتوں کی اسلام میں آزادی اور حقوق کے حوالے سے سنایا تھا اور اب وہ خود میرے سامنے شادی کی پیشکش کر رہی تھی۔ گو کہ میں شادی شدہ تھا اور میری بیوی بھی میرے ساتھ ہی لندن میں رہتی تھی مگر میں نے اسے سوچنے کی مہلت دینے کو کہا میں نے اپنی بیوی اور ساتھیوں سے مشورہ کیا تو سب نے یہی کہا کہ مجھے یہ پیشکش اسلام کے لئے قبول کر لینی چاہیے اور میں نے اگلے دن ایسا ہی کیا۔ یہ تقریباً دس سال قبل کی بات ہے اور اب تو میرے اس سفید فام نومسلم بیوی سے چار بچے بھی ہیں۔ اگر کبھی آپ لندن میں بس سے سفر کریں اور اس کی سفید فام خاتون ڈرائیور کو اچھی طرح اسکارف اوڑھے دیکھیں تو سمجھ جائے گا کہ وہ میری ہی بیوی ہے۔ ہم دونوں کی ہی عمر اب چالیس سال ہو چکی ہے اور بہت جلد میری بیوی بس ڈرائیور کی ملازمت چھوڑ کر اسلامی کتب کی ایک دکان کھولنے والی ہے۔ اگر آپ لندن میں رہتے ہیں تو ہماری دکان پر ضرور آئے گا اس رمضان میں۔ ہاں ایک بات اور، میں نے اپنی اس سفید فام بیوی کو آج تک نہیں بتایا کہ کرائے کی بیس پنس ہضم کرنے کے لئے میں بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ آپ بھی انہیں مت بتائے گا۔

والسلام

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ڈنمارک کی خاتون ہاکی اسٹار بریٹنی
جسے دیکھ کر بھارتی ہاکی اسٹار مسلمان ہوگئی

اصل میں، میں ہریانہ کے سونی پت ضلع کے ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں ہمارے گھر میں سبھی مرد پڑھے لکھے ہیں اور اکثر کبڈی کھیلتے رہتے ہیں، میں نے اسکول میں داخلہ لیا شروع سے کلاس میں ٹاپ کرتی رہی، سی بی ایس ای بورڈ میں میری ہائی اسکول میں گیارہویں پوزیشن رہی، مجھے شروع سے مردوں سے آگے نکلنے کا شوق تھا، اس کے لئے میں نے اسکول میں ہاکی کھیلنا شروع کی، پہلے ضلع میں نویں کلاس میں سلیکشن ہوا، پھر ہائی اسکول میں ہریانہ اسٹیٹ کے لئے لڑکیوں کی ٹیم میں میرا اسلیکشن ہوگیا، بارہویں کلاس میں بھی میں نے اسکول ٹاپ کیا اور سی بی ایس ای بورڈ میں میرا نمبر اٹھارہواں رہا، اسی سال میں انڈیا ٹیم میں سلیکٹ ہوگئی، عورتوں کے ایشیا کپ میں بھی کھیلی اور بہت سے ٹورنامنٹ میری کارکردگی کی وجہ سے جیتے گئے، اصل میں ہاکی میں بھی سب سے زیادہ ایکٹیو رول سنٹر فارورڈ کھلاڑی کا ہوتا ہے، یعنی سب سے آگے درمیان میں کھیلنے والے کھلاڑی کا، میں ہمیشہ سنٹر فارورڈ میں کھیلتی رہی، اصل میں بس مردوں سے آگے بڑھنے کا جنون تھا، مگر روزانہ رات کو میرا جسم مجھ سے شکایت کرتا تھا، کہ یہ کھیل عورتوں کا نہیں ہے، مالک نے اپنی دنیا میں ہر ایک کے لئے الگ کام دیا ہے، ہاتھ پاؤں بالکل شل ہوجاتے تھے، مگر میرا جنون مجھے دوڑاتا تھا اور اسپر کامیابی اور واہ واہ اپنے نیچر کے خلاف دوڑنے پر مجبور کرتی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے تو میرا نام پریتی تھا، میرا نام ابھی عفیفہ کچھ ماہ پہلے

Marfat.com

رکھا ہے۔ میرے والد ایک اسکول چلاتے ہیں اس کے پرنسپل ہیں، وہ سی بی ایس ای بورڈ کا ایک اسکول چلاتے ہیں، میرے ایک بڑے بھائی اس میں پڑھاتے ہیں، میری بھابھی بھی پڑھاتی ہیں، وہ سب کھیل سے دل چسپی رکھتے ہیں، میری بھابھی بیڈمنٹن کی کھلاڑی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اب ایسے آزاد ماحول میں زندگی گذارنے کے بعد ایسے پردہ میں رہنا مجھے کو کیسا لگتا ہے؟ انسان اپنے نیچر سے کتنا دور ہو جائے، اور کتنے زمانہ تک دور رہے، جب اس کے نیچر کی طرف آنا ملتا ہے، وہ کبھی اجنبیت محسوس نہیں کرے گا، وہ ہمیشہ فیل کرے گا کہ اپنے گھر لوٹ آیا، اللہ نے انسان کو بنایا، اور عورتوں کی نیچر بالکل الگ بنائی، بنانے والے نے عورت کا نیچر چھپنے اور پردہ میں رہنے کا بنایا، اسے سکون و چین لوگوں کی ہوس بھری نگاہ سے بچے رہنے میں ہی مل سکتا ہے، اسلام دین فطرت ہے، جس کے سارے حکم انسانی نیچر سے میل کھاتے ہیں، مردوں کے لیے مردوں کے نیچر کی بات، اور عورتوں کے لیے عورتوں کے نیچر کی بات۔ میری تاریخ پیدائش 6 جنوری ہے، گویا میں بائیس سال کی ہونے والی ہوں۔ مجھے مسلمان ہوئے ساڑھے چھ مہینے کے قریب ہوئے ہیں۔ گھر میں میرے اتنے بڑے فیصلے پر مخالفت ہوئی اور خوب ہوئی، مگر سب جانتے ہیں کہ عجیب دیوانی لڑکی ہے، جو فیصلہ کر لیتی ہے پھرتی نہیں، اس لیے شروع میں ذرا سختی کی، مگر جب اندازہ ہو گیا کہ میں دور تک جا سکتی ہوں تو سب موم ہو گئے۔ اب ہاکی میں نے چھوڑ دی ہے۔

اس پر تو گھر والوں کو بہت ہی احساس ہوا ہو گا مگر میرا فیصلہ مجھے لینے کا حق تھا میں نے لیا، اور میں نے اپنے اللہ کا حکم سمجھ کر لیا، اب اللہ کے حکم کے آگے بندوں کی چاہت کیسے ٹھہر سکتی ہے۔ آدمی کو ڈھل مل نہیں ہونا چاہئے، اصل میں آدمی پہلے یہ فیصلہ کرے کہ میرا فیصلہ حق ہے کہ نہیں، اور اگر اس کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو پہاڑ بھی سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ میں ہریانہ کے اس علاقہ کی رہنے والی ہوں جہاں کسی ہندو کا مسلمان ہونا تو دور کی بات ہے، ہمارے چاروں طرف کتنے مسلمان ہیں جو ہندو بنے ہوئے ہیں، خود ہمارے گاؤں میں بادی اور تیلیوں کے بیسوں گھر ہیں جو ہندو ہو گئے ہیں، مندر جاتے ہیں، ہولی دیوالی مناتے ہیں، لیکن مجھے اسلام کی طرف وہاں جا کر رغبت ہوئی جہاں جا کر خود

Marfat.com

مسلمان اسلام سے آزاد ہوجاتے ہیں۔

میں ہاکی کھیلتی تھی تو بالکل آزاد ماحول میں رہتی تھی، آدھے سے کم کپڑوں میں ہندستانی روایات کا خیال بھی ختم ہوگیا تھا، ہمارے اکثر کوچ مرد رہے، ٹیم کے ساتھ مرد ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں، ٹیم میں ایسی بھی لڑکیاں تھیں جو رات گذارنے بلکہ خواہشات پوری کرنے میں ذرہ برابر کوئی جھجک محسوس نہیں کرتی تھیں، میرے اللہ کا کرم تھا کہ مجھے اس نے اس حد تک نہ جانے دیا، گول کے بعد اور میچ جیت کر مردوں عورتوں کا گلے لگ جانا چمٹ جانا تو کوئی بات ہی نہیں تھی، میری ٹیم کے کوچ نے کئی دفعہ بے تکلفی میں میرے کسی شاٹ پر ٹانگوں میں کمر میں چٹکیاں بھریں، میں نے اس پر نوٹس لیا، اور ان کو وارننگ دی، مگر ٹیم کی ساتھی لڑکیوں نے مجھے برا بھلا کہا، اتنی بات کو دوسری طرح لے رہی ہو، مگر میرے ضمیر پر بہت چوٹ لگی، ہماری ٹیم ایک ٹورنامنٹ کھیلنے ڈنمارک گئی، وہاں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کی ٹیم کی سنٹر فارورڈ کھلاڑی نے ایک پاکستانی لڑکے سے شادی کر کے اسلام قبول کرلیا ہے، اور ہاکی کھیلنا چھوڑ دیا ہے، لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ اس نے شادی کے لیے اس لڑکے کی محبت میں اسلام قبول کیا ہے، مجھے یہ بات عجیب سی لگی، ہم جس ہوٹل میں رہتے تھے، اس کے قریب ایک پارک تھا، اس پارک سے ملا ہوا ان کا مکان تھا، میں صبح کو اس پارک میں تفریح کر رہی تھی کہ ڈنمارک کی ایک کھلاڑی نے مجھے بتایا کہ وہ سامنے برٹنی کا گھر ہے، جو ڈنمارک کی ہاکی کی مشہور کھلاڑی رہی ہے، اس نے اپنا نام اب سعدیہ رکھ لیا ہے اور گھر میں رہنے لگی ہے، مجھے اس سے ملنے کا شوق ہوا، میں ایک ساتھی کھلاڑی کے ساتھ اس کے گھر گئی، وہ اپنے شوہر کے ساتھ کہیں جانے والی تھی، بالکل موزے، دستانے اور پورے برقع میں ملبوس، میں دیکھ کر حیرت میں رہ گئی، او رہم دونوں ہنسنے لگے، میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ مجھے پہچانتی تھی، وہ بولی میں نے تمہیں کھیلتے دیکھا ہے، سعیدہ نے کہا ہمارے ایک سسرالی عزیز کا انتقال ہوگیا ہے، مجھے اس میں جانا ہے ورنہ میں آپ کے ساتھ کچھ باتیں کرتی، میں تمہارے کھیلنے کے انداز سے بہت متاثر رہی ہوں، ہاکی کھیل عورتوں کے نیچر سے میل نہیں کھاتا، میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری صلاحیتیں نیچر سے میل کھانے والے کاموں میں لگیں، میں تم سے ہاکی چھڑوانا چاہتی ہوں،

Marfat.com

میں نے کہا آپ میرے کھیل کے انداز سے متاثر ہیں اور مجھ سے کھیل چھڑوانا چاہتی ہیں، اور میں آپ کا ہاکی چھوڑنا سن کر آپ سے ملنے آئی ہوں، کہ ایسی مشہور کھلاڑی ہوکر آپ نے کیوں ہاکی چھوڑ دی؟ میں آپ کو فیلڈ میں لانا چاہتی ہوں، سعدیہ نے کہا کہ اچھا آج رات کو ڈنر میرے ساتھ کرلو، میں نے کہا آج تو نہیں، کل ہوسکتا ہے، طے ہوگیا، میں ڈنر پر پہنچی، تو سعدیہ نے اپنے قبول اسلام کی روداد مجھے سنائی اور بتایا کہ میں نے شادی کے لیے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اپنی شرم اپنی عصمت کی عزت وحفاظت کے لیے اسلام قبول کیا ہے اور اسلام کے لیے شادی کی ہے۔ سعدیہ نہ صرف ایک مسلم خاتون تھی بلکہ اسلام کی بڑی داعیہ تھی، اس نے فون کر کے دو انگریز لڑکیوں کو اور ایک معمر خاتون کو بلایا، جوان کے محلہ میں رہتی تھیں، اور سعدیہ کی دعوت پر مسلمان ہوگئی تھیں، وہ مجھے سب سے زیادہ اسلام کے پردہ کے حکم کی خیر بتاتی رہیں اور بہت اصرار کر کے مجھے برقع پہن کر باہر جاکر آنے کو کہا، میں نے برقع پہنا، ڈنمارک کے بالکل مخالف ماحول میں میں نے برقع پہن کر گلی کا چکر لگایا، مگر وہ برقع میرے دل میں اتر گیا، بیان نہیں کرسکتی کہ میں نے مذاق اڑانے یا زیادہ سے زیادہ اس کی خواہش کے لیے برقع پہنا تھا، مگر مجھے اپنا انسانی قد بہت بڑھا ہوا محسوس ہوا، اب مجھے اپنے کوچ کی بے شرمانہ شہوانی چٹکیوں سے گھن بھی آرہی تھی، میں نے برقع اتارا اور سعدیہ کو بتایا کہ مجھے واقعی برقع پہن کر بہت اچھا لگا، مگر آج کے ماحول میں جب برقع پر ویسٹرن حکومتوں میں پابندی لگائی جارہی ہے، برقع پہننا کیسے ممکن ہے؟ اور غیر مسلم کا برقع پہننا تو کسی طرح ممکن نہیں، وہ مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتی رہیں اور بہت اصرار کرتی رہیں، میں نے معذرت کی کہ میں اس حال میں نہیں ہوں، ابھی مجھے دنیا کی نمبر ون ہاکی کی کھلاڑی بننا ہے، میرے سارے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا، سعدیہ نے کہا مجھے آپ کو ہاکی کی فیلڈ سے برقع میں لانا ہے، میں نے اپنے اللہ سے دعا بھی کی ہے اور بہت ضد کر کے دعا کی ہے، اس کے بعد ہم دس روز تک ڈنمارک میں رہے، وہ مجھے فون کرتی رہی، دو بار ہوٹل میں ملنے آئی، اور مجھے اسلام پر کتابیں دے کر گئی۔

میں انڈیا واپس آئی، ہمارے یہاں نریلا کے پاس ایک گاؤں کی ایک لڑکی (جس کے والد سن پچاس میں ہندو ہوگئے تھے، اور بعد میں آپ کے والد مولانا کلیم صاحب کے

Marfat.com

ہاتھوں مسلمان ہو گئے تھے،ان کے مرید بھی تھے اور حج بھی کر آئے تھے) ہاکی کھیلتی تھی، دلی اسٹیٹ کی ہاکی ٹیم میں تھی اور انڈیا کی طرف سے سلیکشن کے بعد روس میں کھیلنے جانے والی تھی، مجھ سے مشورہ اور کھیل کے انداز میں رہنمائی کے لیے میرے پاس آئی، میں نے اس سے ڈنمارک کی مشہور کھلاڑی برٹنی کا ذکر کیا،اس نے اپنے والد صاحب کو ساری بات بتائی، وہ اپنی لڑکے کے ساتھ مجھ سے ملنے آئے،اور مجھے حضرت کی کتاب ''آپ کی امانت اور اسلام ایک پریچے دی''، آپ کی امانت چھوٹی سی کتاب تھی، برقع نے میرے دل میں جگہ بنالی تھی، اس کتاب نے برقع کے قانون کو میرے دل میں بٹھادیا، میں نے حضرت صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، دوسرے روز حضرت کا پنجاب کا سفر تھا،اللہ کا کرنا کہ بہال گڑھ ایک صاحب کے یہاں ہائی وے پر ملاقات طے ہو گئی اور حضرت نے دس پندرہ منٹ مجھ سے بات کر کے کلمہ پڑھنے کو کہا، اور انہوں نے بتایا کہ میرا دل یہ کہتا ہے کہ برٹنی نے اپنے اللہ سے آپ کو برقع میں لانے کی بات منوالی ہے، بہرحال میں نے کلمہ پڑھا اور حضرت نے میرا نام عفیفہ رکھا،اور کہا عفیفہ پاک دامن کو کہتے ہیں، چونکہ بائی نیچر آپ اندر سے پاکدامنی کو پسند کرتی ہیں، میری بھانجی کا نام بھی عفیفہ ہے، میں آپ کا نام عفیفہ ہی رکھتا ہوں۔

اس کے بعد میں نے برٹنی کو فون کیا، اور اس کو بتایا، وہ خوشی میں جھوم گئی، جب میں نے حضرت کا نام لیا تو انہوں نے اپنے شوہر سے بات کرائی، ڈاکٹر اشرف ان کا نام ہے، انہوں نے بتایا کہ حضرت یعنی مولانا کلیم صدیقی کی بہن کے یہاں رہنے والی ایک حرانامی نومسلمہ کی شہادت اور اس کے چچا کے قبول اسلام کی کہانی سن کر ہمیں اللہ نے اسلام کی قدر سکھائی ہے، اور اسی کی وجہ سے میں نے برٹنی سے شادی کی ہے، یہ کہہ کر کہ اگر تم اسلام لے آتی ہو تو میں آپ سے شادی کے لئے تیار ہوں، میں نے اخبار میں اڈ دیا، گزٹ میں نام بدلوایا، اپنی ہائی اسکول اور انٹر کی ڈگریوں میں نام بدلوایا اور ہاکی سے ریٹائرمنٹ لے کر گھر پر اسٹڈی شروع کی۔

میں نے آئی سی ایس کی تیاری شروع کی ہے، میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ میں ایک آئی سی ایس افسر بنوں گی،اور برقع پوش آئی ایس افسر بن کر اسلامی پردہ کی عظمت لوگوں کو

Marfat.com

بتاؤں گی۔

میں نیٹ پر اسٹڈی کر رہی ہوں، میرے اللہ نے ہمیشہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے، کہ میں جو ارادہ کر لیتی ہوں، اسے پورا کر دیتے ہیں، جب کافر تھی تو پورا کرتے تھے، اب تو اسلام کی عظمت کے لیے میں نے ارادہ کیا ہے، اللہ ضرور پورا کریں گے، مجھے ایک ہزار فیصد امید ہے کہ میں پہلی بار میں ہی آئی سی ایس امتحانات پاس کر لوں گی۔

لوگ کہتے ہیں کہ میرے انٹرویو کا کیا ہوگا کیونکہ آئی سی ایس کے لئے تو انٹرویو بھی دینا پڑتا ہے؟

میں کہتی ہوں کہ سارے برقع اور اسلام کے مخالف بھی اگر انٹرویو لیں گے تو وہ میرے سلیکشن کے لئے انشا اللہ مجبور ہو جائیں گے۔ رہا یہ سوال کہ گھر والوں کو اسلام کی دعوت نہیں دی؟

ابھی دعا کر رہی ہوں، اور قریب کر رہی ہوں، ہمیں ہدایت کیسی ملی؟ ہندی میں میں نے گھر والوں کو پڑھوائی، سب لوگ حیرت میں رہ گئے، اور اللہ کا شکر ہے ذہن بدل رہا ہے۔

جو بھی اس تحریر کو پڑھ رہے ہیں ان کے لئے میرا پیغام یہ ہے کہ عورت کا بے پردہ ہونا اس کی حد درجہ توہین ہے، اس لئے مرد خدا کے لئے اپنے جھوٹے مطلب اور اپنا بوجھ ان پر ڈالنے کے لئے ان کو بازاروں میں پھرا کر بازاری بنانے سے باز رہیں، اور عورتیں اپنے مقام اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے لئے اسلام کے پردہ کے حکم کی قدر کریں۔

بہت بہت شکریہ، السلام علیکم ورحم اللہ

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلامی زندگی کی چاہ میں پاکستان آنے والے جرمن جوڑے پر کیا گزری؟ ایک ہولناک اسٹوری

استنبول کا محلّہ کمکپی بیلی ڈانسروں کے لیے مشہور ہے جہاں وہ نشہ کرتے ہوئے افراد کے سامنے اپنی کمریں لہراتی ہیں، لیکن پیٹر کے لیے یہ وہ مقام ہے جہاں وہ جیل میں قید ہے۔ کمکپی کی تین منزلہ جیل پر خفیہ کیمرے نصب ہیں اور داخلے پر مشین گنوں سے مسلح محافظ پہرا دیتے ہیں۔ گرانڈ فلور کے ایک کمرے میں پیٹر سفید ٹائلوں پر اپنے بیٹے کے سامنے دوزانو بیٹھا ہے۔ تین سالہ اولیس جاننا چاہتا ہے کہ پولیس اسے (پیٹر کو) کیوں پکڑ کر لے گئی تھی۔ وہ اپنے باپ کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ وہ اسے کہتا ہے کہ اگر تم بہت نماز پڑھو گے تو یہ لوگ تمہیں جانے دیں گے۔ ایک مسلح افسر باپ بیٹے کی اس ملاقات کو دیکھ رہا ہے۔ پیٹر اپنے بیٹے کے سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر قرآن کی ایک سورہ پڑھتا ہے جو اس کے مطابق اسے شیطان سے محفوظ رکھے گی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے پاکستان اس لیے چھوڑا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بچے دماغی طور پر کمزور ہوں۔ بات جاری رکھتے ہوئے پیٹر نے کہا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں سے مایوس ہے جنھوں نے وڈیو پیغامات کی مدد سے اسے وزیرستان جانے پر رضامند کر لیا جو طالبان اور القاعدہ کا گڑھ ہے۔ پیٹر نے کہا کہ اسے بتایا گیا تھا کہ وہاں سکول اور ہسپتال ہیں۔ آپ اپنے بھائیوں پر اعتبار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اس نے اپنی بھنویں اوپر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں پرواز کرتے ہوئے ڈرونوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

Marfat.com

کئی برسوں تک پاک افغان سرحدی علاقہ شدت پسندوں کا اہم مرکز تھا۔ جرمنی سے دو سو سے زیادہ رضا کار اکیلے یا اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے۔ پہلے جانے والوں نے انٹرنیٹ پر پیغامات کے ذریعے مزید لوگوں کو وہاں بلا لیا۔ زمین پر جنت کے وعدے کیے گئے یا کم سے کم اس سے ملتے جلتے کسی مقام کے۔ یہ جنگجو سکیورٹی اہلکاروں کے لیے کسی ڈرانے خواب سے کم نہیں تھے۔ یہ جرمنی کی سلامتی کے لیے بھی خطرہ سمجھے جانے لگے۔لیکن اب کچھ عرصے سے رجحان بدل گیا ہے۔ جانے والوں کی تعداد گھٹ رہی اور واپس لوٹنے والوں کا نمبر بڑھ رہا ہے۔ پہاڑوں پر زندگی جیسا کہ انہیں متاثر کرنے کے لیے بنائی گئی وڈیو فلموں میں دکھایا گیا تھا اس سے کہیں مشکل ہے۔ امریکی ڈرونوں سے گرنے والے راکٹوں کی صورت میں آسمان سے مسلسل موت برستی ہے۔ جرمنی سے آنے والے کم سے کم ایک درجن جنگجو ہلاک ہو چکے ہیں۔

واپسی کا راستہ ترکی سے گزرتا ہے، جنکشن استنبول سے جو اس وقت ان علاقوں میں شامل ہے جن پر سب سے گہری نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ امریکہ، جرمنی اور ترکی کے خفیہ اداروں کے درمیان قریبی تعاون دیکھا جا رہا ہے۔ یہ سب دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔

یہاں سے انہوں نے ایک پراپوگینڈا فلم میں کام کرنے والے برلن کے شہری تھامس کو گرفتار کیا تھا۔ یہیں سے برلن کے ایک اور رہائشی فتیح کو پکڑا گیا تھا جنہیں جرمن طالبان کا سربراہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اب پیٹر بھی حراست میں ہے جسے جرمنی کے شہر سٹٹگارڈ کے پبلک پراسیکیوٹر تلاش کر رہے تھے۔ پیٹر پر الزام ہے کہ وہ ایک جرائم پیشہ تنظیم کا رکن ہے اور جہاد کے لیے بھرتیاں کرتا ہے۔

پیٹر کو ترکی میں انسداد دہشتگردی کے یونٹ نے ستائیس جون کو پکڑا تھا اور اسے گزشتہ ہفتے جرمنی کے حوالے کر دیا گیا۔ پیٹر اور اس کی اہلیہ کا سفر اِس دور کے ان نوجوان مسلمانوں کا مخصوص سفر ہے جنہوں نے جرمنی میں انتہا پسندی کو اپنایا، جنگ کے لیے گئے اور اب واپسی پر حکام کے قابو میں ہیں۔

اکتیس سالہ پیٹر بی کا اسلامی نام عمار ہے۔ ایک انٹرنیٹ وڈیو میں اس نے دعوی کیا کہ

Marfat.com

وہ ایک دوست کی موت کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ موبائل فونوں کی ایک دکان میں کام کرتا تھا اور رات کے سکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہ الم کا رہائشی تھا جہاں انتہا پسندی قدم جما چکی تھی۔ یہ لوگ الم اسلامی انفارمیشن سنٹر میں اکٹھے ہوتے جہاں پیٹر خزانچی اور سیکرٹری تھا۔

سن دو ہزار چار میں میونخ کے پبلک پراسیکیوٹر نے ابتدائی انکوائری کا آغاز کیا۔ اس وقت پیٹر ایک جریدے تھنک اسلام کا بھی مدیر تھا جس میں حکام کے مطابق سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تشدد کے راستے کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ پیٹر کا نام بھی ملزمان میں تھا لیکن اس کے خلاف تفتیش معطل کر دی گئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ صرف دعوت کا کام کرتا ہے اور لوگوں کو اسلام کی طرف لے کر آتا ہے۔

اس کے بعد تفتیش کاروں نے ایک بار سارلینڈ سیل کے خلاف تفتیش کے دوران پیٹر کا سامنا کیا۔ ان لوگوں پر جرمنی کے اندر حملے کی تیاری کا الزام تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک ملزم کے پاس پیٹر کی مرسڈیز تھی۔ پولیس کو اس کار سے ایک سکینر بھی ملا۔ اس کے بعد سے پیٹر کا نام فائلوں میں ایک کانٹیکٹ کی حیثیت سے آنے لگا۔ تاہم تفتیش کار اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کر سکے کہ اس کے دہشت گردوں کے ساتھ دوستانہ روابط ہیں۔

پیٹر کے شدت پسندوں اور پرامن مسلمانوں دونوں سے روابط تھے۔ لیکن اب اس کے خلاف ایک دہشت گرد تنظیم کی حمایت کا الزام ہے۔ اس کے بارے میں اس کے ایک سابق ساتھی نے یہ بھی بتایا کہ وہ ازبکستان کی اسلامی تحریک کا حصہ بننا چاہتا تھا لیکن سمجھانے پر ارادہ بدل دیا۔

استنبول کی جیل میں پیٹر نے، جس کی لمبی داڑھی کی جگہ تین دن کی داڑھی نے لے لی ہے، بتایا کہ مجھے ان لوگوں سے پیار ہے لیکن میرا ان تنظیموں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی تیس سالہ اہلیہ سارہ جیل سے چند کلومیٹر دور استنبول کے لٹل ایران کہلانے والے اسلامی محلے میں موجود تھی۔ یہاں خواتین نقاب پہنتی ہیں اور مرد جلابہ۔ برقعے کے اندر اپنی بچی کو دودھ پلاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے زیادہ جلد دیکھنا پسند نہیں۔

پیٹر نے وزیرستان پہنچنے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ جرمنی میں ان کے خلاف

Marfat.com

جاری ہونے والے وارنٹ نے انہیں ہندوکش بھاگنے پر مجبور کیا۔ اس وقت وہ مصر کے شہر اسکندریہ میں ایک الگ تھلگ محلے میں رہ رہے تھے جہاں انہیں وارنٹ جاری ہونے کی اطلاع ملی۔ میں بھی انسان ہوں اور میں ڈر گیا تھا۔ یہ لوگ اسی رات فرار ہو گئے تھے۔

سارہ نے بتایا کہ جب انہوں نے پاکستان کا نام سنا تو ان کی آنکھیں باہر آ گئیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہاں پیمپر بھی ملیں گے یا نہیں۔

پیٹر نے کہا کہ وزیرستان واحد جگہ تھی جہاں جرمنی کے وارنٹ بے اثر تھے۔ میں وہاں اسلامی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ پیٹر نے بتایا کہ ابتدائی چند ماہ بہت مشکل تھے۔ وزیرستان پہنچنے پر پہلے پہل وہ کچھ عرصہ ایک مکان میں رہے جہاں سے لوگوں نے انہیں، بقول ان کے، اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ وہ لڑائی میں حصہ لینے پر تیار نہیں تھے۔

انہوں نے بتایا کہ وہاں تیس کے قریب تنظیمیں تھیں جو سب ایک دوسرے سے خوش نہیں تھیں۔ کئی روز تک پیٹر اور سارہ کو گلیوں میں سونا پڑا۔ بالآخر جرمنی سے پیٹر کی والدہ کی طرف سے پیسوں کی صورت میں امداد ان تک پہنچی۔ انہوں نے ساڑھے تین سو یورو کا ایک کچا مکان اور ساڑھے چار سو یورو کا موٹر سائیکل خریدا۔

"پیٹر یاد کرتا ہے کہ جب اس نے پیپسی کی قیمت معلوم کرنا چاہی تو دکان پر لڑکی نے پہلے ہاتھوں کی انگلیوں سے اور پھر دونوں پیروں کی انگلیوں سے گن کر بتایا کہ یہ بیس روپے کی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ ان کا بیٹا اتنا کم عقل نہیں ہوگا۔

جب انہیں گھر کی یاد آتی تو وہ شہر میں یورپی دکانوں کی طرف نکل جاتے جہاں نٹیلا، بال بنانے والی کریم نِویا اور بچوں کے لیے کوکو سب جرمن پیکنگ میں میسر تھا۔ انہیں پیپسی بھی مل گئی۔

انہوں نے بتایا کہ وہاں اگر نل خراب ہو جائے تو خراب ہی رہتا ہے، آٹھ بجے آنے والی بس کبھی بھی نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ وہاں کوئی نظام نہیں جیسا کہ یہاں ہے۔ ایک بار وہ سارہ کو بازار ساتھ لے گئے تو کئی ہفتوں تک ان کے پڑوسی ان کے بارے میں باتیں بناتے رہے کہ اسے گھر سے نکلنے کی اجازت کیوں دی۔ پیٹر نے کہا کہ اس کی بیوی کوئی جانور نہیں جسے گھر میں بند رکھا جائے۔

Marfat.com

وہ ایک برس تک اس شہر میں رہے جو ان کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اگر آپ وہاں سے فوراً نکلنا چاہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ آپ جاسوس ہیں۔ میر علی اور اس کے گرد ونواح میں دن کا معمول ڈرون کی آواز طے کرتی ہے۔ پیٹر نے بتایا کہ جب راکٹ دور گرتا ہے تو دھویں کے بادل دکھائی دیتے، اور جب ایک دن ان کے ساتھ والے گھر میں گرا تھا تو زمین ہل گئی تھی۔

پیٹر امداد لینے گیا اور جب واپس آیا تو کٹے ہوئے بازوں اور ٹانگوں اور گلیوں میں لاوارث پھرنے والے یتیم بچوں کا ذکر کررہا تھا۔

پیٹر کم ہی صحیح طرح سو سکا اور سارہ کو یہی خیال آتے رہے کہ ان حملوں کا شکار اس کا خاوند اور بچے بھی ہو سکتے ہیں۔ سارہ اس وقت حاملہ تھی۔ پیٹر اسے اس جگہ لے گیا جسے ہسپتال کہا جا رہا تھا۔ زچگی وارڈ ایک طویل گیلری پر مشتمل تھا جس کے دروازے بند نہیں تھے اور خواتین کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور زمین پر گندگی تھی۔

''وہ بالکل قرونِ وسطیٰ کی طرح تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ میں اس دنیا میں اپنے بچوں کو بڑا نہیں کروں گی''۔

بچے کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل اس جوڑے نے، گرفتاری کے وارنٹ کے باوجود، پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ واپسی کا سفر ایک منشیات کے سمگلروں سے بھرے ایک ٹرک میں شروع ہوا۔ بدبودار نشہ کرتے ہوئے مردوں نے ہمیں آٹے کی بوریوں سے زیادہ نہیں سمجھا اور نماز کے اوقات کا بھی خیال نہیں رکھا، سارہ نے بتایا۔ اس کے بعد ایران کے پہاڑوں پر پیدل سفر تھا۔ اسی دوران ایرانی سرحد کے قریب ان کی بیٹی شہیدہ پیدا ہوئی۔

پیٹر جرمنی نہیں آنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ لوگ اس کی بیوی کو نقاب پہننے پر دہشت گرد یا پینگوین کہیں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں جرمنی کے لیے یا جرمنی میرے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرے۔ پیٹر نے اقوام متحدہ کو بھی درخواست بھیجی لیکن بے سود۔ اسے ترکی کے حکام نے جولائی کے اوائل میں جرمنی کے حوالے کر دیا۔ دو روز کے بعد اس کے بیوی اور بچے بھی جرمنی پہنچ گئے۔ پیٹر سلاخوں کے پیچھے اپنے خلاف مقدمے کا اور ناکافی شواہد کی صورت میں رہائی کا منتظر ہے۔ وزیرستان میں اس نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر

Marfat.com

انہیں دوبارہ جرمنی جانا پڑا تو وہ وہاں سے مالدیپ چلے جائیں گے۔ پیٹر کا کہنا ہے کہ مکہ کے بعد وہ سب سے خوبصورت مقام ہے، لیکن ظاہر ہے، جنت کو چھوڑ کر۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ناروے کی ایک سفید فام لڑکی جسے قبول اسلام پر گھر سے نکال دیا گیا تھا

میرا مسلمان ہونا میرے اہل خانہ کے لیئے قابل قبول نہ تھا۔ میری ماں نے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں کئی دنوں تک ناروے کے مسلمان گھروں میں رہی۔ اوسلو میں مقیم مونیکا ہانکسلم نے ''اقرا'' ٹیلی وژن پر اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہ اس نے کیوں اسلام قبول کیا کہا کہ میں نہ صرف پردے کو عورت کی توہین نہیں سمجھتی بلکہ میں اسے عورت کی سہولت اور آسانی کے لئے انتہائی ضروری سمجھتی ہوں۔ مونیکا کہتی ہیں میں نے اتفاقاً اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ یہ مسئلہ چند سال پرانا ہے میں اس علاقے سے تعلق رکھتی ہوں جہاں مردرات کو نشہ میں دھت گھر آتے ہیں اور اپنی عورتوں کو تشدد کا نشانہ بنا کر اپنی اور اس کی زندگیوں کو تباہ کرتے ہیں۔ میں نے اسلام کو ایک امن، صلح اور رحمت کا دین سمجھ کر انتخاب کیا ہے اس سے پہلے کہ میں اسلام کو قبول کرتی میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا اور اس کا انجیل سے موازنہ کیا اس کے بعد میں قرآن کی الٰہی تعلیمات کی مجذوب ہوگئی مونیکا کے بقول اس نے نہ صرف قرآن مجید کا مطالعہ کیا بلکہ فقہ اور سیرت پیغامبر سے بھی آشنائی پیدا کی۔ نومسلم مونیکا کہتی ہیں یورپ میں لوگ انجیل کا نام تو لیتے لیکن بدقسمتی سے اس پر عمل نہیں کرتے لیکن جن مسلمانوں نے مجھے اسلام اور قرآن سے آشنا کیا وہ الہی اور قرآنی تعلمات پر عمل پیرا ہیں اور جو کچھ قرآن وسنت میں موجود ھے اس کا خاص خیال کرتے ہیں۔ یہ وہ چند اہم چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا۔

Marfat.com

مونیکا کہتی ہیں انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی میں اس کے مطالب کو نہ تو صحیح سمجھ سکی اور نہ وہ قابل عمل تھے لہٰذا میں نے انجیل کو کنارے پر رکھ کر قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔قرآنی مطالب نے مجھے حیران کر دیا اور میں نے ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ میں سورہ توحید کے مطالعے اور تلاوت کو قرآن سے عشق کا آغاز اور اپنے لیے امن وسلامتی سمجھتی ہوں مونیکا کہتی ہیں میں اس پر بہت زیادہ خوش ہوں کہ اس وقت میری بہت سی سہیلیاں بھی اسلام قبول کر چکی ہیں اور میں بھی ایک مسلمان ہوں مونیکا اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاندان کے ردعمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں میرے گھرانے کے لیئے میرا اسلام قبول کرنا ناقابل قبول تھا۔ میری ماں نے مجھے گھر سے نکال دیا میں کافی عرصے تک مسلمان گھروں میں رہتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں میرا مسلمان ہونا شروع میں میرے گھر والوں کے لئے ایک بڑی مصیبت اور بحران کی مانند تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے حقیقت کو تسلیم کر لیا اور مجھے گھر میں واپس بلا لیا۔

مونیکا ہانکسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ بعض لوگ اس طرح کے شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات میں عورتوں کے موجودہ امور کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں ہے کہا، ناروے کے ذرائع ابلاغ اسلام کی صحیح تعلیمات اور حقیقی شناخت سے محروم ہیں۔ وہ اسلام کی حقیقت کو لوگوں کو بتانے سے قاصر ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ دین اسلام سے زیادہ کوئی دین عورت کی عظمت اور احترام کا قائل نہیں ہے اسلام عورت کی آزادی اور احترام پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔مغرب کی نظر میں عورت کی آزادی کا یہ مطلب ہے کہ وہ کپڑے اتار کر یا نیم برہنہ ہو کر سڑکوں پر گھومے پھرے آزادی کا حقیقی مفہوم یہ نہیں ہے میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام نے عورت کو مکمل آزادی عطا کی ہے اور میں پردے کو عورت کی توہین نہیں بلکہ حجاب اور پردے کو عورت کی سہولت اور آسانی کے لئے ضروری سمجھتی ہوں۔

مونیکا اپنی روزمرہ کی مصروفیات کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہتی ہیں میں آجکل ناروے کی بعض مسلمان خواتین کے ساتھ مل کر اسلامی تعلیمات کی تعلیم وتربیت کا پروگرام چلا رہی ہوں۔ناروے کے مسلمان اسلام کی وجہ سے گوناگوں مشکلات کا شکار ہیں۔ یہاں

Marfat.com

کے مسلمان بچے مسلمان اساتذہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے دور ہیں لہٰذا مسلمان آبادی میں ایک مسجد کی تعمیر کا پروگرام بنایا گیا لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ منصوبہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ مونیکا مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی زیارت کے بارے میں کہتی ہیں میں جب مکہ مکرمہ پہنچی تو تو میرے اوپر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور مسجد الحرام کی زیارت کے وقت تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میں خدا کے بہت ہی قریب آ گئی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ یہ زیارت مجھے بار بار نصیب ہو اور اسلام پوری دنیا میں پھیل جائے۔ مونیکا ایک شادی شدہ خاتون ہیں اور اس کے تین بچے ہیں جو قرآن پاک کو صحیح عربی لہجے میں تلاوت کرتے ہیں یہ پورا خاندان اسلام کے سائے میں خدا پر ایمان رکھتے ہوئے مطمئن زندگی گزار رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اسلام قبول کرنے پر گھر والوں نے ہاتھ پیر توڑ ڈالے تھے۔ایک ہندو خاتون کا قبولِ اسلام

میرا تعلق مدھیہ پردیش کی ایک ہندو فیملی سے ہے لیکن اب الحمد اللہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں اور قطر کی ایک آن لائن یونیورسٹی بلال فلپس چوکی میں پانچ سال سے پڑھ رہی ہوں اور قرآن مجید بھی حفظ کر رہی ہوں کافی سارے پارے الحمد للہ ہو گئے ہیں۔میں نے اپنی گمراہی کے زمانے سے ہی قرآن پاک کی تجوید انٹرنیٹ پر پڑھنی شروع کر رکھی تھی اسی وجہ سے مجھے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی آسانی رہی اور میرے تلفظ بڑی حد تک درست ہیں۔

میں مدھیہ پردیش کے ضلع دھار کے ایک ایسے قصبہ سے تعلق رکھتی ہوں جس میں ایک گھر بھی مسلمان کا نہیں، میرے والد راجپوت ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بی جے پی کے بہت سرگرم کارکن رہے ہیں، اسلام کے خلاف جو بین الاقوامی پروپیگنڈہ چل رہا ہے، اس سے وہ حد درجہ متاثر رہے، ہر مسلمان ان کے خیال میں دہشت گرد اور ہندوستان کا دشمن، اور ہر پاکستانی دہشت گرد تھا، وہ پرائمری اسکول میں سرکاری ٹیچر تھے اور اب ہیڈ ماسٹر ہیں، ان کے تین کلاس کے ساتھیوں کے علاوہ کسی مسلمان سے ان کا ذاتی تعلق بھی نہیں، میرا ایک بڑا بھائی، ایک بڑی بہن اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔اصل میں ہمارا گھرانہ رائے پور کی طرف کا ہے، ہمارے دادا جی سرکاری ملازمت کی وجہ سے دھار میں آ گئے تھے اس لئے میرے ایک چچا اور ایک تاؤ، بس ان کی اولادیں، پورے پریوار میں کل

Marfat.com

ملا کر (یعنی خونی رشتہ کے) لوگ ہمارے قصبہ میں ہیں، رائے پور کے رشتہ داروں سے کچھ خاص تعلق بھی نہیں، یعنی آنا جانا نہیں رہا۔

میں نے اپنے قصبے کے ایک اسکول جہاں میرے والد صاحب پڑھاتے تھے، سے پانچویں کلاس پاس کی اس کے بعد ہائی اسکول ایک سرسوتی ودیا پیٹھ سے کیا، وہیں سے انٹر میڈیٹ کیا، بعد میں ایک کمپیوٹر کا کورس بھی کیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اسکول کی تعلیم متاثر رہی، مسلسل آزمائشوں سے جوجڑی رہی، اتنا کچھ بھی بس نہ جانے کیسے کرلیا۔

میرا اسلام قبول کرنا بس ایک پہیلی ہے، جس کے لئے کسی بوجھ بجھکو کی ضرورت پڑے گی، اصل میں پہیلی کیا سچی حقیقت یہ ہے کہ رات کی تاریکی سے صبح کی پو پھاڑنے والا یخرجھم من الظلمات الی النور (وہ اللہ ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے) کا فیصلہ ہر جگہ ہر گھر میں سب کی زندگی میں کرتا ہی رہتا ہے، اس کی ایک کرن ہمارے گندے خاندان پر بھی پڑ گئی۔

اس کی تفصیلات ایسی گھناونی ہیں کہ ذکر کرنا بھی مشکل اور سننا بھی آپ کے لئے مشکل، اور لکھنا اور نقل کرنا شاید ناممکن ہوگا۔ اصل میں بات میرے ایک محترم رشتہ دار حقیقی چچا کی شرم ناک حرکت سے شروع ہوئی، جواب خود اپنی حرکت پر اس قدر نادم ہیں کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں، اور اب وہ نہ صرف مسلمان بلکہ ایک دردمند داعی ہیں، اب اس کا ذکر یقیناً اچھا نہیں مگر وہ حرکت ہی اس روشنی کا ذریعہ بنی، اور اس کے بغیر اللہ تعالی کی شان ہدایت کا ذکر ادھورا رہے گا، اس لئے بات تو وہیں سے شروع کرنی پڑے گی، اصل میں میرے ایک چچا بچپن میں غلط صحبت میں رہنے لگے تھے، اور ان کو شراب کی لت لگ گئی تھی، اب شراب پی کر انسان جو کرلیتا ہے اور جہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ اس انسان کا فعل نہیں بلکہ اس نجس شی کا اثر ہوتا ہے، اس لئے تو نشہ کی حالت میں نماز کی اجازت نہیں، اور ہوش و حواس جو کھو جائیں تو آدمی شرعی احکام کا مکلف نہیں رہتا، مارچ کی بات ہے، میرے والد اسکول گئے ہوئے تھے، میری والدہ بھائی کو لے کر پڑوس میں چلی گئی تھیں، میں گھر میں اکیلی تھی، میرے چچا نشہ کی حالت میں آگئے، نہ جانے کون سا شیطان ان پر آیا، وہ ہم سے بہت محبت بھی کرتے تھے، کبھی خواب میں بھی ہمیں ان سے ایسی حرکت کی امید نہیں تھی،

Marfat.com

بس شاید اللہ کو خاندان کی ہدایت منظور تھی، بس ان پر نشہ کا شیطان پوری طرح سوار ہو گیا، انھوں نے مجھے کمرہ میں بند کرلیا اور میرے ساتھ وہ سب کچھ کرنا چاہا جس کا وہ ہوش و حواس میں خواب بھی نہ سوچ سکتے تھے، میں اپنی عزت بچانے کی کوشش کرتی رہی، اور ایک گھنٹہ چیختی بھی رہی، مگر آواز کمرہ کے باہر نہ جاسکی، میرے سارے کپڑے پھٹ گئے، کئی بار میں ہمت ہار جاتی، کہ اب وہ منھ کالا کر کے چھوڑیں گے، مرتا کیا نہیں کرتا، بس میرا ان پر بس چل گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ میں پھٹے کپڑے لپیٹ کر باہر بھاگی، باہر ایک بوری جسم کو چھپانے کے لئے لی، دوسرے کمرے میں چادر لی، اپنے تائے کے گھر گئی وہاں جا کر بہن کے کپڑے پہنے، اور میں نے گھر اور قصبہ چھوڑنے کی سوچ لی، بس میں بیٹھ کر اندور گئی، راستہ بھر سوچتی رہی، مجھے کیا کرنا چاہیے، کئی بار خیال آیا کہ تھانہ میں جا کر ایف آئی آر درج کراوں پھر خیال آیا کہ پولیس والے خود درندے ہوتے ہیں وہ مجھے اپنی کسٹڈی میں رکھیں گے، پھر کسی ناری نکیتن میں رکھیں گے، ایک ناری نکیتن کی گندی کہانی میں نے اخبار میں دو دن پہلے پڑھی تھی، کبھی سوچتی یہ کرنا چاہیے، کبھی سوچتی وہ کرنا چاہیے، اپنے قصبہ، اپنے خاندان یہاں تک کہ پورے معاشرہ اور دھرم سے نفرت اور کراہیت میرے پورے وجود کو جلائے دے رہی تھی، اندور تک کے سفر میں میرے دماغ اور دل میں مختلف خیالات آتے رہے، اور آخری فیصلہ جس پر مجھے اطمینان ہوا یہ تھا کہ مجھے ایسے گھرانہ، خاندان اور معاشرہ کو چھوڑ دینا چاہیے، اس کے لئے مضبوط فیصلہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرلینا چاہیے۔ اصل میں بس اللہ کی رحمت تھی، مگر بظاہر گیند بہت زور سے لگی تھی، توری ایکشن بھی اسی رفتار سے تھا، بودھ دھرم تو ہندو دھرم کا حصہ ہے، عیسائی ہو کر بھی کچھ ہندو دھرم سے اتنا دور ہونا ممکن نہیں جتنا میرے اندر جذبہ تھا، پوری دنیا میں سارے مذاہب کی ضد بس اسلام میں تھی، تو انفعال میں اس وقت میرے ری ایکشن کے جذبات کی تسکین کامل معاشرہ کو جھلا دینے والا فیصلہ اسلام ہی ہو سکتا تھا، اس لئے میں نے جذبات میں یہ فیصلہ لیا اور فیصلہ لے کر جمے رہنا میرے اللہ نے میری فطرت کا خاص حصہ بنایا ہے، اس کے لئے مجھے کسی ایسے مسلمان کی تلاش ہوئی جو مجھے مسلمان کر سکے، اندور بس اڈہ پر اتر کر میں نے جامع مسجد کا پتہ معلوم کیا، لوگوں نے کہا یہاں بہت سی مسجدیں ہیں، ایک مسلمان نے مجھے

آزادنگر مدرسہ کا پتہ بتایا، میں وہاں گئی، مولانا صاحب ملے تو انہوں نے کہا مسلمان ہونے کے لئے آپ کو بھوپال قاضی کے پاس جانا پڑے گا۔ اس مشکل وقت میں اللہ پاک نے میری مدد کی، میں گھر سے نکل رہی تھی تو میں نے دروازے کے باہر دیکھا کہ ایک پرس پڑا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ میری ماں کا پرس ہے، جوان سے جاتے وقت گر گیا ہوگا، اس میں =/5600 روپے تھے جو میرے اللہ نے میرے اسلام کے انتظام کے لئے گروائے تھے۔ پھر میں اسی وقت بھوپال کے لئے روانہ ہوگئی، اور وہاں قاضی صاحب کے پاس گئی، وہ بہت ہنسے، مجھے بہت دکھ بھی ہوا، انہوں نے مجھ سے مسلمان ہونے کی وجہ معلوم کی تو میں نے بتایا، مجھے اپنے خاندان اور معاشرہ سے نفرت ہوگئی ہے انہوں نے کہا اس کے لئے مسلمان ہونا ٹھیک نہیں ہے، اسلام کو پڑھیے، آپ ابھی نابالغ ہیں بالغ ہوکر مسلمان ہونا ہوگا، میں نے کہا میرا دماغ، میرا دل بالغ ہے، آپ مجھے مسلمان کرلیجئے، مگر انہوں نے منع کردیا، میں تاج المساجد بھی گئی، بہت سے مسلمانوں اور مولانا لوگوں کے پاس گئی، لیکن کوئی بھی تیار نہیں ہوا، میرا خیال تھا کہ میں دھن کی پکی ہوں، مایوس ہوکر کئی بار خیال آیا میں گھر واپس چلی جاؤں مگر میری انا مجھے روک دیتی، میری انا مجھ سے کہتی کہ فیصلہ لے کر واپس ہونا بہت بڑی ہار ہوگی، میرا نام لکشمی بائی میرے والد نے رکھا تھا۔ پھر میں شاہ جہاں آباد مرکز میں گئی وہاں بھی مولانا نے منع کردیا، رات کا وقت تھا وہاں پر ایک بے چاری پریشان حال بیوہ ایک جھونپڑی میں رہتی تھی، انھوں نے مجھے اپنے گھر رکھا مجھ پر ترس کھایا، میں بھوپال میں دو مہینے ان کے گھر رہی۔ رحمت آپا جن کے یہاں میں رہ رہی تھی، وہ مجھے لے کر ایک آپا جان کے یہاں گئیں جو جمعرات کو عورتوں کا اجتماع کرتی تھیں، انھوں نے جاکر میرے بارے میں بتایا وہ بھی ہنسنے لگیں، میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو وہ مجھ سے لپٹ گئیں مجھے گود میں لے کر بہت پیار کیا، کہا میری بچی کیوں رو رہی ہے، میں تجھے ضرور مسلمان بناؤں گی، پھر انھوں نے مجھے روتے روتے کلمہ پڑھوادیا، پھر مجھ سے معلوم کیا تم اپنا نام بھی بدلوگی؟ کیا نام رکھوں؟ میں نے کہا، حضرت محمد ﷺ کی بیٹیوں میں سے کوئی نام رکھ دو، تو انھوں نے میرا نام فاطمہ رکھا۔ انھوں نے کل پھر آنے کے لئے کہا، اور کہا آج مجھے ایک شادی میں جانا ہے، کل میں تمھیں کتابیں منگا کر دوں گی، اگلے روز دوپہر کو میں

Marfat.com

ان کے یہاں رحمت آپا کو لے کر گئی، تو انھوں نے نو کتابیں مجھے دیں: آپ کی امانت آپ کی سیوا میں، مرنے کے بعد کیا ہوگا؟، بہشتی زیور، رہبر انسانیت ﷺ، نسیم ہدایت کے جھونکے تین حصے، اسلام کے پیغمبر، اور اسلام کیا ہے؟ یہ میرے لئے مکمل نصاب تھا، ان کتابوں کو میں نے رحمت آپا کے یہاں رہ کر پڑھا، ان کو پڑھ کر میرے جذبات کا رخ بدل گیا، میں اپنے چچا کو بالکل بے قصور سوچ کر اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت کا ذریعہ سمجھ رہی تھی، مجھے گھر پریوار کو چھوڑنے کے بجائے ان کو دوزخ سے بچانے کی فکر سوار ہوگئی تھی، مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی، مجھے اندازہ تھا کہ میرے گھر والوں میں سے کسی کو میرے گھر سے نکلنے کی وجہ معلوم نہیں ہوگی، نہ جانے کیا کیا افواہیں میرے بارے میں اڑ رہی ہوں گی، گھر والے کسی لڑکے کے ساتھ جانے اور نہ جانے کیا کیا سوچ رہے ہوں گے، مگر مرنے کے بعد کی دوزخ سے بچانے کے لئے یہ الزامات اور اس پر گھر والوں کا عتاب سب چھوٹی چیزیں تھیں، نسیم ہدایت کے جھونکوں نامی کتاب میں، ایک لڑکی حرا کا قصہ تھا جو تقریباً میری عمر کی تھی، نے اپنی جان دے کر اللہ کی محبت میں ایمان کے لئے جل کر پورے گھرانہ کے لئے ایمان اور جنت کا راستہ کھولا، مجھے بھی قربانی دینی چاہئے، رحمت آپا مجھے منع کرتی رہیں اور اپنے بھتیجے سے شادی کر کے اپنے بھائی کے گھر میں رکھنے کے لئے خوشامد کرتی رہیں، مگر میں نے فیصلہ کرلیا اور رحمت آپا نے بھی مجھے اجازت دے دی، میں واپس گھر پہنچی۔

میرے والد گھر آئے تو والدہ نہیں آئی تھیں، میرے چچا تین گھنٹے تک ننگے بے ہوش پڑے رہے، ان کی غلط صحبت اور شراب کی لت سے ان سے سب بدظن تھے، مجھے گھر میں نہیں پایا تو میری تلاش ہوئی، دو تین روز سب جگہ تلاش کے بعد میں نہیں ملی تو تھانہ میں رپورٹ درج کرائی، میرے اسکول میں تحقیق کی گئی کہ کسی لڑکے سے کوئی تعلق تو نہیں، مگر یہ بھی خیال تھا کہ چاچا نے کوئی حرکت کی ہو، میں گھر پہنچی تو پہلے تو گھر والے بہت غصہ تھے، مجھ سے وجہ معلوم کرتے تھے، میرے سامان کو ٹٹولا، تلاشی لی گئی تو اسلام پر کتابیں تھیں، سب برہم ہوگئے، اس لئے اپنی ماں کو چاچا کی حرکت بتانی پڑی، اور ساتھ ہی ساتھ میں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی کہانی بھی بتائی، سب بھائیوں نے چاچا کو بلا کر بری طرح

Marfat.com

مارا، میں ان کو منع کرتی رہی کہ ان کی خطا نہیں ہے، میرے مالک نے مجھے سچی راہ دکھانے کے لئے ان پر شیطان چڑھا کر مجھے سچ کی راہ دکھائی، اس پر وہ مجھ پر غصہ ہو گئے اور مجھے بھی مارا، میں پٹتی رہی اور حرا کی نقل میں ان لوگوں سے کہتی رہی تم مجھے مار رہے ہو، مگر مرنے کے بعد ایک بڑی مار کا سامنا ہونے والا ہے، اس سے صرف اسلام ہی بچا سکتا ہے، میرا بھائی بڑے غصہ میں آیا اس نے لوہے کی کرسی اٹھا کر میرے سر میں ماردی، جس سے میرا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، میرے تایا نے لوگوں کو روکا کہ یہ مر جائے گی، ابھی بچی عمر ہے سمجھانے کی کوشش کرو، پیار سے سمجھاو، ایک ایک کر کے مجھے گھر والے سمجھاتے رہے، میری ایک بہن جو مجھ سے زیادہ تعلق رکھتی تھی، میری ماں نے اسے بلوایا کہ وہ اب مجھے سمجھائے مگر اسلام اب میرے لئے ایسی چیز نہیں تھا کہ جسے چھوڑا جا سکے، میرے لئے حرا کا نمونہ تھا کہ خوشی میں اللہ کی محبت میں جل کر جان دے دی، یا پیارے نبی کی روشن زندگی کہ سب کچھ سہتے رہے اور قولو لا الہ الا اللہ کی خیر خواہی میں لگے رہے۔ روز ایک نیا دن میرے ایمان کو بڑھانے کے لئے آتا، اور پھر مجھے اس مخالفت اور دشمنی میں اللہ کا نور نظر آتا، دو سال تک ہر دن کی ایک داستان ہے، جس کے لئے ایک کتاب چاہئے، گھر والوں کے ساتھ کبھی کبھی پڑوسی بھی شامل ہو جاتے، میرے ایک ماما مجھے رائے پور اپنے گھر لے گئے، وہاں بہت سے سیانوں سے ٹونے ٹوٹکے کروائے، جس کا اثر میرے دماغ پر ہوا، مجھے بھول کا مرض ہو گیا، مگر میں سورہ علق اور سورہ ناس پڑھتی رہی، اللہ نے اس کا اثر زائل کر دیا، وہاں میرے ماما کی لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، بھائی بھی کتاب پڑھنے لگا تو ماما نے مجھے واپس بھیج دیا کہ یہ تو سارے گھر والوں کو ادھرم کر دے گی، گھر پر آ کر پھر مار پیٹ، ایک بار مجھے زہر بھی دیا گیا، ایک بار میرے ہاتھ کی دونوں ہڈیاں توڑ دیں، دو روز تک ہاتھ ٹوٹا رہا، کوئی پٹی کرانے کو بھی تیار نہیں، میری بوا کو معلوم ہوا وہ آئیں اور پلاستر کروالائیں، ایک دفعہ میرے بھائی نے اس زور سے سریہ مارا کہ میری پنڈلی کی ہڈی میں فریکچر آ گیا، مگر میری ہر چوٹ میرے اللہ بہت جلدی ٹھیک کر دیتے، میرے اللہ کا کرم ہوا کہ جب بھی مجھے مارا جاتا، ستایا جاتا مجھے اچھے خواب دکھتے، ، کبھی جنت دکھائی جاتی کبھی کسی صحابی کی زیارت ہوتی، کبھی پیارے نبی ﷺ کی بھی زیارت ہوئی، گھر والے میری ثابت قدمی جسے وہ ضد اور

Marfat.com

ہٹ دھرمی سمجھتے تھے، سے عاجز آ گئے۔

میں ان کی ساری مخالفت کو فانهم لا يعلمون سمجھتی تھی، کیونکہ سیرت پاک کے روشن خطوط میرے ساتھ تھے، اس لئے میں راتوں کو اپنے اللہ کے سامنے بہت روتی تھی اور گھر والوں کے لئے ہدایت کی دعا کرتی تھی، کبھی کبھی اس کیفیت کے ساتھ دعا کرتی کہ میرا گمان ہوتا کہ آج اگر جنت کو زمین پر اتروانے کی ضد کروں گی تو میرے اللہ اتار دیں گے، دعا کے بعد میرا سارا دکھ دور سا ہو جاتا، اللہ کے حضور اس بھکارن کی صدا کو قبولیت سے نوازا گیا، ایک دن میری ماں میرے پاس ایک بجے رات تک روتی رہی، اور بولی کہ لکشمی تو نے گھر کو کیسا نرک بنا رکھا ہے، تو واپس نہ آتی تو اس سے اچھا تھا، میں نے کہا میں پھر گھر سے جانے کو تیار ہوں، بس میری آپ سے ایک شرط ہے کہ دو کتابیں آپ کو دیتی ہوں آپ پڑھ لیجئے، اس کے بعد آپ اگر کہیں گی میں گھر سے چلی جاوں گی، وہ اس پر راضی ہو گئیں، میں نے آپ کی امانت اور نسیم ہدایت کے جھونکے ان کو دی، وہ بولیں اب تو میرا دماغ تھک گیا ہے، اچھا کل پڑھوں گی، اگلے روز انھوں نے آپ کی امانت پڑھنا شروع کی، میں غور سے ان کے چہرہ کو دیکھتی رہی، ان کے چہرہ پر ان کے دل سے کفر و شرک کے چھٹنے کا اثر دیکھتی رہی، اور اس امید پر خوش ہوتی رہی، پڑھ کر اچانک وہ کتاب بند کر کے بولیں، بس لکشمی میں نہیں پڑھتی تو تو مجھے مسلمان بنا دے گی، میں نے کہا آپ ایک راجپوت گھرانہ کی استری (عورت) ہیں آپ نے زبان دی ہے، یہ دونوں کتابیں آپ کو پڑھنا پڑیں گی، میں نے ان کے پاوں پکڑ لئے، میری ماں میری بات مانو، ورنہ موت کے بعد بہت پچھتانا پڑے گا، میری خوشامد سے وہ پڑھنے لگیں، پوری کتاب پڑھ کر وہ بولیں لکشمی بات تو بالکل سچی ہے، مگر تیری طرح ہمت کون کر سکتا ہے، سب تو لکشمی بائی نہیں ہو سکتیں، میں نے کہا اس کے لئے آپ کو دوسری کتاب پڑھنی پڑے گی۔ نسیم ہدایت کے جھونکے پڑھنا شروع کیا، میں نے عبداللہ اہیر کا انٹرویو نکال کر دیا، تھوڑی دیر میں میری خوشی کی انتہا نہیں رہی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس کے بعد میں نے دوسری کتاب سے زینب چوہان اور عائشہ کے انٹرویو پڑھوائے، بس ان کے دل کی دنیا بدل گئی، رات کو وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں، اور میری ضد اور خوشامد پر کہ ماں جب آپ کی

Marfat.com

سمجھ میں آ گیا ہے تو اب دیر کرنا ہرگز ٹھیک نہیں ہے، اب تک تو آپ اللہ کے یہاں یہ کہہ سکتی تھیں کہ مجھے معلوم نہ تھا، اب تو بات صاف ہو چکی ہے، نہ جانے صبح کو آنکھ کھلے گی کہ نہیں، ایک بجے رات کو میں نے ان کو کلمہ پڑھوایا، اب تو بیان نہیں کرسکتی کہ میری کیسی عید ہو گئی تھی، اب میرے لئے گھر میں رہنا بالکل آسان ہو گیا تھا، ماں کے اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے اپنی ساری دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین سا ہو گیا، میں نے دعا کے صدقہ کے طور پر اپنے والد کے اسلام کے قبول کرنے کی خوشی میں چالیس روزے رکھنے کی نذر مانی، اور دعا کا اہتمام کیا، ایک رات وہ بھی مجھ سے کہنے لگے، لکشمی شروع میں تو تو اپنے چاچا کی وجہ سے مسلمان ہوئی، مگر اتنی مشکل کے بعد اب تجھے اسلام پر کون سی چیز ہٹ دھرم بنا رہی ہے، میں نے ان سے بھی آپ کی امانت آپ کی سیوا میں اور ہمیں ہدایت کیسے ملی؟ پڑھنے کو کہا، وہ لے کر کھول کر دیکھنے لگے، دو شبد پڑھے تو وہ پڑھنے لگے، رات کو سوئے تو انھوں نے اپنے کو داڑھی اور ٹوپی میں نماز پڑھتے دیکھا اور جب وہ مسجد میں گئے تو ان کو ایسا لگا کہ آسمان سے ٹھنڈی پھوار جس میں نور بھی ہے، ان کے اوپر برس رہا ہے، انہوں نے اس میں عجیب سکون دیکھا اور مجھ سے لے کر اسلام کیا ہے؟ کتاب پڑھی، مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ رہبر انسانیت، اسلام کے پیغمبر پڑھیں، اور نسیم ہدایت کے جھونکے تینوں حصے پڑھے، پھر مجھ سے کہا کہ مولانا کلیم صاحب سے مجھے کسی طرح ملوا دے، بہت کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہو سکا، اس کے بعد انھوں نے ایک اور خواب دیکھا، جس کے بعد وہ خود بھی مسلمان ہونے کو کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو کلمہ پڑھوایا، بڑے بھائی ہم لوگوں کے فیصلہ سے ناراض رہے اور چھ مہینے کے لئے گھر چھوڑ کر چلے گئے، وہ گوالیر رہے، وہاں بہت پریشان رہے، ایک مسلمان لڑکے نے ان کے ساتھ بہت سلوک کیا، وہ گھر آئے اور دو تین بار سمجھانے کے بعد مسلمان ہو گئے، اور چھوٹا بھائی اور بہن تو والد صاحب کے ایک دو دن کے بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے، اب چاچا پر کوشش شروع کی اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ بھی کے بھوپال اجتماع سے چالیس دن لگا چکے ہیں، میرے اللہ کا کرم ہے میرے خونی رشتہ کا کوئی قریبی عزیز ہمارے گھرانہ میں کافر و مشرک نہیں رہا۔

الحمدللہ میں اس اللہ کی رحمت کے قربان، کہ میرے چاچا پر شہوت اور درندگی کا شیطان

Marfat.com

سوار کرا کے اللہ نے مجھے اور چاچا اور سارے خاندان کو دعوت دلوا کر ہدایت سے نوازا، حضرت نے نسیم ہدایت کے جھونکے کے شروع میں واقعی کیسی سچی بات لکھی ہے:

''ہدایت کی کیسی ہوا اللہ نے چلائی ہے۔''

میری درخواست قارئین سے یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے نبی ﷺ کے اسوہ سے روشنی لیتے ہوئے دھن سوار کر لے کہ دوزخ سے انسانیت کو بچانا ہے تو اس وقت ہدایت کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھوک میں ہو رہا ہے، نہ جانے کتنے خالد بن ولید، سیف من سیوف اللہ، اور کتنی لکشمی بائی فاطمہ اور رقیہ بن سکتی ہیں۔

ہم کو کمال حاصل ہے غم سے خوشیاں نچوڑ لینے کا

☆☆☆☆☆

Marfat.com

میں نے لیڈی ڈیانا سے شادی کیوں نہیں کی؟

ڈاکٹر حسنات پہلی بار حقائق سے پردہ اٹھا رہے ہیں

(ڈاکٹر حسنات ایک پاکستانی ڈاکٹر ہیں جو دل کے امراض کے ماہر ہیں اور آپ کا تعلق لاہور سے ہے۔ لیڈی ڈیانا کی موت کے بعد اخبارات میں بہت چرچا رہا کہ لیڈی ڈیانا ان کے عشق میں مبتلا تھی اور اسی میں ماری گئی مگر ڈاکٹر حسنات اس سے شادی پر تیار نہ ہوئے۔ ڈاکٹر حسنات نے اس بارے میں ہمیشہ خاموشی اختیار کی مگر اب تقریباً ایک دہائی سے بھی زیادہ گزرنے کے بعد انہوں نے اپنی خاموشی توڑی ہے اور بتایا ہے کہ ان کی اور لیڈیا ڈیانا کی دوستی کیسے ہوئی اور پھر کیوں ان کی علیحدگی ہوئی اور شادی نہ ہوسکی۔ ان کا یہ خصوصی انٹرویو برطانوی اخبار دی سن نے شائع کیا ہے جس کا ترجمہ قارئین کے لئے پیش ہے۔)

لیڈی ڈیانا کی موت کی ایک دہائی سے زیادہ گزر چکی ہے مگر میں اسے اب بھی نہیں بھلا سکا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی اس بارے میں لب کشائی نہیں کی نا ہی کبھی اس معاملے کو کیش کرانے کی کوشش کی۔ اگر میں اس معاملے پر بولتا تو میرے الفاظ سونے میں تولے جاتے کیونکہ سبھی یہ جاننے کے لئے بے تاب تھے کہ اصل میں میرے اور شہزادی ڈیانا کے درمیان ہوا کیا تھا۔ وہ دنیا کی سب سے مشہور اور ہر دلعزیز خاتون تھیں۔ حتیٰ کہ میں نے عدالت میں ان کی موت کی تحقیقات کے دوران بھی عدالت میں بیان دینے سے انکار

Marfat.com

کردیا تھا۔ میں اس کی وجہ بتاتا ہوں کہ ڈیانا سے تعلق نے واقعی میری زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا اور اب بھی میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ جیسا میں رو رہا ہوں۔ ڈیانا سے میری پہلی ملاقات 1995 میں ہوئی تھی۔ میں اس وقت رائیل برمٹن اسپتال میں پی ایچ ڈی کرر ہا تھا اور میرا مضمون دل کے امراض تھے۔ یعنی میں دل کا ڈاکٹر تھا۔ اس وقت میری عمر 36 سال تھی۔ یہاں ڈیانا اکثر آتی تھی اور یہاں سے ہماری ملاقاتیں شروع ہوئیں جو بعد میں تعلق داری میں بدل گئیں۔ ڈیانا نے مجھے کوڈ نام آرمانی دے رکھا تھا اور خفیہ رابطوں کے لئے یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ شاہی خاندان کی بہو تھی اور یہ سب کچھ خفیہ ہی رکھنا تھا۔ میں یہ بتاتا چلوں کہ 2006 میں نے پاکستان میں ہی ایک اور شادی کی تھی مگر وہ بھی ناکام رہی اور ختم ہوچکی ہے۔ یہ مکمل طور پر ارینج شادی تھی اور رشتہ داروں میں ہی ہوئی تھی۔ میں نے اپنا زیادہ تر وقت ملائیشیا میں کام کرتے ہوئے گزارا ہے اور میری کوشش یہ ہے کہ میں لاہور میں بچوں کا دل کا ایک اسپتال بناؤں۔ دعا کریں کہ میری یہ کوشش کامیاب ہوجائے۔ ہاں تو میں بات کرر ہا تھا لیڈی ڈیانا سے اپنی تعلق کی۔ میرا اور لیڈی ڈیانا کا تعلق دو سال تک رہا آپ اسے رومانس کہہ سکتے ہیں۔ اس دوران مجھے یہ پتہ چلا کہ ڈیانا کی شدید خواہش تھی کہ اس کی ایک بیٹی ہوتی، اس کے دو بیٹے تھے مگر وہ بار بار کہتی تھی کہ اسے ایک بیٹی کی ضرورت یا خواہش ہے۔ شاید وہ مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ شادی کے بعد ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ ہمیں ایک بیٹی عطا کردے۔ لوگ بار بار ایک سوال پوچھتے ہیں کہ آخر میں نے لیڈی ڈیانا کی محبت کو دھتکارا کیوں؟ اس پر مجھے خاصہ لعن طعن کیا گیا مگر میں آج یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری جدائی میری طرف سے نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ ڈیانا ہی تھی جس نے بے وفائی کی اور ایک اور مرد سے بھی ملنا شروع کردیا حالانکہ عین اسی دوران وہ مجھ سے بھی شادی کی بات کرر ہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے لئے بہت دکھ لئے ہوئے تھا اور میں نے ڈیانا سے کہا تھا کہ ڈیانا یہ سب کچھ تمھیں برباد کر کے رکھ دے گا اور ایسا ہی ہوا۔ جس شخص سے ڈیانا نے ملنا شروع کیا تھا وہ دودی الفائد ہی تھا جس کے ساتھ گاڑی میں ڈیانا ہلاک ہوگئی۔

بہرحال میں یہ بتا رہا تھا کہ میری اور ڈیانا کی پہلی ملاقات کیسے ہوئی۔ اس ملاقات

میں، میں نے ڈیانا کو اپنے گھر مدعو کیا، یہ ایک رسمی سی دعوت تھی مگر ڈیانا نے اسے فوری طور پر قبول کرلیا۔ میرا گھر ایسٹ لندن میں سٹریٹ فورڈ میں تھا۔ بس اس ملاقات کے بعد ہماری دوستی گہری ہوگئی اور پھر ہم کھانا کھانے باہر ایک ساتھ جانے لگے اور اس سے ہماری دوستی محبت میں بدل گئی۔ یہ ایک نارمل برطانوی محبت تھی جیسا کہ عام برطانوی بھی کرتے ہیں۔

اس دوران ہمارے درمیان شادی کے لئے کئی بار مباحثے ہوئے۔ ڈیانا نے کئی بار شادی کی بات کی مگر میں اسے یہ سمجھاتا رہا کہ اس سے میری زندگی پر بہت گہرا اثر پڑے گا کیونکہ بہر حال وہ ایک شہزادی ہے اور دنیا میں سب سے مقبول خاتون بھی۔ ہم ایک نارمل زندگی صرف پاکستان میں ہی گزار سکتے تھے اور میں نے اسے یہ بات بتائی تھی مگر ہمارے درمیان کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہوسکا تھا۔ یعنی اس بات پر تو اتفاق تھا کہ ہماری شادی ہونی چاہیے مگر کہاں، کب اور کیسے پر اتفاق نہ ہوسکا تھا۔ اس دوران ڈیانا کے ذاتی خادم بٹلر نے ایک پیر صاحب سے ملاقات بھی کی تاکہ وہ دعا کریں اور کسی طرح ہماری شادی ہوجائے۔

یہ آئیڈیا ڈیانا کا تھا میرا نہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ علم نہ تھا پھر اچانک ڈیانا نے بتایا کہ وہ جادوگروں اور پیروں کی خدمات حاصل کررہی ہے تاکہ کسی طرح ہماری شادی ہوجائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈیانا بس آنکھیں بند کر کے میرے ساتھ شادی کرنے پر زور دے رہی تھی اور اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس بارے میں وہ سوچنے پر تیار نہ تھی۔ بس اسی بات پر ہماری بحث ہوتی تھی کہ ہم آنکھیں بند کر کے شادی نہیں کرسکتے تھے۔ ہاں ایک بات اور، ہمارے درمیان کبھی یہ نہیں طے ہوا تھا کہ ڈیانا مجھ سے شادی کے لئے اسلام قبول کرلے گی۔ ڈیانا سے دوستی اور تعلق کے دوران مجھے بہت دھمکیاں ملتی رہتی تھیں، اس دوران ڈیانا کی والدہ نے بھی اس سے بات چیت بند کردی تھی کیونکہ وہ اس کی میرے ساتھ دوستی اور تعلق پر بہت ناراض تھی۔ اس وقت تک سب کچھ نارمل ہی چل رہا تھا مگر مجھے اچانک لگا کہ ڈیانا نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ وہ ایک دن چھٹی گزارنے الفائد کے پاس گئی اور جہاں اس کے بیٹے ڈوڈی سے ملی اور یقیناً یہ مجھے برا لگا۔ میں نے ڈیانا کو کہا کہ وہ الفائد کے بیٹے ڈوڈی سے کیوں مل رہی ہے؟ اس بات پر ہمارے درمیان تلخی پیدا ہوئی مگر ڈیانا کا کہنا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور وہ ایک نارمل سی ملاقات تھی۔ جب کہ میرا

Marfat.com

خیال تھا کہ کوئی ہے جو ہمارے درمیان تعلق ختم کرانے کے لئے اس قسم کی سازشیں کر رہا ہے اور اسی نے یہ ملاقات طے کرائی تھی مگر ڈیانا اسے ماننے پر تیار نہ ہوئی۔ میں نے بہر حال ڈیانا کو بتا دیا تھا کہ وہ اپنی تباہی کے راستے پر چل رہی ہے۔ اس تلخی کے بعد ہمارے درمیان دراڑ پیدا ہوگئی اور ڈیانا ڈوڈی کے پاس چلی گئی۔ جس رات وہ ہلاک ہوئی، اسی رات میں اسے کافی دیر تک فون کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اس سے بات نہ ہوسکی اور پھر اس کی موت کی اطلاع آ گئی۔ ڈیانا کو اپنی حفاظت سے متعلق خطرات تو تھے مگر ایسا ہوگا کبھی سوچا تک نہ تھا۔ یہ تھی ہماری دو سالہ محبت کی کہانی۔ اس میں میرا قصور کہاں ہے؟ یہی سوال میں سب سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆

بیٹیوں کو دوبارہ ہندو بنانے میں ناکامی:

ہندو کمیونٹی چیف جسٹس سے سخت ناراض

سندھ میں اسلام قبول کر کے تہلکہ مچا دینے والے سابق ہندو لڑکیوں، فریال، حلیمہ اورحفصہ نے طویل قانونی جدوجہد کے بعد سپریم کورٹ میں شوہروں کے ساتھ جانے پر رضا مندی ظاہر کر دی ہے۔ سندھ پولیس کے مطابق تینوں کو ان کے شوہروں کیساتھ جانے کی اجازت ہے۔ تینوں کو ان کے شوہروں سے کافی عرصے بعد ملاقات کرائی گئی۔ پولیس کیمطابق تینوں نومسلم خواتین کو شوہروں کے ساتھ روانہ کر دیا گیا جب کہ ان لڑکیوں نے اپنے والدین اور دیگر برادری سے فوری طور پر ملنے سے انکار کیا کیونکہ انہیں گزشتہ تین ہفتوں سے جس جگہ رکھا گیا تھا وہاں ان کی والدین سے ملاقات کرائی گئی تھی جس میں والدین ان پر جذباتی دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ دوبارہ ہندو ہو جائیں اس لئے انہوں نے سپریم کورٹ میں اپنے والدین سے ملنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت جلد اپنے والدین سے ملیں گی تب تک معاملات کچھ ٹھنڈے ہو چکے ہوں گے اور ان کے والدین ان کے قبول اسلام کو دل سے قبول کر چکے ہوں گے۔

عدالت نے ان تینوں لڑکیوں فریال بی بی (رنکل کماری) ڈاکٹر حفصہ (ڈاکٹر لتا) اور حلیمہ بی بی (آشا) کو اپنی مرضی سے شوہر یا والدین کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی اور پولیس کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان خواتین کو ان کی بتائی گئی جگہ حفاظت سے پہنچائے اور رپورٹ (آج) جمعرات کو رجسٹرار سپریم کورٹ کو دی جائے۔ جبکہ جس علاقے میں چھوڑا

Marfat.com

جائے وہاں کی پولیس بھی لڑکیوں کو تحفظ فراہم کرے اور ہر 15 روز بعد رپورٹ رجسٹرار کو دی جائے۔ عدالت نے تینوں لڑکیوں کو پولیس کے ہمراہ رجسٹرار آفس میں بھیجا کہ وہ وہاں جاکر آزادانہ طور پر بیان دیں کہ انہوں نے والدین یا شوہروں میں سے کس کے ساتھ جانا ہے۔ ان احکامات کے ساتھ عدالت نے تینوں لڑکیوں سے متعلق کیس نمٹا دیا۔ رجسٹرار آفس میں تینوں لڑکیوں نے بیان دیا کہ وہ اپنے اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں جس پر ان کو پولیس کی نگرانی میں ان کے سسرال بھجوا دیا گیا۔ تاہم عدالت نے مذہب کی تبدیلی سے متعلق دائر درخواست کی سماعت دو ہفتے کیلئے ملتوی کرتے ہوئے حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اس سلسلے میں اپنا جواب داخل کرے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے کیس کی سماعت کی۔ اس موقع پر کمرہ عدالت میں ان لڑکیوں کے والدین اور ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد کے علاوہ بعض این جی اوز کی نمائندہ خواتین بھی موجود تھیں۔ کمرہ عدالت میں گزشتہ سماعت پر پیش آنے والی بدنظمی کے پیش نظر سکیورٹی کے سخت انتظامات کئے گئے تھے۔ کیس کی سماعت ختم ہونے کے بعد تینوں لڑکیوں کو عدالت میں ہی بٹھائے رکھا گیا۔ بعد ازاں سپریم کورٹ پولیس کی جانب سے انتظامات کئے جانے کے بعد ان تینوں لڑکیوں کو ججوں کے آنے جانے کے راستے سے رجسٹرار کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ سماعت کے بعد ان لڑکیوں کے والدین اور رشتہ داروں نے کمرہ عدالت کے باہر ہی اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ بعد ازاں انہوں نے سپریم کورٹ کے باہر احتجاج بھی کیا۔ سماعت شروع ہوئی تو فریال بی بی (رنکل کماری) کے شوہر نوید شاہ کے وکیل مجیب پیرزادہ پیش ہوئے۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ نوید شاہ اور فریال بی بی (رنکل کماری) کے گھر آمنے سامنے ہیں جبکہ فریال بی بی (رنکل کماری) نوید شاہ کی بہن کے ساتھ کالج میں پڑھتی ہے اور ان کا پڑوسی ہونے کی وجہ سے والدین سمیت ایک دوسرے کے گھروں میں بھی آنا جانا ہے۔ شادی کے بعد فریال بی بی (رنکل کماری) کے انکل کی درخواست پر نوید شاہ کے خلاف فریال بی بی (رنکل کماری) کو اغوا کرنے کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ پولیس نے نوید شاہ اور فریال بی بی (رنکل کماری) دونوں کو میرپور ماتھیلو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جہاں فریال بی بی (رنکل کماری) کا 164 کا بیان

Marfat.com

ریکارڈ کیا گیا جس میں اس نے کہا کہ میں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر کے نوید شاہ کے ساتھ شادی کی ہے اور اس کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں جس پر مجسٹریٹ نے اسے اپنی مرضی سے نوید شاہ کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی اور نوید شاہ کے خلاف درج مقدمہ خارج کر دیا گیا۔ اب دونوں میں سے کسی کے خلاف کوئی کیس نہیں، دونوں اس ملک کے شہری ہونے کے ناتے مرضی کی زندگی گزارنے کا قانونی حق رکھتے ہیں اس لئے عدالت سے استدعا ہے کہ ان کو مرضی کی زندگی گزارنے کی اجازت دی جائے۔ وکیل مخالف منیر اے ملک نے کہا کہ کون کتنا مرضی سے زندگی گزار سکتا ہے، اس بارے میں عدالت بخوبی آگاہ ہے۔ چیف جسٹس نے ان سے کہا کہ لڑکیوں کو سوچنے اور فیصلہ کرنے کیلئے کراچی میں جسٹس (ر) ماجدہ رضوی کے پاس رکھا گیا تھا، لڑکیاں بالغ اور پڑھی لکھی ہیں وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خود ہی بہتر فیصلہ کرسکتی ہیں، ہم زبردستی نہیں کریں گے اس لئے کیوں نہ معاملہ ان کی مرضی پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ منیر اے ملک نے اس تجویز کی مخالفت نہیں کی۔ جس پر عدالت نے فریال بی بی (رنکل کماری) اور ڈاکٹر حفصہ (ڈاکٹر لتا) کو روسٹرم پر بلایا اور ان کے سامنے یہ فیصلہ دیا کہ وہ رجسٹرار آفس میں جا کر اپنا بیان دیں کہ وہ کس کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ پولیس حفاظت کے ساتھ ان کو وہاں پہنچائے گی۔ جیکب آباد کی رہائشی حلیمہ بی بی (آشا) نے بھی روسٹرم پر آ کر کہا کہ اس کی عمر 19 سال ہے وہ بالغ ہے، اس نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا اور شادی کی۔ اس نے عدالت ہی میں کہا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہتی ہے عدالت نے اسے بھی رجسٹرار کے پاس بھیج دیا اور مقدمہ نمٹا دیا۔ مذہب تبدیلی کے حوالے سے درخواست پر عدالت نے ڈپٹی اٹارنی جنرل راجہ علیم عباسی سے پوچھا کیا حکومت نے جواب داخل کرا دیا ہے، ہم نے نوٹس بھی جاری کئے تھے تو انہوں نے کہا کہ جواب ایک دو روز میں داخل کر دیا جائے گا جس پر جسٹس خلجی عارف حسین نے کہا کہ حکومت ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہے کوئی بھی معاملہ ہو عدالت آرڈر کرتی ہے مگر حکومت کی جانب سے کوئی تیاری نہیں ہوتی۔ مذہب تبدیلی کے حوالے سے کوئی قانون سازی کی جاچکی ہوتی تو آج یہ مسائل پیدا نہ ہوتے یہ کام پارلیمنٹ کا ہے عدالت نے حکومت کو دو ہفتوں میں جواب داخل کرنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

نومسلم لڑکیوں کے اس فیصلے پر ہندو کمیونٹی سپریم کورٹ سے سخت ناراض ہوگئی ہے اور سپریم کورٹ پر بھی اپنی لڑکیاں اغوا کرنے کا الزام عائد کردیا ہے۔ سندھ کی تین ہندو لڑکیوں کے والدین نے الزام لگایا ہے کہ سپریم کورٹ میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک رکھا گیا اور سماعت کے بعد انہیں ان کی بیٹیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے تین رکنی بینچ نے سندھ میں ہندو لڑکیوں کے اغوا اور ان کی جبرا شادی کے معاملے میں پاکستان ہندو کونسل کی جانب سے دائر درخواست کی سماعت کی۔ بدھ کو ضلع گھوٹکی کی رہائشی رنکل کماری، جیکب آباد کی رہائشی ڈاکٹر لتا اور آشا کماری کو عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس موقع پر جب ایک خاتون پولیس اہلکار رنکل کماری کا ہاتھ پکڑ کر انہیں عدالت میں پیش کر رہی تھیں تو چیف جسٹس نے خاتون پولیس اہلکار سے کہا کہ ان کا ہاتھ کیوں پکڑا ہے، یہ کوئی ملزم تھوڑی ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ تینوں لڑکیاں اب آزاد ہیں اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکتی ہیں اس لیے پولیس انہیں مکمل تحفظ فراہم کرے۔ لڑکیوں کے والدین نے کمرِ عدالت میں اپنی بیٹیوں سے ملنے کی کوشش کی لیکن پولیس نے انہیں ملنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ نومسلم لڑکیوں کا کہنا تھا کہ وہ ابھی اپنے والدین سے ملنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں مگر بہت جلد وہ والدین سے ملیں گے۔ اس کے بعد عدالت نے تینوں لڑکیوں کو رجسٹرار کے پاس اپنا بیان ریکارڈ کرنے کا حکم دیا۔ جیکب آباد کے ڈی ایس پی غلام احمد اعوان نے عدالت کے باہر صحافیوں کو بتایا کہ تینوں لڑکیوں نے اپنے بیان میں اپنے شوہروں کے ساتھ جانے کی رضامندی ظاہر کی ہے۔

لڑکیوں کی مائیں اپنی بیٹیوں سے ملنے کے لیے بے تاب تھیں اور وہ عدالت کے اندر اور باہر روتی رہیں۔ رنکل کماری کی والدہ سلچھنی نے میڈیا بات چیت کرتے ہوئے الزام عائد کیا کہ پاکستان میں ہندوں کے ساتھ اتنا ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ ہندں کے ساتھ اتنا ظلم کیوں؟ ہماری نوجوان لڑکیوں کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کو اپنی اولاد پیاری ہے تو ہم ہندں کو بھی پیاری ہے۔ اگر آپ ہندؤں کو اس ملک سے نکالنا چاہتے ہیں تو سیدھے طریقے سے کہیں، ہماری لڑکیوں کو اغوا کیوں کرتے ہیں؟

Marfat.com

لڑکیوں کے والدین نے عدالتی فیصلے پر مایوسی ظاہر کی اور کہا کہ وہ بڑی امید لے کر سپریم کورٹ پہنچے تھے لیکن یہاں بھی ان کو انصاف نہیں ملا اور انہیں ان کی بیٹیوں سے ملنے نہیں دیا گیا۔

آشا کماری کے والد موہن نے بتایا کہ عدالت میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا۔انہوں نے بتایا کہ عدالت نے ہمیں ایک منٹ کیلیے بھی ہماری بیٹی سے ملنے نہیں دیا جبکہ جن لوگوں نے ہماری بیٹی کو اغوا کیا اور زبردستی مسلمان کیا ان سے ملنے دیا گیا۔ ہندو کمیونٹی نے عدالتی فیصلے پر مایوسی ظاہر کی اور لڑکیوں کے والدین کے ہمراہ کچھ اقلیتی رہنماؤں نے احتجاجی مظاہرہ کیا اور شاہراہ دستور پر دھرنا دیا۔ ہندو کمیونٹی اور لڑکیوں کے والدین نے الزام لگایا کہ گھوٹکی سے حکمراں جماعت پیپلز پارٹی کے رکن قومی اسمبلی میاں مٹھو نے ان کی لڑکیوں کو اغوا کروایا اور انہیں زبردستی مسلمان بنا کر ان کی شادیاں کروا دیں تاہم میاں مٹھو نے ان الزامات کو مسترد کر دیا اور کہا کہ اگر خود لڑکیاں اب والدین کے پاس نہیں جانا چاہتیں تو وہ کیا کر سکتے ہیں، ان لڑکیوں نے سب کے سامنے اور کئی عدالتوں میں بیان دیا ہے اور خود سپریم کورٹ میں بھی کہہ دیا کہ وہ والدین کے بجائے شوہروں کے ساتھ جانا چاہتی ہیں تو وہ کیا کریں۔

دوسری جانب جامعہ بنوریہ سے جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیہ میں جید علما کرام نے سپریم کورٹ کی جانب سے نومسلمہ فریال شاہ اور ڈاکٹر حفصہ کو ان کی مرضی کے مطابق شوہروں کے ساتھ جانے کے تاریخی فیصلے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے مسلمانان پاکستان کے جذبات کی ترجمانی قرار دیا کیونکہ یہ فیصلہ قرآن کے احکامات اور ملکی قوانین کے عین مطابق ہے۔علما کرام نے مزید کہا کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ نومسلمہ فریال بی بی، ڈاکٹر حفصہ اور ان کے شوہروں کو مکمل تحفظ فراہم کرے کیونکہ متعصب ہندو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مغرب پروردہ این جی اوز، چند مفاد پرست قوم پرستوں اور زرد صحافت کے علمبردار اینکرز پرسنز نے اس کیس میں خوف خدائی تو درکنار حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور منفی پروپیگنڈہ کرنے کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن اللہ رب العزت نے نومسلمہ بہنوں کو استقامت دیکر اسلام کو غالب کیا۔

☆☆☆☆☆

بارہ برس تک قبول اسلام کا ڈرامہ کر کے بڑے بڑے بزرگوں کو لوٹا۔ ایک نومسلم کی حیرت انگیز داستان

مشہور ہے کہ بارہ برس میں کوڑی کے دن بھی بحال ہو جاتے ہیں مگر میں نہ ہو سکا۔ میرا سابق نام سوہن ویر ہے اور اسلامی نام مزمل ہے۔ مجھے بارہ برس اسلام قبول کیے ہوئے ہو گئے، بلکہ اگر میں کہوں کہ اسلام قبول کرنے کا ڈھونگ بھرے ہوئے، تو یہ بھی صحیح ہے۔ میں نے اپنے قبول اسلام کو اپنا بزنس بنا رکھا تھا اور اس کے ذریعے نیک مسلمانوں کو خوب لوٹا، ان کی لڑکیوں سے شادیاں کیں اور پھر چھوڑ کر بھاگ نکلا، میرا طریقہ واردات یہ ہوتا تھا کہ جس بزرگ سے بیت ہوتا تھا اسی کو ٹھگتا تھا پھر دوسرے شہروں میں ان کے مریدیوں کو ٹھگتا تھا۔

میں نے ہر دفعہ اسلام قبول کرنے کے لئے کہہ کر کلمہ پڑھا، سب سے پہلا ڈرامہ میں نے جون میں کلمہ پڑھنے کا کیا، جب تھانہ بھون کے ایک بڑے آدمی چودھری صاحب مجھے حضرت کی خدمت میں لے کر آئے تھے، اس کے بعد میں ضرورت کے لحاظ سے بار بار کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا ڈرامہ کرتا رہا، لیکن مارچ کو مجھے حضرت نے جامع مسجد پھلت میں دس بج کر بائیس منٹ پر کلمہ پڑھوایا تھا اس کے بعد سے کوشش کرتا ہوں کہ اس پر جمع رہوں، ہمارے حضرت کہتے ہیں کہ مجھے ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ ایمان رہا کہ نہیں، اس خوف سے مغرب کے بعد اور فجر کے بعد ایک دفعہ روزانہ ایمان قبول کرنے کے لئے کلمہ پڑھتا ہوں، آپ نے تو سنا ہو گا، کوئی نومسلم آ کر کہتا ہے کہ میں نومسلم ہوں، حضرت معلوم

Marfat.com

کرتے ہیں کب مسلمان ہوئے؟ تو وہ بتاتا ہے کہ دو مہینے ہو گئے، دو سال ہو گئے۔ حضرت کہتے ہیں کہ آپ تو مجھ سے پرانے مسلمان ہو، میں نے ابھی فجر کے بعد اسلام قبول کیا ہے یا مغرب کے بعد، حضرت تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر بچہ سچے نبی کی سچی خبر کے مطابق مسلمان پیدا ہوتا ہے، تو اب آپ نو مسلم کہاں ہوئے آپ تو پیدائشی مسلمان ہیں، الحمد للہ جون سے روزانہ صبح وشام ایمان کی تجدید کرتا ہوں دن رات میں کبھی کبھی درمیان میں بھی کلمہ پڑھ لیتا ہوں، کہ شاید ابھی موت کا وقت قریب ہو۔

میں آج کل حضرت کے حکم سے سہارن پور کے ایک مدرسہ میں پڑھ رہا ہوں، یہ تو آپ کے علم میں ہے کہ میں اگست میں چار مہینے جماعت میں لگا کر آیا، اور قرآن شریف ناظرہ اور حفظ سات مہینے میں مکمل کیا، اپریل کو میرے حضرت ہمارے مدرسہ میں تشریف لائے، میرے ختم قرآن کی دعا ہوئی، حضرت پر اس قدر رقت طاری تھی کہ تقریر کرنا مشکل ہو گیا اور چالیس منٹ کی دعا کرائی، سارا مجمع روتا رہا، حضرت نے پروگرام کے بعد کھانا کھاتے ہوئے یہ بات کہی کہ آج مجھے مزمل کے حفظ کی جتنی خوشی ہوئی اگر اللہ نے بخش دیا اور جنت میں جانا ہوا تو شاید اتنی خوشی بس اس روز ہو گی، اس کے بعد میں نے دور کیا اور الحمد للہ میں نے جماعت میں عادل آباد میں وقت لگایا، اور ساتھیوں کو قرآن شریف سنایا، اس سال الحمد للہ عربی پڑھنی شروع کر دی ہے، میں نے حضرت سے وعدہ کیا ہے کہ انشا اللہ جلد حضرت کو عالمیت کی سند دکھانی ہے، ثم انشا اللہ۔

حضرت سے میں نے معلوم کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا قرآن پڑھنے کا معمول تھا تو حضرت نے بتایا کہ ایک منزل روزانہ، اور بہت سے صحابہ کرام کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس معمول کا ذکر آتا ہے، میں نے عید کے بعد سے تہجد میں ایک منزل پڑھنا شروع کیا ہے، چند دنوں کے علاوہ جب مجھے ڈینگو ہو گیا تھا الحمد للہ ابھی تک ناغہ نہیں ہوا، ہمارے مدرسہ میں صفر گھنٹے میں ترجمہ قرآن پڑھایا جاتا ہے، الحمد للہ مجھے خاصا قرآن سمجھ میں آنے لگا ہے، کبھی کبھی بہت ہی مزا آتا ہے۔

اصل میں آپ کو معلوم ہے، میں تھانہ بھون کے قریب ایک بھنگی خاندان میں پیدا ہوا، ہمارے خاندان والے گاؤں کے چودھریوں کے یہاں صفائی وغیرہ کرتے تھے، میرے

Marfat.com

پتاجی دسویں کلاس تک پڑھے ہوئے تھے،اور سوسائٹی میں ملازم ہو گئے تھے، میری ماں بھی پڑھی لکھی ہیں، وہ ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر ہیں انھوں نے ہی مجھے پڑھایا، میں بہت ذہین تھا، ہائی اسکول میں فرسٹ ڈویژن پاس ہوا، گیارہویں کلاس میں پہلے مجھے شراب کی لت لگی پھراور دوسرے خطرناک نشوں کا عادی ہو گیا،اوراس طرح کے لڑکوں کے ساتھ بری سنگتی (صحبت) ہوگئی، ان میں ایک دو مسلمان بھی تھے،انٹر پاس کر کے میری ماں مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتی تھیں، مگر میں آوارہ لڑکوں کے ساتھ لگ گیا، کچھ رفتار میری ایسی تیز تھی کہ جدھر جاتا آگے نکل جاتا تھا، تھانہ بھون میں ایک گوجر زمین دار کے بیٹے کے ساتھ میرے تعلقات بڑھے جو نشہ کی وجہ سے بنے تھے،ان کے یہاں حضرت ایک بار ناشتہ کے لئے آئے تھے، میں وہاں موجود تھا،حضرت سے چودھری صاحب کے بڑے بیٹے نے میری ملاقات کرائی،تو حضرت نے ان کے بیٹے جو میرے ساتھی تھے الطاف سے کہا کہ اپنے دوست کی خبر لو ورنہ یہ تمھیں دوزخ میں پکڑ کر لے جائے گا،الطاف کے بڑے بھائی نے مجھ سے کہا: سوہن ویر کب تک تو اچھوت رہے گا مسلمان ہو جا، میں نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں گا تو مسلمانوں میں میری شادی ہو جائے گی؟ اس نے کہا: ہو جائے گی۔ میں نے سوچا: چلو دیکھتے ہیں، ایک دفعہ مسلمان ہو کر دیکھتے ہیں، اگر جمے گا تو اچھا ہے ورنہ پھر اپنے گھر آ جاؤں گا۔ میرے پتاجی (والد) کا تو شراب کی لت میں 25 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا، میری ماں میری وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی، الطاف کے بڑے بھائی مسرور مجھے لے کر پھلت پہنچے، حضرت نے مجھے کلمہ پڑھوایا، میرٹھ بھیج کر میرے کاغذ بنوائے اور مجھے جماعت کے لئے دہلی مرکز بھیج دیا گیا، ہماری جماعت بھوپال گئی، حضرت نے یہ کہہ کر پیسے ابا الیاس سے دلوائے کہ یہ قرض ہے، جماعت سے واپس آ کر تم کام پر لگو گے تو واپس کرنے ہیں، جب یہ جیب خرچ ختم ہو گیا تو میں نے امیر صاحب سے کہا کہ میں نے گھر فون کیا تھا، میری ماں بہت بیمار ہے مجھے بلایا ہے، امیر صاحب سے سترہ سو روپے لے کر میں جماعت سے واپس آ گیا، سترہ سو روپے شراب اور گولیوں وغیرہ میں خرچ کیے اور تھانہ بھون پہنچا، وہاں لوگوں سے کہا کہ جماعت سے مجھے امیر صاحب نے بھگا دیا کہ تم نومسلم ہو ہمیں مرواؤ گے کیا؟ تمھارے گھر والے ہمارے سر ہو جائیں گے، یہ کہا اور مجھے بھگا

دیا، مجھے کرایہ کے پیسے بھی نہیں دیئے، الطاف نے حضرت کو فون کیا حضرت نے کہا کہ ہم معلوم کریں گے، ایسا نہیں ہوسکتا، پھر بھی اگر کوئی جماعت علاقہ میں کام کررہی ہو، اس میں جوڑ دیں، انھوں نے تھانہ بھون مرکز جاکر معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ کیرانہ کے علاقہ میں ایک اچھی جماعت کام کر رہی ہے، مجھے جماعت کے ایک ساتھی لے کر کیرانہ جاکر دوسری جماعت میں جوڑ کر چلے آئے، جماعت میں امیر صاحب نے خرچ کی رقم امانت کے طور پر ایک ماسٹر صاحب کے پاس رکھ دی تھی، تین روز تو میں ہمت کر کے جماعت میں رہا، مگر میرے لئے مشکل تھا کہ میں اتنی محنت کروں، میں نے رات ماسٹر صاحب کے جواہر کٹ سے پیسے نکالے اور فرار ہوگیا، جب تک پیسے رہے تفریح کرتا رہا اور پھر پھلت پہنچا، حضرت سے بڑی مشکل سے وقت لے کر تنہائی میں ملاقات کی، حضرت سے معافی مانگی اور کہا کہ پہلے میری شادی کرادیں، حضرت نے مجھے سمجھایا کہ جب تک تم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو گے کون اپنی لڑکی دے گا، تم خود سوچو، اگر تمہاری کوئی بیٹی ہو تو تم بے روزگار لڑکے سے شادی کیسے کروگے؟ کچھ صبر کرو، اپنے حال کو بنا، دیکھو تمہاری زندگی کا یہ اہم موڑ ہے، ہمیں تم سے صرف تمہارے مستقبل کے لئے تعلق ہے، تم اچھی زندگی گذاروگے تو خوشی ہوگی، مجھے بہت سمجھایا، مگر میری سمجھ میں بات نہ آئی، واپس آیا اور دینک جاگرن کے دفتر میں کھتولی جاکر ایک خبر بنوائی: شادی کا وعدہ پورا نہ ہونے پر ہندو جوان نے اسلام لوٹایا اور اسلام قبول کرنے کا سرٹیفکیٹ ایک لڑکے کے ہاتھ حضرت کے پاس بھجوادیا اور حضرت سے کہلوادیا کہ اسلام مجھے نہیں چاہئے، گھر واپس چلا گیا، ماں مجھے دیکھ کر بہت ناراض ہوئی، لیکن جب میں نے دینک جاگرن دکھایا کہ اسلام چھوڑ کر آیا ہوں تو بہت خوش ہوئی۔ گھر رہ کر پھر وہی کام ماں کو لوٹنا، شروع میں ماں جھیلتی رہی مگر ایک روز جب میں نے زیادہ نشہ کر کے گاؤں کے ایک لڑکے سے لڑائی کی تو وہ بہت پریشان ہوگئی اور بولی بس سوہن مجھے ایسے بیٹے سے اچھا ہے کہ میں بغیر بیٹے کے رہوں، اور میرے گھر سے منہ کالا کر کے مجھے نکال دیا، ایک دوروز میں گھر سے اِدھر اُدھر رہا، مجھے کہیں ٹھکانہ نہیں ملا تو میں نے ہمت کر کے حضرت کو فون کیا، اتفاق سے فون مل گیا، حضرت سے میں نے کہا کہ میں مزمل آپ کا بھگوڑا بول رہا ہوں، حضرت نے کہا: ہمارا بھگوڑا کون ہوتا، میرا بیٹا مزمل بول رہا

ہے، حضرت نے پوچھا: کہاں ہو؟ میں نے کہا: مظفر نگر، حضرت نے کہا: پھلت آجا، ملاقات پر بات ہوگی، میں ۔نے کہا پھلت میں مجھے کون آنے دے گا، حضرت نے کہا آجا میں آج پھلت میں ہوں، ، ۔ ت پہنچا، حضرت نے گلے لگایا، رات کو دیر تک سمجھاتے رہے، اور بولے بیٹا جو کچھ تم اچھا برا کر رہے ہو اپنے ساتھ کر رہے ہو، تم ہمیں ستر بار دھوکہ دوگے ہم فخر کے ساتھ دھوکہ کھائیں گے، اور حضرت عمر کا واقعہ سنایا، حضرت عمر فرماتے تھے دین کے نام پر کوئی ہمیں دھوکہ دے گا تو ہم ستر مرتبہ فخر سے دھوکہ کھائیں گے، مجھے زور دیتے رہے کہ تم جماعت میں ایک پورا چلہ لگالو، میں نے آمادگی ظاہر کی، میرے کاغذات تلاش کرائے تو نہیں مل سکے، دوبارہ میرٹھ بھیج کر کاغذات بنوائے اور مجھے مرکز نظام الدین بھیج دیا گیا، اس بار ایک جاننے والے ساتھی کو سمجھا کر میرے ساتھ کیا، جماعت میں میرا وقت متھرا میں لگا، نشہ کی عادت میرے لئے بہت بڑا مسئلہ تھا، میں بہت ہمت کرتا تھا مگر رکا نہیں جاتا تھا، دوبار میں نے باہر جا کر شراب پی لی، امیر صاحب نے حضرت کو فون کیا، حضرت نے ایک صاحب کو مظفر نگر سے نشہ چھڑانے کی دوا لے کر بھیجا، اس کو کھانے سے نشہ کا مسئلہ حل ہوگیا، مگر اپنی آزاد طبیعت کی وجہ سے میں پورے چلہ میں نے ساتھیوں کی ناک میں دم رکھا، مگر امیر صاحب حضرت کے ایک مرید تھے، ان سے حضرت نے کہہ دیا تھا، اگر آپ نے مزمل کا چلہ پورا لگوادیا تو آپ کو داعی سمجھیں گے ورنہ آپ فیل ہوجائیں گے، انہوں نے لوہے کے چنے چبائے مگر جماعت سے واپس نہیں کیا، چونکہ میرا ذہن بہت اچھا تھا، بالکل یاد نہ کرنے کے بعد بھی میں نے نماز مکمل مع نماز جنازہ کے یاد کرلی، اور کھانے کے، سونے کے آداب، مختلف دعائیں یاد کرلیں، چلہ لگا کر آیا تو حضرت بہت خوش ہوئے، امیر صاحب کو بہت مبارک باد دی اور مجھے دہلی میں ایک جاننے والے کے یہاں نوکری پر لگوادیا، چار ہزار روپے ماہانہ اور کھانا رہنا طے ہوا، ریسپشن پر ڈیوٹی تھی، وہاں پر ایک لڑکی سے میرے تعلقات ہوگئے، اور میں اسے لے کر فرار ہوگیا، لڑکی کے گھر والوں نے کمپنی کے مالک اور میرے خلاف ایف آئی آر کردی، سب کو پریشان ہونا تھا، حضرت نے کسی طرح افسروں سے سفارش کر کے کیس کو ڈیل کیا، لڑکی ایک برہمن کی تھی، میں نے اسے کلمہ پڑھوایا اور الہ آباد لے جا کر قانونی کاروائی کروائی، کمپنی میں تین اور

نومسلم کام کرتے تھے، کمپنی والوں نے حضرت سے کہا کہ ان سبھی کو کہیں اور کام پر لگا دو، حضرت نے کہا ان کو رزق دینے والے اللہ ہیں، آپ جیسے کتنے لوگوں کو اللہ نے ان کی خدمت کے لئے مالدار بنایا ہے، حضرت ان تینوں کو لے کر آ گئے اور اسی دن کوشش کر کے ان تینوں کو کام پر لگوا دیا، میری یہ شادی زیادہ دن نہیں چل سکی اور میں نے اس لڑکی کو چھ مہینہ بعد طلاق دے دی۔

میں نے حضرت کا نام لے کر کان پور میں ایک صاحب کو اپنا باپ بنالیا تھا اور ان کے یہاں ہم دونوں رہے۔

میں حضرت کے تعلق کے لوگوں کو نگاہ میں رکھتا تھا، حضرت سے کوئی ملنے آیا فوراً فون نمبر لے لیا، ایک دو فون خیریت اور دعا کے لئے کرتا تھا حضرت بھی بیٹا بیٹا ان کے سامنے کرتے تھے، لوگ سمجھتے کہ یہ حضرت کا بہت خاص ہے، بس میرا کام نکلتا رہتا تھا۔

لاکھوں روپے میں نے حضرت کے تعلق سے لوگوں سے وصول کئے اور سیکڑوں ایسے لوگ ہوں گے جن سے میں نے فائدہ بلکہ حقیقت میں نقصان اٹھایا، دسیوں معاملے تو سامنے بھی آئے، دوبار شعیب بھائی نے مجھے پھلت سے بھگا دیا، اور وارننگ دی تھی کہ آج کے بعد تمھیں پھلت میں دیکھا تو اپنی موجودگی میں منہ کالا کر کے نکال دوں گا۔

تو میں بتا رہا تھا کہ جس لڑکی سے میں نے شادی کی تھی اس کا اسلامی نام میں نے آمنہ رکھا تھا، گھر والے اسے مارنا چاہتے تھے، طلاق کے بعد اس کے لئے پھلت کے علاوہ کوئی جگہ نہیں تھی، حضرت کے پاس وہ پہنچی، حضرت نے اس کو میرٹھ کے کسی مدرسہ میں بھیجا، کچھ روز پڑھایا، عدت کا وقت گذرنے کے بعد غازی آباد کے ایک جاننے والے کے بیٹے سے اس کی شادی کر دی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ مجھ پر ایک بہت شاطر شیطان سوار تھا، روز روز نئے کھیل سجھاتا تھا، میں نے حضرت سے کچھ بڑی رقم اینٹھنے کی سوچی میں نے مظفر نگر انٹیلی جینس کے دفتر میں رابطہ شروع کیا اور وہاں ایک راجپوت انسپکٹر سے دوستی کر لی، اور کہا پھلت میں دھرم بدلوانے کا کام ہوتا ہے، اور بڑی رقم ان کے پاس باہر سے آتی ہے۔ گو کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت کا مزاج تو یہاں کے لوگوں سے بھی چندہ کرنے کا نہیں ہے، بس ویسے ہی

Marfat.com

شیطانی میں میں نے ایسا کہا، میں نے کہا کہ میں وہاں سے آپ کو بڑی رقم دلوا سکتا ہوں، مگر اس میں سے 25% مجھے دینا ہوگا، وہ تیار ہو گئے انہوں نے ایک آئی بی کارکن کو جس کا پاؤں ایک حادثہ میں کٹ گیا تھا، میرے ساتھ بھیجا، اور ایک اور ساتھی کو ساتھ لیا، میں تو راستہ میں رک گیا اور ان کو وہاں بھیج دیا، ابا الیاس صاحب اور ماسٹر اکرم کا پتہ بتادیا، وہ دونوں پھلت پہنچے کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں، حضرت تو نہیں ملے، ماسٹر اکرم کے پاس گئے، ان سے باتیں ہوئیں، انہوں نے مولانا عمر صاحب سے ان کو ملوایا، محمود بھائی بھی آگئے، انہوں نے ان کو اسلام کا تعارف کروایا اور بتایا کہ ہم لوگ تو پیسے لے کر مسلمان کرتے ہیں، ہم تو کلمہ پڑھوا کر اسلام دیتے ہیں، اس کے لئے کوئی رقم دینے یا شادی وغیرہ کا کیا تک ہے، ہمارے یہاں تو اگر آپ سٹرفکیٹ لیں گے تو پانچ سو روپے فیس ہے، وہ دینی پڑے گی، ہم آپ کو مدرسہ کی رسید دیں گے، یہ لوگ اور بحثیں کرتے رہے، وہاں پر کچھ ملا نہیں تو مایوس ہو کر واپس آئے، مجھ پر بہت برسے، وہاں سے آپ کی امانت نامی کتاب لے کر آئے، اس کو پڑھ کر بہت متاثر تھے، میں نے کہا اتنی آسانی سے بات بننے والی نہیں، وہ میرے اصرار پر دو تین مرتبہ گئے، کچھ ہاتھ نہیں آیا انہوں نے مجھے دھمکایا کہ تمہارے خلاف مقدمہ بنادیں گے، میں مایوس واپس آیا، پھر میں نے بجرنگ دل اور شیوسینا والوں کو بھڑکانے کی کوشش کی، شیوسینا والوں نے پھلت کہلوایا بھی کہ پھلت والے یہ دھرم بدلوانے کا کام یا تو بند کردیں ورنہ ہم انتظام کریں گے، حضرت نے ان کے پاس ساتھیوں کو بھیجا، اور ان سے کام کا تعارف کرایا اور دفتر والوں سے پھلت آنے کو کہا، باری باری وہ لوگ آتے رہے اور پھر معاملہ ٹھنڈا ہو گیا مگر میرے اندر کا شیطان ٹھنڈا نہیں ہوا۔

اس کے بعد ایک بار پور قاضی میں بھی میں نے شادی کی تھی۔ ہوا یہ ہے کہ حضرت کے تعلق کے ایک قاضی جی سے میں نے بہت رو رو کر اپنا حال سنایا اور ان سے کہا کہ میں نے حضرت کو بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی دھوکہ دیا، اب میں اس وقت تک حضرت کو منہ نہیں دکھانا نہیں چاہتا جب تک ایک اچھا مسلمان نہ بن جاؤں، قاضی جی نے مجھ پر ترس کھا کر مجھے اپنے گھر رکھ لیا، ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی، میں ان کی دوکان پر بیٹھنے لگا، انہوں نے بجنور ضلع کے ایک گاؤں میں اپنے رشتہ داروں میں میری شادی کرادی بے چاروں

نے خود ہی شادی وغیرہ کے انتظامات کئے۔ انھوں نے حضرت سے معلوم کیا تھا، حضرت نے کہا ہم داعی ہیں، اور داعی طبیب ہوتا ہے، آخری سانس تک مایوس ہونا اصول طب کے خلاف ہے، کوشش کیجئے، کیا خبر اللہ نے اس کی ہدایت آپ کے حصہ میں لکھی ہو۔

بس آٹھ مہینے میں اس کے گھر والوں کا اور قاضی جی کے سارے خاندان والوں کا ناک میں دم کر کے، مار پیٹ کر تین طلاق دے کر بھاگ آیا۔ پھر میں دربدر بھٹکتا رہا، اس دوران ایک بار ہمت کر کے پھلت پہنچا، ماسٹر اسلام مجھے مل گئے، حضرت تو نہیں تھے، انہوں نے مجھے ڈرایا، بہت برا بھلا کہا کہ تو نے سب لوگوں کا اعتماد ختم کر دیا، ہر نومسلم مہاجر سے یہاں کے لوگ بدظن ہو گئے ہیں، میں ان سے بہت لڑا اور چلا آیا، کئی بار غلط لوگوں کے ساتھ لگا، دوبار دو دو مہینہ کی جیل میں بھی رہا، حضرت کے کسی جاننے والے نے ضمانت کرائی، اللہ کا شکر ہے کہ جن لوگوں نے مقدمہ کرایا تھا حضرت کی سفارش سے انہوں نے واپس لے لیا، جیل میں البتہ میں نے دو لوگوں کو کلمہ پڑھوایا، حضرت سب لوگوں سے کہتے تھے کہ دیکھو اس کی وجہ سے پانچ لوگ جیل میں اور ایک برہمن کی لڑکی آمنہ مسلمان ہوئی، اب ان کی نسلوں میں قیامت تک کتنے لوگ مسلمان ہوں گے، اب اگر یہ ہماری زندگی کو جیل خانہ بھی بنا دے تو ہم نے محنت وصول کر لی۔

سب گھر والے اور تعلق والے میری وجہ سے ہمارے حضرت سے بحث بھی کرتے تھے، اور وہ اکثر، بگڑے ہوئے لوگوں اور نومسلموں کے لئے کہتے ہیں کہ جیسی روح ویسے فرشتے، نیک لوگوں کے پاس نیک لوگ آتے ہیں، بدوں کے پاس بد آتے ہیں، ہم فاسق و فاجر دھوکہ باز ڈھونگیوں کے پاس پاک باز اور نیک لوگ کہاں رہنے لگے، دیکھو شرابیوں کے پاس شرابی، جواریوں کے پاس جواری جمع ہوتے ہیں، ہم جیسے بدکاروں کے پاس کہاں نیک لوگ جمع ہونے والے ہیں، امی جان (ہمارے حضرت کی اہلیہ) کا انتقال ہوا تو فرمانے لگے کہ امی جان نہیں رہیں تو ہمیں کیسی کمی محسوس ہو رہی ہے، حالانکہ اپنے گھر کے سارے عزیز بھائی بہن بیوی بچے موجود ہیں، یہ بیچارے نومسلم ان کا کوئی بھی نہیں، اپنا سگا بیٹا کتنے عیبوں میں پھنس جاتا ہے، کبھی کسی سے ذکر بھی نہیں کرتا، نہ گھر سے نکالتا ہے، یہ بیچارے دربدر پھرتے ہیں۔

Marfat.com

ذرا سی بات ان سے ہو جائے تو لوگ انھیں نکال دیتے ہیں، پرانا مسلمان سارے عیب کرے تو کوئی خیال نہیں، یہ کل کا مسلمان سوچتے ہیں کہ فرشتہ بن جائے اور سب دھتکارتے ہیں، یہ کہہ کر ابی بار بار رونے لگتے ہیں۔

ایک روز جب میں پچھلی بار آیا تھا، تو میں حضرت سے ملا تو میں نے یہ بھی کہا کہ آپ نے مجھے اتنی بار ایسی بری حرکت کرنے کے باوجود بار بار موقع دیا، حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے بری حرکت کون کرنے والا ہوگا، میرے بیٹے تم مجھ سے تو ہزار درجہ بہتر ہو، بس اللہ نے میرے عیب چھپا رکھے ہیں۔

ان بارہ سالوں میں مجھے سترہ بار جماعت میں بھیجا گیا، ایک بار چلہ لگایا اور آخر میں تین چلے تو پورے کیے، ورنہ دھوکہ دے کر بھاگتا رہا، اسی زمانہ میں مجھے کئی بار کام سے لگایا، یا کاروبار کرایا، مگر میں کوئی کام کرنے کے بجائے دھوکہ دیتا رہا۔ مگر اب یہ باتیں الحمد للہ میرے دل میں دوبارہ نہیں آتیں، مجھے ایسا لگتا ہے وہ شیطان جو مجھ پر سوار تھا وہ میرے حضرت کی برکت سے مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے، مارچ کو پھلت کے ایک صاحب نے میری ایک حرکت پر مجھے بہت مارا، حضرت سفر سے رات کو دیر سے تشریف لائے، صبح دس بجے مجھے دیکھا، میرا پورا جسم زخمی تھا، حضرت مجھے پکڑ کر جامع مسجد لے گئے، مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھی، اور مجھے دیکھتے رہے اور بار بار چومتے رہے، میرے بیٹے کب تک تم ایسی ذلت برداشت کرتے رہو گے، اور اگر اسی طرح رہے تو پھر دوزخ کی مار کس طرح سہو گے، چلو آ اللہ سے دعا کریں بہت دیر تک دعا کی، میں آمین کہتا رہا، پھر بولے مزمل آ دونوں سچے دل سے توبہ کریں بس، ایسی توبہ جس کے بعد لوٹنا نہ ہو، مجھے توبہ کرائی، ایمان کی تجدید کرائی، اور مجھ سے وعدہ لیا کہ بس اب مسلمان داعی بن کر میری عزت کی لاج رکھو گے، اور سب کو دکھا دو گے کہ انسان کبھی بھی اچھا بن سکتا ہے، میں نے وعدہ کیا اگلے روز چار مہینے کی جماعت میں چلا گیا، اور الحمد للہ جماعت میں داڑھی رکھی اور خوب دعا کا اہتمام کیا، حضرت نے جماعت سے واپس آ کر کام پر لگنے کو کہا، میں نے حافظ عالم بننے کی خواہش کا اظہار کیا، داخلہ ہو گیا، الحمد للہ حفظ مکمل ہو گیا، انشا اللہ بہت جلد عالمیت کا نصاب مکمل کر لوں گا، میرا ارادہ ہے کہ عالمی داعی بنوں، اس کے لئے ایک گھنٹے میں نے انگریزی اچھی کرنے

کے لئے پڑھنی شروع کردی ہے الحمد للہ اس وقفہ میں میرے مدرسہ میں سب لوگ خصوصاً اساتذہ اور ذمہ دار مجھے بہت چاہتے ہیں بلکہ مجھ سے دعا کراتے ہیں۔

بس حضرت کی بات ہی میں کہوں گا کہ ہر مسلمان ایک داعی ہے اور ہر داعی ایک طبیب ہے، کسی مریض سے آخری سانس تک مایوس ہونا یا مرض کے برا ہونے کی وجہ سے مریض کو اپنے در سے دھتکارنا اصول طب کے خلاف ہے، ہر انسان اللہ کی بنائی ہوئی شاہکار مخلوق ہے اس کو احسن تقویم پر اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، بس اس کے لئے دل میں درد رکھ کر اس کی اصلاح اور اسے دعوت دینے کی فکر رکھنی چاہئے، شاید مجھ سے زیادہ برا انسان تو اللہ کی زمین میں کوئی اور ہو؟ جب میں اپنے لئے انسان بننے کا ارادہ کر کے یہاں تک آ سکتا ہوں تو کسی سے بھی مایوس ہونے کی کیا وجہ ہے، دوسری درخواست قارئین سے دعا کی ہے، کہ اللہ تعالی موت تک مجھے استقامت عطا فرمائے اور میرے حضرت نے جو مجھ سے ارمان بنائے ہیں اور حضرت فرماتے بھی ہیں کہ میری حسرت ہے کہ مزمل اللہ تعالی تمھیں پیارے نبی کے آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے میری تمنا ہے کہ اللہ تعالی مجھے پیارے نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں۔ اب شادی میرے لئے کوئی بات نہیں رہی، الحمد للہ میرے اللہ نے میرا دل اپنی طرف پھیر دیا ہے، اب مجھے خلوت میں اپنے رب کے حضور راز و نیاز کا مزا میرے رب نے مجھ گندے کو لگا دیا ہے، قرآن یہ کہتا ہے: ان قرآن الفجر کان مشہودا، صبح کا قرآن مجید تو آمنے سامنے کا ہے، بس ایسے جمیل محبوب سے سامنا ہونے لگے تو ساری حسینائیں اندھیرا لگتی ہیں، الحمد للہ میرے اللہ کے کرم سے نالہ نیم شبی کی بادشاہت میرے اللہ نے مجھے عطا فرمادی ہے، اس کی وجہ سے ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے میرے اللہ نے مجھے بچالیا ہے۔ الحمد للہ اب مجھے خرچ کی ضرورت نہیں، میں چھٹی میں مزدوری کر لیتا ہوں، میں نے امتحان کی چھٹی میں مزدوری کی، اور ایک ہزار روپے حضرت کی خدمت میں ہدیہ کئے، کب سے حضرت آپ کو لوٹتا رہا یہ حقیر ہدیہ قبول کر لیجئے، حضرت نے بہت گلے لگایا اور بڑی قدر سے قبول کر لیا، اب ہاتھ اوپر کر لیا ہے اور اللہ سے سوال کیا ہے کہ اللہ اب کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلوائیں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی اب کسی کا محتاج نہ کریں گے۔

Marfat.com

بھارت کا ایک مرتد گاؤں جسے ایک معجزے نے دوبارہ مسلمان کر دیا

میرا نام محمد عثمان ہے، پلول ضلع فرید آباد (ہریانہ) کے قریب ایک گاؤں میں ایک غیر مسلم راج پوت گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرا پہلا نام سنیل کمار تھا۔ میرے والد اپنے گاؤں کے ایک معمولی کسان ہیں۔ فروری 1992ء میں اللہ تعالی نے مجھے اسلام کی دولت سے نوازا۔ میری عمر اب تقریباً 25 سال ہے۔ میں نے دینی تعلیم کا آغاز 1992ء میں مدرسہ ہرسولی میں کیا۔ ناظرہ قرآن پاک کے بعد حفظ شروع کیا۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند میں حفظ اور عالمیت کی تکمیل کی۔ فالحمدللہ علی ذلک میری زندگی اللہ تعالی کی رحمت اور کرم کی ایک نشانی ہے۔ میرے اللہ نے مجھ ناچیز کو ہدایت سے نوازنے کے لیے عجیب و غریب حالات اور نشانیاں دکھائیں۔ گھریلو حالات کی وجہ سے آٹھویں کلاس کے بعد میں نے تعلیم بند کر دی اور روزگار وغیرہ تلاش کرنا شروع کیا۔ میری کلاس کا ایک میواتی لڑکا عبدالحمید میرا دوست تھا، جو قصبہ ہتھین کے پاس کا رہنے والا تھا۔ ہم دونوں میں بے انتہا محبت اور دوستی تھی۔ عبدالحمید بھی گھریلو حالات کی وجہ سے پلول میں کار مکینک کا کام سیکھنے لگا۔ کچھ دن کے بعد میں بھی اس کے ساتھ ورکشاپ جانے لگا۔ عبدالحمید کے والد میاں جی تھے اور ہتھین کے قریب ایک گاؤں میں جمعیت شاہ ولی اللہ کی طرف سے امام تھے۔

اس گاؤں کے پسماندہ مسلمان 1947ء میں اور اس سے پہلے مرتد ہو گئے تھے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو دعوت کے کام کے لیے

Marfat.com

لگایا تھا اور یہاں کام کرنے والوں کے لیے بڑی دعائیں مانگیں اور بشارتیں سنائی تھیں۔ اس گاؤں میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ ایک مزار کے ایک حصے میں وہ میاں جی صاحب رہتے تھے۔ بستی کے لوگ ان کو کھانا بھی نہیں دیتے تھے۔ وہ اکیلے اذان دیتے اور نماز پڑھتے۔ کچھ بچے کبھی کبھی ان کے پاس آ جاتے تھے۔ وہ ان کو کلمہ یاد کراتے۔ وہاں کے مسلمان مرتد ہو چکے تھے۔ وہ سب بھاڑے کا کام کرتے تھے۔ یہاں ایک مٹی کا بڑا اونچا ٹیلہ تھا۔ یہ سب لوگ وہاں سے مٹی اٹھاتے اور لوگوں کے یہاں ڈالتے۔ ایک روز وہ لوگ یہاں سے مٹی کاٹ رہے تھے کہ اچانک وہاں انہیں ایک خالی کنویں میں سفید کپڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے آگے سے مٹی ہٹائی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک لاش ہے۔ یہ لوگ ڈرے اور میاں جی کو بلایا اور کہنے لگے کہ کوئی جن یا پریت ہے۔ میاں جی آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ سفید ریش کی میت ہے۔ وہ اس طرح رکھی ہوئی تھی جیسے کہ آج ہی انتقال ہوا ہو۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ یہ کسی اللہ والے مومن کی میت ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد ان کو دلہن کی طرح سلا دیا جاتا ہے اور مٹی بھی ان کی حفاظت کرتی ہے۔ اس واقعہ سے گاؤں والوں پر بڑا اثر ہوا اور ان میں سے خاصے لوگ ارتداد سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے۔ اپنے بچوں کو بھی میاں جی کے پاس پڑھنے بھیج دیا اور مسجد کے لیے جگہ دے دی، جو اللہ نے بنوا بھی دی۔

ایک روز عبدالحمید صاحب اپنے والد میاں جی کے پاس گاؤں گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ میاں جی نے کھانے کا انتظام کیا۔ اتفاق سے پلیٹ ایک ہی تھی۔ کھانے سے پہلے میاں جی نے کہا: ذرا ٹھہرو، میں گاؤں سے دوسری پلیٹ لے آؤں۔ ہم دونوں نے کہا کہ الگ پلیٹ لانے کی ضرورت نہیں، ہم دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ میاں جی نے عبدالحمید سے کہا کہ بیٹا! جب تم دونوں میں اتنی محبت اور دوستی ہے تو اپنے دوست کو مسلمان کیوں نہیں بنا لیتا۔ ان کے والد نے مجھ سے کلمہ پڑھنے اور مسلمان ہونے کے لیے بہت خوشامد کی اور اصرار کیا۔ کئی بار وہ رونے بھی لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اسلام کا کوئی منتر (کلمہ) مجھے بتائیے۔ میں اس منتر کو پڑھوں گا۔ اگر میں نے کوئی چمتکار (کرشمہ) دیکھا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میاں جی کو

Marfat.com

جماعت والوں نے ایک دعا یاد کرائی تھی، وہ انہوں نے مجھے یاد کرائی:

اللّٰھم اجرنی من النار.

اور کہا کہ چلتے پھرتے پڑھا کرو۔

میں نے ان سے کہا کہ اس کا مطبل (مطلب) مجھے بتا۔ انہوں نے کہا: مطلب تو مجھے بھی معلوم نہیں۔ کل مفتی رشید صاحب کے پاس ہتھین جاؤں گا ان سے معلوم کر کے بتاؤں گا۔ اگلے روز ہتھین گئے۔ میں بھی دوسرے دن شام کو اس گاؤں میں ان سے مطلب معلوم کرنے پہنچا۔ انہوں نے بتایا کہ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے دوزخ (نرک) کی آگ سے بچا۔ میں نے سوال کیا کہ نرک (جہنم) کی آگ سے بچانے کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے بتایا کہ جو آدمی ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ ہمیشہ نرک (جہنم) کی آگ میں جلے گا اور جو ایمان پر مرے گا، وہ جنت میں جائے گا۔

میں نے کہا کہ کیا واقعی یہ بات سچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بالکل سچی ہے۔ مجھے بہت دکھ ہوا اور میں نے عبدالحمید سے کہا کہ تو میرا کیسا دوست ہے، اگر میں اسی طرح مر جاتا تو میں تو ہلاک ہو جاتا! تو نے کبھی مجھ سے نہیں کہا۔

میاں جی نے کہا: واقعی بیٹے! تم صحیح کہتے ہو۔ عبدالحمید کو تمہارے ایمان کے لیے زیادہ فکر کرنی چاہیے تھی۔ بیٹے! اب جلدی سے کلمہ پڑھ لو۔ میں تیار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر اگلے روز ہتھین مدرسہ گئے۔ مفتی صاحب نے مجھے کلمہ پڑھایا اور میرا نام محمد عثمان رکھ دیا۔ **الحمدللہ علی ذلک۔**

تیسرے روز مجھے مفتی صاحب نے قانونی کارروائی کے لیے ایک صاحب کے ساتھ فرید آباد بھیج دیا۔ میں نے فرید آباد ضلع کے جج کے سامنے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں بیان حلفی دیا۔ ضلع کا جج متعصب قسم کا آدمی تھا، اس نے نابالغ کہہ کر مجھے مقامی تھانہ انچارج کے حوالے کرنے اور تحقیقات کا حکم جاری کر دیا۔ ہتھین تھانے کے انچارج جناب اومیش شرما تھا۔ وہ کسی ضروری تفتیش کے لیے جا رہے تھے، انہوں نے انسپکٹر بلبیر سنگھ کو میرا کیس سونپا اور چلے گئے۔ بلبیر سنگھ بہت ظالم اور متعصب تھا۔ اس نے مجھے بہت دھمکایا اور

Marfat.com

بے دردی سے پہلے ہاتھوں سے مار لگائی اور جب میں نے ایمان سے پھرنے سے انکار کیا تو ڈنڈے سے بے تحاشا مارا۔ میرے بدن میں جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔ میں ہر وقت اللّٰھم اجرنی من النار پڑھتا تھا۔ مار کھاتے وقت کبھی کبھی زور سے یہ دعا منہ سے نکل جاتی۔ اس نے کہا: یہ کیا پڑھتا ہے؟ اور ساتھ ہی مجھے گالیاں دیں۔ میں نے دعوت کی نیت سے اسے اس دعا کا مطلب بتایا۔ اس کو اور بھی غصہ آیا۔ اس نے دو سپاہیوں کو کہا کہ لوہار کی بھٹی پر جا کر لوہے کے سریے گرم اور لال کر کے لا اور ننگا کر کے اس کو داغ دو۔ ہم دیکھیں کہ یہ آگ سے کیسے بچے گا اور جب تک یہ اپنے دھرم (مذہب) میں واپس آنے کو نہ کہے، اس وقت تک اس کو نہ چھوڑنا۔ وہ سپاہی قریب ہی موجود لوہار کی بھٹی پر گئے اور لوہے کے چار سریے بالکل آگ کی طرح لال کر کے تھانے میں لائے۔ میرے اللہ کا کرم کہ میں دعا پڑھتا رہا۔ انہوں نے میری شرٹ اتاری اور میری کمر پر سریوں سے داغ دینا چاہا، مگر اللہ کا فضل کہ مجھے ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ وہ سپاہی حیرت زدہ ہو گئے۔ انہوں نے یہ بات انسپکٹر بلبیر کو بتائی۔ اس وقت تک سریوں کی لالی ختم ہو گئی تھی۔ جب انسپکٹر بلبیر نے دیکھا کہ میری کمر پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے غصے میں سپاہیوں کو گالی دیتے ہوئے کہا کہ تم سریے گرم کر کے نہیں لائے ہو۔ یہ کہہ کر ایک سریہ اٹھایا تو اس کا ہاتھ بری طرح جل گیا، وہ تکلیف کے مارے بے تاب ہو گیا اور دو سپاہیوں سے کہا: اس کو سامنے بھگا کر گولی مارو، ورنہ یہ بہت سارے لوگوں کے دھرم بھرشٹ (مذہب برباد) کر دے گا۔ میں ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں۔ انسپکٹر چلا گیا۔ وہ دونوں سپاہی مجھے زور دیتے رہے کہ دوڑو۔ میں نے کہا: میں چور نہیں ہوں، مجھے گولی مارنی ہے تو سامنے سے ماردو۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ تھانہ انچارج جناب اومیش شرما آ گئے۔ انہوں نے سارا ماجرا سنا، پولیس والوں کو دھمکایا کہ اس کا وشواس (یقین) ایسا پکا ہے کہ تم گولی بھی مار دو گے تو اس کو نہیں لگے گی۔ اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پھر ایک چارج شیٹ لگا کر رہتک جیل بھیج دیا اور مجھ سے کہا کہ بیٹا! تیرے لیے اس میں بھلائی ہے کہ میں تجھے جیل بھیج دوں، ورنہ تجھے کوئی مار دے گا۔ اللہ کا کرم میری اس مصیبت سے جان چھوٹی اور اللہ کی رحمت پر میرا یقین اور مضبوط ہو گیا۔

یہ تھانہ انچارج کونوال اومیش شرما جی بہت ہی اچھے آدمی تھے۔ تیسرے روز رہتک

Marfat.com

جیل آئے اور مجھ سے میرے اسلام قبول کرنے اور آگ کا اثر نہ کرنے کا پورا ماجرا سنا اور پوچھا: کیا واقعی تجھ پر ان گرم سریوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے کہا: آپ میرے سا (خیر خواہ) ہیں، آپ کو سچ نہ بتاؤں گا تو کس کو بتاؤں گا۔

جب ان کو یقین ہو گیا کہ اللہ نے مجھے آگ سے بچایا تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ میری ضمانت کرائی، فائنل رپورٹ لگائی، مجھے جیل سے چھڑایا اور مجھ سے کہا کہ مجھے بھی ان مولوی صاحب سے ملا جنھوں نے تمہیں مسلمان کیا ہے۔ ہتھین آ کر مفتی رشید احمد صاحب سے ملے اور کچھ دیر اسلام کی باتیں معلوم کیں اور وہیں مسلمان ہو گئے۔ مفتی صاحب نے ان کو اسلام ظاہر نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ کچھ عرصے کے بعد بابری مسجد منہدم کر دی گئی۔ پورے میوات میں فسادات ہوئے۔ ہتھین کا علاقہ ہمیشہ فسادات کا گڑھ رہتا تھا مگر کوتوال شرما جی جواب عبداللہ ہو چکے ہیں، کی وجہ سے اس علاقے میں مسلمانوں پر کوئی ظلم نہیں ہوا اور انھوں نے مسلمانوں کی بڑی مدد کی۔

میں آج کل ضلع الور (راجستھان) میں جمعیت شاہ ولی اللہ کے تحت دعوتی کام کر رہا ہوں۔ وہاں پر ایک ادارے کی ذمے داری میرے سپرد ہے۔ مولوی محمد کلیم صدیقی صاحب کے واسطے ہی سے ہرسولی مدرسے میں میرا داخلہ ہو گیا تھا۔ میں نے ان کی ہی نگرانی میں زندگی گزارنے کا عزم کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سندھ کے صحرا میں اسلام قبول کرنے والی ایک ہندو لڑکی کی دردناک داستان

میں کون ہوں؟ کس نے سنائی میر ذات کیا؟ میں بھگوانی ہوں؟ یعنی کہ بھگوان، مذکر، بھگوانی مونث۔ ہیں؟ کیا میں بھگوان کی مونث ہوں؟ یا بھگوان کی فضیل والی ہوں؟ تو کیا میں نے ہی اپنے آپ کو بنایا یہی سنا ہے کہ یہ سب بھگوان نے بنایا ہے۔تو بھگوانی یعنی اللہ والی کیا میں واقعی اللہ والی ہوں تو میری بھی مورتی بنا کر پوجا کی جائے گی؟ نہیں ایسے تو بہت سی بھگوانیاں پیدا ہو جائیں گی پھر بھگوان ایک کیسے ہوا؟

یہ اس خمیری مسلمان عائشہ (بھگوانی) کی سوچ کے نقطے تھے جو اسے ہوش سنبھالنے کے بعد سے ذہن میں ہتھوڑے بن کے لگتے تھے۔

2010 کی 24 سالہ دینِ اسلام کی ماوری نے صحرائے تھر میں 1985 میں ایک غریب ہندو گھرانے میں جنم لیا جس کا نام بھگوانی رکھا گیا۔

سات بہنوں اور ایک بھائی کی یہ تیسرے نمبر بہن جو یا تو بھگوانی یا بھاگ وانی دونوں صورتوں میں اللہ کی چنی ہوئی بندی اپنے خمیر میں احکامِ الٰہی لیکر دنیا میں پلنے لگی۔

بچپن میں دل ہی دل میں اپنے رب سے باتیں کرنے والی، جانو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چرواہے کی یاد دلانے لگی۔

گزرے زمانے کے سندھ میں تھر کی ماوری نے اپنے دنیاوی پیاروں اور اپنی عزت کی لاج رکھی اور آج صحرا کی بیٹی نے اپنے نئے مذہب دینِ اسلام کو قبول کر کے اپنے

Marfat.com

پیاروں کی قربانی دے کر اپنے دین کی لاج ایسے رکھی کہ قیامت تک اور اس کے بعد تک امر ہوگئی۔

یہ داستان آپ اسی کی زبانی سنیے!

آج سے دو سال پہلے یعنی 2010 تک میں بھگوانی مشہور تھی لیکن آج میں الحمد للہ میں مسلمان ہوں اور اللہ رب العزت سے دعا کرتی ہوں کہ مجھے مرتے دم تک پکی اور سچی مسلمان بنائے اور میری اللہ سے عاجزانہ دعا ہے کہ میرے والدین اور بھائی بہنوں کو دینِ اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

"میں نے سندھ کے صحرائے تھر کے ضلع مٹھی میں 1985 میں والد مرلی دھر مہشور کے گھر میں جنم لیا اور میرا نام بھگوانی رکھا گیا۔ میں سات بہنوں اور ایک بھائی میں تیسرے نمبر پر ہوں، اپنے گھر کی بے بی کہلائی۔"

میرا بچپن عام رواجی طریقہ پر گزرا۔ میرے والد کی چھوٹی سی کاسمیٹک کی دکان تھی اکثر والد کی غیر موجودگی میں، میں اور میری بہن رمیلا دوکان پر بیٹھتی تھیں اور سوداگری کرتی تھیں کیونکہ بھائی سات بہنوں کے بعد پیدا ہوا اور وہ اس وقت فقط 13 سال کا ہے وہ 1995 میں پیدا ہوا تھا۔ دوکان پر بیٹھی میں اکثر ایسی ذات سے محو کلام رہتی جس کو میں اپنے میں موجود سمجھتی تھی۔ وہ کونسی ہستی تھی؟ کیا تھی؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا بس کوئی دل میں تھا جو میرا اپنا تھا کبھی کبھی اس کو دیکھنے کی خواہش ہوتی تھی لیکن کس کو؟ اتنا ادراک نہ تھا۔

میں نے مٹھی گورنمنٹ اسکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی غربت کی وجہ سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کرسکی، ابوا کیلے کمانے والے اور 10 نفوس کھانے والے ہمارے لیے تعلیم کی راہیں کٹھن تھیں۔

دوران تعلیم بھی دل ہی دل میں کسی کے ساتھ باتیں کرتی تھی جو میرے دل کے قریب ہی کہیں اپنا تھا میں سمجھتی تھیں کہ میرا دل ہی اس کا گھر ہے لیکن کون تھا؟ یہ معلوم نہ تھا شاید میں اس کے لیے مندر بناؤں اور اسے پاؤں؟ یہ سوچ کر میں نے اپنے ہاتھ سے اس ہستی کیلئے اپنے گھر میں مندر بنایا امی ابو بہت خوش ہوئے میں نے مندر کو اپنی بساط بھر سجایا لیکن دل والی ہستی کو دل سے نکال کر مندر میں کیسے بٹھاؤں یہ سوچ کر دل ڈوبتا تھا لیکن

Marfat.com

پوجا تو کرنی تھی، بتوں میں بھگوان تو مندر میں آ گیا دل کا بھگوان دل ہی میں رہ گیا۔ میری باتیں اس سے قائم رہیں۔

میٹرک کے بعد میری سوچ کے دائرے وسیع ہونے لگے تھے یہی سوچتی رہتی تھی کہ میں کون ہوں مجھے کس نے بنایا؟ بھگوان مذکر اور بھگوانی مونث یہ سب کیا ہے میں نے بھی کسی کو بنایا ہے یا میری بھی پوجا کی جائے گی کیا اور بھی بھگوان یا بھگوانیاں بنیں گی پھر خدا کہاں ہے؟ کیسا ہے کیا یہ وہی ہے جو میرے دل میں ہے۔

میں سمجھنے لگی تھی کہ خدا میرے دل میں لہذا میں ہر وہ کام کرنے لگی جو مسلمان کرتے ہیں:

☆ ہر کام میں بسم اللہ پڑھنا

☆ ماشا اللہ اور الحمدللہ موقع کی مناسبت سے کہنا۔

☆ بیٹھ کر پانی پینا

☆ پانی 3 سانسوں میں پینا

☆ ہر وقت سر ڈھکنا

☆ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا وغیرہ۔

مسلمانوں کی دینیات کی کتاب چوری چوری پڑھ کر اس میں سنت کی باتوں کو یاد کرتی اور اس پر عمل کرتی۔ مسلمان سہیلیوں کے شرعی عمل کو دل سے پسند کرتی تھی اگر وہ مجھے مسلمان کہتیں تو خوشی محسوس ہوتی کبھی بھی اعتراض نہیں کرتی تھی حالانکہ مسلمان ہونے کا مجھے گمان بھی نہیں تھا۔

میری چھوٹی بہن ارمیلا بہت سخت بیمار ہوگئی اسے جھٹکوں کی بیماری ہوگئی ابو نے اسے حیدر آباد کے ہسپتال میں داخل کروایا میں اپنی بہت کی تیمارداری کرتی تھی اور دل ہی دل میں جس سے میں باتیں کرتی تھی اسی سے بہن کے ٹھیک ہونے کے لیے التجا کرتی رہتی تھی۔ ہسپتال کے عملہ کو دیکھ کر خوش ہوتی رہتی تھی اور ان کو بڑی حسرت سے دیکھتی رہتی تھی کہ کاش میں بھی ایسے ہی نرس بن کر سب کی خدمت کروں غریبوں کی خدمت کروں جیسے ہم غریب ہیں ویسے ہی دوسرے مریض بھی غریب ہیں کیا میں ان کے دکھ بانٹ سکتی ہوں

اپنے دل کے مندر میں بسے سے پوچھتی تھی۔

اسی ہسپتال میں ایک ہندو ڈاکٹر رام رتن بھی R.M.O جو ابو کی ذات کے تھے وابو سے بہت اچھی طرح پیش آتے تھے ہمارے بگڑے حالات ان کو بھی دکھی کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ اپنی بیٹی کو نرسنگ کا کورس کروا دیں اس کی نوکری سے آپ کو بھی تھوڑی مدد مل جائے گی ابو کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔

ڈاکٹر رام رتن کی مدد اور کوشش سے مجھے نرسنگ میں 2002 میں میر پور خاص میں داخلہ مل گیا۔ یہ 4 سالہ ڈپلومہ کورس تھا جو میں نے یہاں مکمل کیا میری بہت سی ہندو، مسلمان دوست بنیں۔

2002 ہی میں ہم مٹھی سے شفٹ ہو کر میر پور خاص آ کر آباد ہو گئے کیونکہ یہاں مجھے اپنی ٹریننگ کے 4 سال بھی پورے کرنے تھے ابو نے یہاں بھی آ کر کرائے کی دوکان لیکر پرچون کی دوکان کھول لی گزر سفر کم وزیادہ ہوتا رہتا تھا اور میری تعلیم بھی چلتی رہی۔

ٹریننگ کے دو سال بعد ہی مجھے پرائیویٹ ہسپتال میر پور خاص میں جاب مل گئی جاب میری ضرورت بھی تھی کیونکہ ابو کی دوکان سے اتنی آمدن نہیں تھی وہ کمیٹیاں بھی بہت ڈالتے تھے اس کیساتھ ان کو نقصان بھی بہت ہوتا تھا لوگ دھوکا بھی بہت دیتے تھے۔ میری جاب سے گھر کا دال دلیہ نکل آتا تھا۔

میر پور خاص کا پرائیویٹ ہسپتال علی میڈی کیئر کے نام سے تھا۔ پہلے دن جب میں وہاں پہنچی تو مجھ پر عجیب سرشاری کی کیفیت تھی معلوم ہوتا تھا کہ یہاں میرا کوئی جان پہچان والا موجود ہے کون ہے کہاں ہے؟ تمنا ضرور تھی لیکن ڈھونڈنے کا خیال نہیں تھا کیوں؟ وہ تو پہلے ہی میرے دل میں تھا اب میں نہ سمجھوں یہ میرا ہی قصور تھا۔

جب نرسنگ کاؤنٹر پر آئی وہاں سامنے ہی لفظ "اللہ" لکھا نظر آیا۔ ایک انجانی خوشی کا احساس میرے وجود پر چھا گیا یک ٹک اس کو دیکھے گئی معلوم ہو رہا تھا کہ نظروں کی پیاس بجھا رہی ہوں۔

بے اختیاری سی ہو کر لفظ "اللہ" کی طرف بڑھی اور جلدی سے اس کو چوم لیا الحمدللہ پورا اسٹاف نئی ہندو لڑکی کی اس حرکت پر دم بخود رہ گیا لیکن کسی نے کچھ بھی نہ کہا خاموش

ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے یہ غیر اختیاری حرکت کیوں کی تھی مجھے اپنی یہ حرکت بہت پسند تھی۔ اب میں آتے جاتے لفظ "اللہ" کی طرف محبت سے دیکھتی اور چومتی تھی۔ اس لفظ کی بناوٹ کی ہیبت ہی میری رگ و جان میں برقی رو دوڑا دیتی اور بڑی چستی و تازگی سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتی۔ یہی سوچ کر گھر سے بھی بڑی جلدی جلدی ہسپتال آتی کہ اللہ کو جا کر جلدی سے دیکھ لوں بصورت دیگر بڑی مضمحل سی رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کسی کے ناراض ہونے پر دل گرفتہ ہوں۔

آج جب میں اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرتی ہوں تو اپنی نادانی پر شرمسار ہوتی ہوں کہ وہ تو مجھے اتنا دے رہا ہے اور میں؟؟؟

ہسپتال کے ہال میں درود شریف لکھا ہوا تھا جس کو میں نے آتے جاتے پڑھ کر بے خبری میں یاد کر لیا تھا اور ہر وقت درود شریف آہستہ آہستہ زبان سے دہراتی رہتی تھی جبکہ اس وقت تک بھی مجھے مسلمان ہونے کا خیال نہیں آیا۔

اکثر گھر والے مجھے ٹوکتے رہتے کہ تم یہ کن سوچوں میں گم رہتی ہوں؟ مندر جانا تم کیوں بھول جاتی ہو؟ ایک دفعہ والدہ نے مجھ سے کہا:

بھگوانی تم نے اپنے ہاتھوں سے مندر بنایا ہے اور تم ہی پوجا کرنا بھول جاتی ہو، تم ایسا کرو گی تو دوسرے بھائی بہنوں کی توجہ بھی کم ہو جائے گی۔

بھگوانی: ہاں امی ! آپ صحیح کہہ رہی ہیں اب آئندہ میں جایا کروں گی۔ لیکن مندر میں بھگوان کا بت تو موجود ہے ان کی شکلیں دیکھتے ہی میرے ہاتھ پیر بے جان ہو جاتے ان سے بات کرنے میں اپنے آپ کو پاگل محسوس کرتی کہ مجھے جواب کیوں نہیں دے رہے عجیب پاگل پن کا احساس ہوتا خفیف سی ہو جاتی۔ دل پہ ایک بوجھ محسوس ہوتا کہ میں کیوں ایسا محسوس کرتی ہوں میرے اس بوجھ کا کیا علاج ہے۔ کیا میں خود واقعی پاگل ہوں یا مینٹل کیس ہوں؟ اس قسم کے خیالات نے میری صحت پر بھی بہت اثر کیا تھا۔ میں راتوں کی شب بیداری اور سوچنے سے چڑچڑی اور سست رہنے لگی۔ اکثر پانی بسم اللہ پڑھ کر پینے پر گھر والے ٹوکتے یہ تم کیا کر رہی ہو ایک دفعہ امی نے کہا:

بھگوانی پانی کیسے پی رہی ہو؟

Marfat.com

بھگوانی: سنت طریقے سے۔

ہیں!!! یہ سنت کیا لفظ ہے؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ سنت کس کو کہتے ہیں؟

بھگوانی: پتہ نہیں سنت کیا ہے مجھے تو خود نہیں پتہ۔ لکین یہ معلوم ہے کہ سنت یہی ہے کہ بیٹھ کر 3 سانسوں میں پانی پینا چاہئے۔

والدہ: بھگوانی !ایک بات تو بتاؤ تم سر پر پاگلوں کی طرح سے کیوں چادر اوڑھتی ہو تمہیں کس نے کہا کہ ہاتھ پیروں کو بھی ڈھک کر باہر نکلو؟ یہ تم عجیب عجیب حرکتیں کیوں کرتی ہوں؟

بھگوانی: امی شاید میں مینٹل کیس ہوتی جارہی ہوں، میں چاہتی ہوں مجھے کوئی غیر مرد نہ دیکھے۔ میرا کھلا سر تو بھائی باپ بھی نہ دیکھے۔ اگر میں یہ نہیں کرتی تو میری عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجرم ہوں میں ہسپتال میں کسی نفسیاتی ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤنگی !یہ پتہ نہیں کہ میرے من کا طبیب تو میرے دل میں بسیرا کر چکا ہے۔

بقول شاہ عبدالطیف بھٹائی کے

توں حکیم توں طبیب توں درد جی دوا

صاحب ڈی شِفا میاں مریضن کی

ترجمہ: اے میرے مالک تو ہی میرا حکیم ہے تو ہی میرا طبیب ہے تو ہی میرے درد کی دوا ہے۔ اے صاحب شفا اپنے مریضوں کو شفا دے۔ سبحان اللہ

میری اس قسم کی کیفیات نے مجھے کھانے پینے سے اور نیند سے بھی غافل کر دیا میں بیمار رہنے لگی۔ یہاں تک کہ مجھ میں خون کی کمی خطرناک صورتحال اختیار کر گئی۔ میرا ہیمو گلوبین 3 گرام ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے خون چڑھانے کا مشورہ دیا،۔

اب مجھے یہ خوف کہ اگر میں مر گئی تو میں کس کے پاس جاؤں گی کیا ان بتوں کے پاس جو خود بھی بیچارے مجبور ہیں۔ یہ اپنا حال نہیں سنا سکتے میری کیا سنیں گے۔ فورا لفظ "اللہ" نظروں میں گھوم جاتا تو جسم میں کرنٹ سا لگ جاتا۔ یہ میرے گھر کے مندر میں کیوں نہیں آتا کہ اس کو سب دیکھ لیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ مٹی کے بتوں میں کیوں آئے جبکہ وہ خود خالق ہے بتوں کی مٹی بھی تو کسی نے پیدا کی ہوگی نا تو وہ خالق ہی ہوا نا۔

Marfat.com

میرا خالق، میرا مالک، میرے دل میں رہنے کا حقدار، میری توبہ کہ اس کو میں بت خانے میں لے جانے لگی اس کو جہاں دیکھنا ہو عالم پر نظر کرو وہ خود نظر آ جائے گا۔

مجھے خون کی 6 بوتلیں ہر 3 ماہ کے وقفے سے لگیں اور میں صحتمند ہونے لگی اس کے ساتھ میری سوچیں بھی صحت مند ہونے لگیں اس ذاتِ واحد پر پختہ یقین ہونے لگا کہ جس نے نئے سرے سے میرے دل کی دھڑکنوں کو سنوارا انہی خیالوں کو تقویت ملنے لگی کہ بتوں کو توڑیں تو بھربھری مٹی ہی نکلتی ہے لیکن میری صحت کی ٹوٹ پھوٹ صرف سرخ رقیق مادے سے صحیح ہوگئی بھربھری مٹی کا ایک ذرہ بھی نہ نکلا ان بتوں سے تو میں اچھی ہوں اور میرا دل دھڑکانے والی ذات میری سوچ سے اوپر ہے بلکہ پوری کائنات سے اوپر ہے تو سو فیصد یہ وہی ذات ہے جس کا مسکن میرا دل ہے۔ اب میں اور زور و شور سے کلمہ طیبہ، جس کا میں نے معنی تک یاد کرلیا تھا، کا ورد کرنے لگی، بس کے سفر کے دوران کلمہ اور درود شریف پڑھتی رہتی بغیر سوچے کہ یہ تو مسلمانوں وغیرہ کا ہے۔ سن 2004 میں، میں ہسپتال میں اور ٹریننگ سینٹر میں درود اور ذکر اللہ کی وجہ سے کافی مشہور ہوگئی ہندو دوستوں کو بھی تلقین کرتی تھی کہ اللہ کا ذکر کروگی تو من کی ناممکن خواہشات تک پوری ہو جائیں گی۔

درود شریف پڑھوگی تو ایسی ہستی کو سلام بھیجو گی جو آخرت میں معزز بنانے میں مددگار ہوگا۔ یہ میرے اپنے خیالات تھے کہ اللہ کی ذات اور درود شریف والی ذات ہر حال میں ہماری سوچ سے اوپر ہے۔ مٹی کے بھگوان تو ہمارے سامنے ہیں روزانہ ان کی بے بسی کو دیکھتے رہتے ہیں۔

میری مسلمان دوست جب کبھی قرآنی آیات پڑھتیں تو ان کو زور سے پڑھنے کی درخواست کرتی "مجھے بھی پڑھاؤ" کی فرمائش کرتی۔

دوست: بھئی یہ تم نہیں پڑھ سکتیں۔

بھگوانی: کیوں؟؟

دوست: تم سمجھوگی بھی نہیں۔

بھگوانی: تو مجھے اردو میں ترجمہ بتاؤ۔

دوست: بھگوانی! تمہارا اٹھنا بیٹھنا اوڑھنا اپنے آپ کو ڈھانپنا احکامِ الٰہی کے طرز پہ

Marfat.com

ہیں تو تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتیں۔

بھگوانی: کیا فقط مسلمان ہونا ضروری ہے۔ میرا مالک تو میرے دل کی دھڑکنوں میں میری پیدائش سے بھی پہلے سے موجود ہے۔

دوست: بھئی مین نے تمہیں بتا دیا کہ جس ذات کو تم نے دل میں بسایا اس کا اظہار مسلمان ہونے پر اور کھل کر سامنے آجائے گا۔

بھگوانی: ہاں فیروزہ باجی (اسٹاف نرس) نے مجھے تسبیح لا کر دی ہے۔ لیکن گن کر میں نہیں پڑھ سکتی۔ میں نے کبھی اپنے دل کی دھڑکن نہیں گنی اور میرا مالک میری ہر دھڑکن میں ہے اور یہ مجھے سچ سچ محسوس ہوتا ہے تو میں اس کا نام گن کر کیسے لے سکتی ہوں۔ میں نے اکثر ایسا کیا ہے کہ اپنے مالک کے 99 نام ہر دھڑکن پر ہر نام کے حساب سے پڑھے ہیں لیکن میں پھر بھی گن نہ سکی 99 ناموں کے ورد کو۔

دوست: تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی، تم کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔

بھگوانی: نہیں! اب مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔ میرا طبیب میرے ساتھ ہے۔

دوست: اچھا مجھے بخشو! ڈیوٹی ٹائم ہو گیا ہے۔

دوست کی ان باتوں نے مجھے اپنے وہ خواب یاد دلا دیے جو میں اکثر دیکھتی تھی کہ میں مسجد میں بیٹھی ہوں۔ جب کبھی مندر میں جاتی مسجد کا تصور میرے ذہن پر چھا جاتا یہ شعوری اشارے مجھ ناسمجھ کی ناسمجھی تھی جو اب رہ رہ کر یاد آتے ہیں۔

"ڈاکٹر سعیدہ صاحبہ "علی میڈی کیئر میں ڈاکٹر تھیں۔ ان کے موبائل میں نعت لوڈ کی ہوئی تھی ایک دفعہ میں نے وہ نعت سن لی تو اب تو میرے پنکھے لگ گئے دل زور زور سے دھکڑنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جوں جوں نعت کے الفاظ سمجھ میں آرہے تھے میری ہچکی بندھ گئی میں ابتک ایسی ہستی سے غافل ہوں۔ غفلت کا جرم الفاظ کے نشتر بن کر دل کے پار ہو رہے تھے۔ ہاتھ پیروں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی میں بے بس اور بیجان ہو کر بے اختیار روئے چلی جا رہی تھی پورا اسٹاف میرے گرد اکٹھا ہو گیا مجھے چپ کرانے لگا کہ تمہیں ہوا کیا ہے ایسی کیا بات تھی نعت میں ہمیں تو کچھ نہیں ہوا۔ اب ان کو کیا بتاؤں کہ مجھے کیا ہوا۔ جس مالک کو دل کی دھڑکن میں بسایا اس کے حبیب کو بھلا بیٹھی

Marfat.com

صرف درود شریف پڑھ کر سمجھا کہ حق ادا ہو گیا۔ اس کے پیارے بھی تو میرے قلب و جان کے پیارے ہیں یہ میں نے پیار کا کونسا حق ادا کیا۔ پھر دوستوں نے مجھے سمجھایا۔

دوست: دیکھو بھگوانی تمہاری روح تمہارا جسم تمہارا ہر عمل اسلامی ہے بلکہ کٹر اسلامی ہے تمہارے ضمیر میں اسلامی شعائر کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں بلکہ اس معاملے میں تم ہماری استاد لگتی ہو تم کب تک اپنے آپ کو دھوکے میں رکھو گی۔ جس لقب کے لیے اللہ نے تمہیں چنا ہے تو اس کو قبول کرلو تو اس ہیجانی تذبذب سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی ورنہ یہ یاد رکھو تم پھر بیمار ہو جاؤ گی۔

میں دوستوں کو تکتی گئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ اپنے آپ کو نئی پہچان دوں دو تین ہفتہ اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی تھی ایک دفعہ گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ صحن میں بھائی کھڑے ہو کر پانی پی رہا تھا۔ دوڑ کر گئی اور اسے تنبیہ کی کہ بیٹھ کر 3 سانسوں میں پانی پیئے، وہ حیران پریشان میری طرف دیکھنے لگا۔

چھوٹا بھائی: دیدی کیا ہوا؟ میں نے کیا کیا جو آپ دوڑتی آئیں اور مجھے ٹوکا۔

بھگوانی: یہ سنت طریقہ ہے۔

بھائی: یہ سنت کیا ہے؟

اب مجھے ہوش آیا کہ یہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ اب مجھے سنت کا مطلب سمجھ میں آ چکا تھا۔

بھگوانی: کچھ نہیں بھائی بیٹھ کر پینے سے انسان بیمار نہیں ہوتا۔

بھائی: بیمار تو میں اب بھی نہیں ہوں۔

2005 سے ہی میرے ان خیالوں کو تقویت ملنے لگی کہ جو کچھ میں کر رہی ہوں صحیح کر رہی ہوں کبھی کبھی دل گھبراتا تو ٹی وی پر نعتیں لگا دیتی بڑا سکون ملتا سن کر لیکن جلد ہی گھر والوں کی طرف سے مخالفت شروع ہو جاتی۔

امیلا: دیدی یہ کیا لگا دیا ہے ہمارا ان نعتوں سے کیا سروکار ہے بور کر دیتی ہیں آپ تو۔

وملا اور ریتا: دیدی کے نہ جانے کیا کیا شوق ہیں اتنی اچھی فلم لگائی تھی دیدی نے

Marfat.com

چینل بدل دیا۔

بھگوانی: اچھا بابا یہ لو بند کرتی ہوں۔ چلاؤ اپنی مرضی کا چینل لیکن یاد رکھو فضولیات و فحاشی نہ کھول کر بیٹھ جانا یہ گناہ کے کام ہیں اور ذہنیت الگ بگڑتی ہے۔

امیلا: دیدی آپ گیتا کیوں نہیں پڑھتیں؟ آپ کو سکون ملے گا بہت اپ سیٹ رہتی ہیں۔

بھگوانی: ہاں میں بھی سوچ رہی ہوں کہ کچھ ایسا عمل کروں کہ دل کو سکون ملے۔

امیلا: میں ابو سے کہتی ہوں دیدی کی شادی کر دیں اپنے گھر جا کر سکون ملے گا۔کل ہی شیلا دیدی کا فون آیا تھا کہ گھر والے (ساس سسر) پوچھ رہے ہیں کہ ہم اپنے بیٹے کی کب تاریخ رکھنے آئیں؟

بھگوانی: ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں 2010 تک کوئی میرا نام نہ لے !دیدی سے کہو آپ کے دیور جہاں چاہے شادی کر لیں۔ میرا نام فی الحال نہ لیں۔ ابھی ابو اس حالت میں نہیں آئے کہ میری اور تمہاری شادی کریں منگنی ہوئی ہے تو کیا ہوا۔

اب مجھ میں بولنے کی خود اعتمادی بھی آ چکی تھی میں بڑی روانی سے ابو امی سے ہر بات شیئر کر لیتی تھی۔

چونکہ میری منگنی بہن شیلا کے دیور سے ہو چکی تھی اور امیلا کا رشتہ بھی طے ہو گیا تھا لیکن گھر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم دو، دو بہنوں کی شادی کا بوجھ ابو کے سر ڈالتے۔ ابو کی دوکان اور میری تنخواہ سے گھر چلتا تھا کیونکہ میر پور شفٹ ہونے کے بعد ہمیں سیٹ ہونے میں کافی ٹائم لگا تھا۔

2006 میں، میں نے بڑی گیتا پڑھنا شروع کی لیکن دل نہ لگتا تھا نہ لگا۔

خلیل کی ہے نظر لا الہ الا اللہ

لا الہ الا اللہ کے بعد صنم خانے میں کوئی گنجائش نہیں تھی گیتا میں ایک چیز سمجھ میں آئی کہ مالک ایک ہے جو سب کا مالک ہے جب مالک ایک ہے تو بت خانہ کے بھگوان اتنے کیوں ہیں؟ کیا فرشتے ہیں یا انسان تھے جو مٹی کے بنے ہوئے بے جان ہو گئے یہاں آ کر پھر اٹک جاتی اب چھوٹی گیتا کی طرف خیال گیا اس کو بھی پڑھ کر دیکھ لیا روزانہ رات کو

Marfat.com

بے سکون ہو جاتی تھک ہار کر من میں بسے مالک سے باتیں کرنے لگتی اور یوں نیند کی وادیوں میں چلی جاتی جہاں پیارے پیارے سپنوں کے ذریعے مستقبل کے اشارے ملتے جو صبح کو تازہ دم کر دیتے اسی طرح زندگی کے سمندر میں ہیجان پر خیالات کے مدوجزر میں ڈوبتی اور ابھرتی رہی اور 2006 میں میری ٹریننگ ختم ہوگئی لیکن پرائیویٹ جاب کرتی رہی علی میڈیکل ہسپتال میں۔ 2006 میں ہی یہ پختہ یقین ہوگیا کہ اس پورے جہان کا خالق میرا ایک ہی رب اور اس نے ہم بندوں کی ہدایت کے لیے بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں اور آخری نبی محمد ﷺ ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ ہماری ہندوؤں کی کتاب میں بھی درج ہے۔ اب میں ہندو مذہب کو مشکوک نظر سے دیکھنے لگی تھی عجیب سی بے چینی ہونے لگی تھی ہسپتال میں کوئی مجھے مسلمان کہتا تو خوشی کا احساس ہوتا کبھی اعتراض نہ کرتی بلکہ تفاخر کا احساس ہوتا۔ کوئی ہندوؤں کے مذہب کو غیر مطمئن مذہب کہتا تو بھی اعتراض نہ کرتی یہ تو بندے کی ہدایت پر منحصر ہے۔

ایک دفعہ ہسپتال میں ڈاکٹر سعیدہ صاحبہ نے نماز کے لئے وضو کیا۔ وہ نماز کی سخت پابند تھیں۔ مجھے وضو کا انداز اتنا پسند آیا میں خود بھی وضو کرنے بیٹھ گئی اور خود سی ہو کر اللہ سے دعا مانگنے بیٹھ گئی۔ اے اللہ پاک مجھے وہاں پہنچا کہ جہاں تیرا خزانہ ہو جہاں تیرے نام کا ذکر ہو مجھے اس ذکر والی برکت میں شامل کر دے نہ جانے یہ کس قسم کی دعا تھی جس کا ثمر آج مل رہا ہے۔

ہسپتال میں رمضان کے مہینے میں، میں بھی روزہ رکھتی تھی بہت دل چاہتا تھا کہ سحری وافطاری کروں لیکن یہ دونوں ٹائم گھر سے مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ ایک دفعہ تو افطار بھی نہیں کر سکی۔ یونہی واش روم میں جا کر نلکے سے پانی پی لیا پھر رات میں سب کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس قسم کے عمل سے سب گھر والوں کی نظر میں مشکوک ہو چکی تھی میرے ہر عمل پر نظر رکھتے تھے خصوصا بہنیں۔ ہسپتال اور گھر کے متضاد عمل نے میری شخصیت کو ہی متضاد بنا دیا تھا کہیں دل کی گہرائیوں سے سچ بولتی اور کہیں جھوٹ کا لبادہ۔

حقیقتا دیکھا جائے تو میں کافی عرصہ سے اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکی تھی لیکن اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھ کر والدین کے ساتھ رہ رہی تھی۔ میری دوغلی شخصیت نے مجھے

اندر ہی اندر توڑ پھوڑ دیا تھا ہر وقت رونا آتا تھا امی پوچھتی تھیں رو کیوں رہی ہوں کسی نے کچھ کہا ہے؟

بھگوانی: نہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ نہ جانے کیوں بات بات پر رونا آتا۔

ایک دفعہ پرس میں سے کچھ روپے نکالے اور منہ ہی میں بڑبڑائی

"یہ میری زکوہ کے پیسے ہیں کسی غریب کو دینے ہیں"

ہیں ! یہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ اپنے آپ کو جھوٹی ڈھارس "خیرات بھی زکوہ ہے" خیرات تو کرنی چاہیئے مجھے۔

"رمضان کی شب قدر" جاگ کر عبادت کرنے کی رات، قرآن نازل ہونے کی رات، وہ قرآن جو مجھے پسند ہے جس کے معنی جاننے کے لیے بے چین رہتی ہوں اور میری مسلمان دوست یہ کہہ کر ٹال جاتی ہیں کہ یہ تمہارے لیے نہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ یہ میرے لیے نہیں؟ یہ میرے خدا کا قرآن نہیں، نعوذ باللہ، میرا اللہ تو میرے دل کی دھڑکن کے ساتھ ہی میرے ساتھ ہے پھر اس کا کلام کیسے میرا نہ ہوا۔ دل نے پوری سچائی سے گواہی دی کہ یہ قرآن میرے لیے بھی ہے۔

ہمیشہ امتحان کے دنوں میں لڑکیاں ہاسٹل میں قرآن خوانی کرواتیں میری بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ ایسی مجلس مس نہ ہونے پائے رات تک ہاسٹل میں ٹھہر کر قرآنی محفل میں آخر تک شرکت کرتی۔

نماز پڑھنے والی دوستوں کا اکرام، رمضان میں سحری میں جگانا، میں نے اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ میرا رب مجھ سے اس عمل سے بھی راضی رہے گا۔ کوشش یہ ہوتی کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ چیونٹیوں تک کا راستہ کاٹنے سے خود دور رہتی اور بہنوں کو ہدایت کرتی کہ گھر کی صفائی کرتے وقت چیونٹیوں کا خاص خیال رکھا کرو یہ اپنے رزق کے لیے ادھر ادھر جاتی ہیں ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کرنا بلکہ ان کا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کرو۔

یہ سب کیا تھا؟ میں خود بھی اس بات سے بے خبر رہتی۔ میری زبان پر لا الہ الا اللہ ورد بس میں سفر کے دوران بھی رہتا جو گھر میں پہنچنے تک قائم رہتا۔ خواب میں مسجد میں تقریباً ہر دوسری تیسری رات موجود رہتی تھی حالانکہ مندر تو میرے گھر میں تھا جسے میں

Marfat.com

نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا سجایا تھا لیکن میرے دل و ذہن سے ان دنوں کے فاصلوں کا اندازہ آپ خود کر لیں۔ ایک میرے گھر کے کسی کونے میں اور ایک میری آنکھوں کے راستے میرے دل و دماغ میں۔ اس قسم کے فاصلے بھی میرے خیالات کا دھارا میرے رب کی طرف موڑتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ میں خود اس طرف جا نہیں پا رہی اب ان خیالوں نے بہت پریشان کر دیا تھا۔

حالانکہ دین کی دعوت تو مجھے بہت ملتی تھیں، دوست میری حالت و کردار دیکھ کر مریض بھی میرے افعال و رویہ دیکھ کر یہاں تک کہتے کہ تم دو کشتیوں میں سوار ہو کر پار نہیں لگ سکتیں۔ جس کشتی کے لیے تمہارا دل گواہی دے اس میں سوار ہو جاؤ جس کے لیے تم خود بھی گواہی دو کہ یہ مضبوط کشتی مجھے کنارے تک لے آئے گی یہاں پہ آ کر مجھے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی یاد آ جاتی۔ دونوں کشتیاں تصور میں آ جاتیں ایک مضبوط پائیدار "خالی" پانی میں کھڑی کسی کی منتظر اور ایک بڑی سی ڈولتی کشتی جس میں سارے گھر والے بیٹھے ہوئے۔ ابو کے ہاتھ میں کمزور سا چپو نا خدا پہ بھائی کپڑا باندھنے کی کوشش میں مصروف، کشتی کے بیرونی حصے کے تختوں سے نکلتے ہوئے کیل صاف نظر آ رہے تھے جن کو کوئی بھی ہاتھ سے پکڑ کر نکال سکتا ہے۔ میں خود دور کھڑی دونوں کشتیوں کے معائنے میں محو اس تصور سے مجھے مریضہ کی بلبلاتی چیخ نے باہر نکالا۔

جب سے مجھے اللہ کے احکام میں پردے کی معلومات ہوئیں اپنے گنہگار وجود سے متنفر سی رہنے لگی باہر نکلتے وقت اپنے سراپے پہ نظر ڈالتے ہوئے ڈرنے لگی۔ میرے من کا ساتھی مجھے اپنے سراپے کو دیکھنے سے روکتا۔ میرے مولا یہ کس قسم کا احساس ہے کیوں میں اپنے آپ کو دیکھنے سے نظر چراتی ہوں۔ زبردستی جا کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی اپنے سراپے پر نظر پڑتے ہی شرم سے نظریں جھک گئیں۔ مالک نے جواب سمجھا دیا۔ یہ تم اس حلیہ میں باہر جاؤ گی؟ اس وقت تو تم شرمسار ہوئی ہو باہر دنیا تم پر شرمسار ہو گی۔ باہر میرے نیک بندوں میں نکل کر تو دیکھو۔ برے بندوں کی ذمہ داری سے تو میں خود بھی بری ہوں۔ سر پکڑ کے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ امی سے کہا:

بھگوانی: آج آپ بازار جائیں مجھے ایک بڑی سی چادر لا دیں۔ یہ لیں پیسے۔

Marfat.com

میری دوست نے منگوائی ہے۔

امی: اچھا لادوں گی تم کب ہسپتال جاؤ گی؟

آج میری نائٹ ہے شام کو جاؤں گی جب تک آپ چادر لادیں یاد رہے کہ بڑی ہونی چاہیے۔

امی: اچھا بابا سن لیا۔ یہ تمہاری مسلی دوست بھی عجیب ہیں یہ بڑی بڑی چادریں اوڑھتی ہیں کبھی منہ ڈھکتی ہیں مجھے تو یہ کالے مردے لگتی ہیں۔

بھگوانی: امی دنیا ساری مردہ خانہ ہے۔ یہاں زندوں سے زیادہ مردے ہیں جو زندہ ہیں ان کو بھی مردہ ہونا ہے۔

امی: یہ تمہاری عجیب عجیب باتیں سمجھ میں تو نہیں آتیں الٹا ڈرادیتی ہیں۔

بھگوانی: امی سچ بتائیں کیا آپ ہمیں بچپن میں نقصان دہ چیزوں سے نہیں ڈراتی تھیں؟

امی نے دوپہر تک چادر لا کر دی براؤن کلر کی خوب بڑی سی۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی ایک چیز پہ دھیان چلا گیا تو امی سے مخاطب ہوئی۔

بھگوانی: امی کالے کلر کی کیوں نہ لائیں؟

امی: کالا کلر تمہارے ابو کو پسند نہیں ! میں نے سوچا براؤن لے لوں۔ امی تو اپنی رو میں یہ کہہ گئیں میں ہونق بنی امی کو تکنے گئی یہ امی کو کس نے خبر کر دی کہ یہ چادر میں نے اپنے لیے منگوائی ہے۔ تب فوراً امی بھی سنبھل گئیں "ارے یہ میں دوسروں کی چادر پر تمہارے ابو کا کیا حق جتانے لگی؟ پتہ نہیں کیوں اس وقت میں یہی سوچ رہی تھی کہ کالا رنگ تو تمہارے ابو کو پسند نہیں چلو براؤن لے لیتی ہوں۔

شام کو ابو دوکان پر ہوتے ہیں۔ میں مغرب سے پہلے پہلے ہسپتال چلی جاتی تھی گھر کی ڈیوڑھی میں جا کر چادر کھول کر اوڑھ لی خوب اچھی طرح اپنے آپ کو ڈھک کر باہر نکلی دل میں بڑی خوشی تھی کہ ابو دیکھیں گے تو بہت خوش ہونگے ان کو بھی سمجھا دوں گی کہ ابو باہر چبھتی نظریں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔

ہسپتال میں بھی چادر کا استقبال پسند و ناپسند کے ملے جلے جذبات سے ہوا کیونکہ

Marfat.com

اسٹاف مسلمان و ہندو ملا جلا تھا۔

عشا کی نماز کے لیے مسلمان اسٹاف تیاری کر رہا تھا۔کھانا اور نماز کا ٹائم مقرر تھا وضو ک بعد جائے نماز جو یہیں رکھے رہتے تھے ڈھونڈنے سے معلوم ہوا وہ دوسرے وارڈ کی اٹینڈینٹ آئی تھی اپنے وزیٹرس کے لیے لے گئی ہے اب کیا ہوا؟

ٹائم بھی کم رہ گیا ہے کسی کا برقعہ کسی کی چادر بیرونی چھینٹوں کی وجہ سے مشکوک جانی گئیں اچانک سے اسٹاف فیروزہ کو میری چادر یاد آ گئی۔

اسٹاف فیروزہ: چلو یہ چادر بالکل نئی ہے اس کو بچھا کر پڑھ لیتے ہیں۔ کیوں بھگوانی تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟

میں ہونق بنی قدرت کے اس اعزاز پہ گنگ، زبان سے ادائیگی کے لیے کچھ پاس نہ تھا میرے مالک !میرے دم ساز !صبح سے یہ اعزاز کی بارش اور میں صحرا کی ریت

اسٹاف: بھئی بھگوانی بولو۔نہیں پسند تو چھوڑو۔

میں چادر لیکر اسٹاف کے آگے جھک گئی۔

بھگوانی: میری چادر یہ میرے مالک کی عبادت !میں صدقے میں واری دل و جان سے۔بھگوانی کے یہ بھاگ چادر دیکر میں کرسی پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی پورا اسٹاف میرے اس عمل سے آبدیدہ ہوگیا۔نماز کے بعد چادر مجھے واپس مل گئی۔ چادر میں نے اس وقت اپنے آپ کو ایسے لپیٹ لی کہ جانو کوئی میرے مالک کو چھین کر نہ لے جائے۔ میں اس کے نام لیوا جگہ کو مضبوطی سے تھام لوں۔

کبھی انکو دیکھتے ہیں کبھی خود کو دیکھتے ہیں

دوسرے دن گھر آئی تو ابو بھی دکان بند کر کے کھانے کے لیے آ چکے تھے ابو نے مجھے چادر میں دیکھا تو ٹھٹکے،تھوڑی دیر خاموشی سے دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے۔

ابو: تم بیٹا !تم اور یہ چادر؟

بھگوانی: ابو میں نے اپنی دوست کے لیے منگوائی تھی لیکن اسے یہ رنگ پسند نہیں آیا لہذا اب اسے میں نے اوڑھ لیا یہ مجھے بہت اچھی بھی لگ رہی ہے اس کے اوڑھنے سے پورا جسم ڈھک جاتا ہے باہر نکلنے پر خراب نظروں سے انسان بچ جاتا ہے۔ عجیب تحفظ کا

Marfat.com

احساس ہوتا ہے۔ ابو آج میں بہت پر اعتماد گھر لوٹی ہوں ورنہ تو ہر وقت دوپٹہ صحیح کرتی اور قمیض صحیح کرتی رہتی تھی۔

ابو: ہاں یہ تو ہے لیکن ہماری پہچان تو یہ نہیں۔

بھگوانی: ہاں ہماری پہچان تو بالشت بھر کا بلاوز اور ساڑھی کا گھونگھٹ ہے؟ ابو امی دونوں خاموش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے چادر اتار کر تہہ کی اپنے ہی خیالوں میں گم چادر کو ہی تکے گئی۔ تصور ہی تصور میں مالک کے دیئے ہوئے تحفہ کو اور خود کو دیکھتی جاتی۔ خوشبودار پھول دار اور بے خوشبو کے پھول میں دن اور رات کا فرق ہوتا ہے۔ محض چادر اور عبادت کی خوشبودار چادر میں، یہی فرق تھا میرے لیے۔ جو میرے من میں ہے۔

میں پوری اس کی لپیٹ میں ہوں ان احساسات نے پوری رات سونے نہ دیا متبرک چادر میرے ہاتھوں میں میرے سینے پہ رہی۔ شاید ایک دو گھنٹہ کے لیے میری نکھ لگ گئی ورنہ اس خواب کی معنی چہ دارد۔

اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آٹھ یا دس سالہ خوبصورت بچہ ہے جو سفید لباس اور سفید پٹکا یعنی عمامہ باندھے ہوئے ہے۔ میرے سامنے دوزانو بیٹھا ہوا ہے۔ میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھتا جا رہا ہے اور آہستہ آہستہ گردن کو ہلا رہا ہے۔ اس کی مسکراہٹ مجھے یہ باور کرا رہی ہے کہ تمہاری سوچ کے دھارے صحیح سمت جا رہے ہیں اس وقت میں اس کی مسکراہٹ کے یہی معنی سمجھ رہی ہوں۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اوپر کی طرف آنکھوں سے اشارے بھی کر رہا ہے لیکن مسکراتے ہوئے۔

اب اکثر مجھے خواب میں وہ بچہ نظر آنے لگا کبھی مسجد میں بیٹھی ہوں، کبھی نماز پڑھ رہی ہوں اور وہ بچہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

صبح اٹھ کر میں اس بچہ کو یاد کرتی رہتی تصور میں اس بچے کو ہنستے مسکراتے دیکھتی کبھی کبھی تو یوں ہوتا کہ تنہائی میں مسکراہٹ یاد کر کے میں خود بھی تصور ہی تصور میں مسکرانے لگتی۔

قارئین میری ان باتوں کو کسی دیوانے کی بڑ نہ سمجھے گا میں واقعی ان ہی حالات سے

Marfat.com

گزر رہی تھی اب سوچتی ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھے ہدایت پر لانے کے لیے ایک مخصوص سسٹم مقرر کیا تھا جس کے تحت میں چل رہی تھی۔

مندر میں جانے کی غفلت ہونے لگی امی کے یاد دلانے پر چلی جاتی لیکن جاتے ہی طبیعت میں بے قرار سی آ جاتی جلد سے جلد نکلنے کی راہ میں ہوتی ایسا محسوس ہوتا کہ کچھ ہونے والا ہے یا میرے جانے سے مندر میں کچھ ہو کر رہے گا کیا ہو گا یہ مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا۔

ایک دفعہ میں امی کی تنبیہ پہ مندر میں گئی۔ کافی دنوں کے بعد ان کو غور سے دیکھنے لگی نہ جانے کتنے ہاتھ کتنے پیر ہیں طبیعت بوجھل ہونے لگی۔ سوچا تھا کہ اپنے دوپٹے کے پلو سے ان کی مٹی جھاڑوں لیکن اس سے پہلے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مورتی ہل رہی ہے۔
میڈیکل سے تعلق کی وجہ سے اپنے کو ناساز جانا کہ شاید مجھے چکر آ رہے ہیں، نیچے بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں درود شریف پڑھنے لگی۔ آپ یقین کریں مورتی کے ہلنے کو میں نے خود روکا کہ کہیں یہ مجھ پہ نہ گر جائے۔ جلدی سے باہر آئی اور اپنے کو ڈھارس دینے لگی کہ کسی نے مورتی کو صاف کرنے کے لیے اٹھا کر صحیح طریقہ سے نہیں رکھا شاید اس لئے وہ متوازن نہیں۔ امی سے میں نے ذکر کیا کہ مورتیوں کو کون صاف کرتا ہے صحیح طریقہ سے جما کر نہیں رکھتے یہ تو کسی پر گر جائیں گی۔

امی: بے بی ! صاف تو تم ہی کرتی ہو آج میں نے تمہیں بھیجا ہی اس لیے تھا کہ مٹی دیکھو گی تو صاف ضرور کرو گی۔ لڑکیاں تو کافی دنوں سے مندر میں نہیں گئیں میں صبح میں جلدی میں ہوتی ہوں اس لیے صاف کرنے کا کیا سوال؟

اس بات کو میں نے اتنی اہمیت تو نہ دی لیکن مورتی کے ہلنے کا انداز بار بار نظر میں گھوم جاتا۔

لاشعوری طور پر میں خواب والے بچے کی منتظر رہنے لگی رات کو سونے سے پہلے وضو کر کے درود شریف اور اللہ تعالی کے ۹۹ ناموں کا ورد کر کے سوتی تھی اس رات بھی پڑھتے پڑھتے اچانک خواب والے بچے پر تصور گیا جس کو کافی دن سے نہیں دیکھا تھا طبیعت کچھ بے چین سی ہو گئی ایسا محسوس ہوا کہ میرا رہبر وہ بچہ کھڑا مسکرا رہا ہے اور کچھ بولنے کے لیے

Marfat.com

میرے قریب آ گیا مجھے کہا کہ:

بچہ: "تمہارے ابو کا نام محمد ہے اور امی کا نام بھی بڑا پیارا سا بتایا لیکن میں فوراً جاگ گئی ٹائم دیکھا تو رات کے تین بجے تھے۔ کوشش کے باوجود بھی امی کا نام یاد نہ رہا۔ جلدی سے اٹھ کر وضو کیا اور صاف کپڑا اچھا کر اپنے رب سے ہمکلام ہوئی۔

مالک ! مجھے راہ تو دکھائی ہے اب ہمت و توفیق بھی عطا کر۔ اپنی محبت کو والدین کی محبت پر غالب کردے۔ ماں باپ کی محبت تو تو، نے بن مانگے دیدی میں اب تجھ سے تیری محبت مانگ رہی ہوں۔

الحمد اللہ لیکن مالک مجھے ہمت و توفیق عطا فرما آمین۔ تیری محبت بہت سی دنیاوی قربانیاں مانگتی ہیں مجھ پہ پل صراط آسان فرما۔ یہ رونا تیری محبت میں آئے۔ آمین

صرف اور صرف والدین کی غربت و مسائل آڑے آرہے ہیں۔ تو سبب الاسباب ہے میرے لیے آسانی فرما۔

رات والے خواب کہ تمہارے ابو کا نام محمد ہے سے اتنی تقویت ملی تھی کہ میں سمجھ رہی تھی کہ صبح ہی صبح ابو اعلان کردیں گے کہ مسلمان ہوگیا ہوں اور میرا نام محمد ہے۔ ان لاشعوری بشارتوں نے آگے بڑھنے کا مجھے حوصلہ دیا تھا۔

میرے ماضی کے گزرے دنوں میں کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن کو یاد کر کے مجھے خود بھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب میرے ہی ساتھ ہورہا ہے یا دنیا میں کوئی اور بھی ہوگا۔ اللہ تعالی کے اپنے راز و انداز ہیں جو ہر بندے پر شاید اس کی نیت کے مطابق کھلتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

اے محیطِ کل تیری شانیں ہیں خارج از گمان

بحرِ عظمت پر تیرے اک بلبلہ ہے آسمان

میں اس کی عظمت کے بحر مین ڈوب تو جاؤں گی لیکن سمجھ نہ سکوں گی اور اس واقعہ کو بھی نہ سمجھ پاؤں گی جو مندر میں میرے ساتھ ہوا۔ اس دن پھر امی نے مندر کی طرف توجہ دلائی تو مجبوراً آ گئی۔ صاف کرنے کے لیے کپڑا لانا بھول گئی یہی سوچا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر جاؤں تو کپڑے لے آؤں گی۔

Marfat.com

مورتیوں کی شکلیں دیکھ کر دل دھڑکنے لگا رخ موڑ کر درود شریف پڑھنے میں محو رہی کہ اچانک سے پشت پہ کوئی چیز آ کر ٹکرائی فوراً مڑ کے دیکھا تو ایک مورتی ٹوٹ کر گر پڑی اسی کا ٹکڑا میری پشت پر آ کر لگا۔ حیرت سے یہ منظر دیکھ ہی رہی تھی کہ دوسری مورتی اس کے پاس والی گر کر ٹوٹ گئی۔ باہر کی طرف بھاگی کہ شاید زلزلہ آ گیا ہے جو مجھے محسوس نہیں ہو رہا باہر سب کچھ ویسا تھا جیسا چھوڑ کر گئی تھی کہیں سے کوئی ارتعاش نہ تھا امی کو مندر میں لے گئی کہ امی بھی دیکھ لے یہ کیا ہو رہا ہے امی خود حیران پریشان کہنے لگیں بے بی ایسا تو کبھی نہیں ہوا ہم پر ضرور کوئی آفت آنے والی ہے یہ اچھا شگون نہیں ہے تم ایسا کرو بھگوان کی پراتھنا کرنے بیٹھ جا۔ نہیں !اب میں مزید زخمی نہیں ہونا چاہتی۔

اس قسم کے واقعات نے پھر سے جستجو کے در وا کردیئے اب پھر میں اٹھتے بیٹھتے اپنے آپ کو تلاش کرنے لگی کہ اگر میری روح میں واقعی سچائی ہے تو پھر اب میرا وجود میرا جسم کس درجہ پہ ہے۔ میں کیا ہوں کون ہوں کیا کر رہی ہوں کیا کرنا چاہیے کیوں میں شعور میں آنے کے بعد ابھر ابھر کر ڈوبتی ہوں، ڈوب ڈوب کر ابھرتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا ابھی تک میں کچھ بھی نہ کر پائی؟

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

مجھے اپنے آپ کو تلاشتے اور اپنے آپ سے لڑتے کتنے سال بیت گئے ہیں۔ میرے وجود کو وہ روح کب ملے گی جو اس اذیت سے مبرا ہو۔ ہے کوئی صلح کرانے والا جو میری یہ قلب و جان کی جنگ کو ختم کرادے۔ میرے آقا میرے مولا بلکہ ان بھگوانوں کے بھی آقا مجھے سیدھا راستہ دکھا اپنا وہ جلوہ دکھا جس کی میں تمنائی ہوں تیرے پاس آنے میں جو رکاوٹ ہے وہ آشکارہ کردے کیوں میں دو کشتیوں کی سوار بن گئی ہوں۔

بجائے مندر جا کر دعا مانگنے کے تسبیح لیکر بیٹھ گئی۔ جانو۔ اللہ سے اپنے آپ کو ڈھونڈ کر رہوں گی۔

تسبیح پڑھتے پڑھتے اونگھ آ گئی ایک تختہ پر بہت سے بلب جل اٹھے ہر بلب کے ساتھ گول دائروں میں عربی میں بہت سے نام ہر بلب کے ساتھ جگمگا رہے ہیں ہجے کر کے پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کوئی جل جلالہ، کوئی المنان کوئی الخبیر، کوئی رحمان تو کوئی رحیم،

Marfat.com

البصیر تو کوئی الجبار تو کوئی الستار مطلب یہ کہ ہر نام کے اپنے مطلب، اپنی تاثیر۔ خواب ہی میں مجھے ان کو گننے کا خیال آیا آہستہ آہستہ میں نے گنا تو 99۔ اب اس پر بھی نہ جانوں تو میں بدنصیب۔ مالک کا ہر نام اپنا مطلب سمجھا رہا ہے۔ خود انہی ناموں کی تاثیروں سے ہی سب کے پاس آیا ہے۔ کیا عام انسان ہو، کیا پیغمبر۔

ایک لڑکی صنف نازک ہونے کی صورت میں مسلمان ہونے کے خیال ہی سے نظریں چرا رہی تھی کیونکہ مسلمان ہونا تو آسان تھا اور تقریباً ہو چکی تھی لیکن اعلانِ حق راہِ وفا کی کاردار پگڈنڈیوں جن سے میرے والدین کو بھی گذرنا تھا ڈرا رہا تھا۔ یا پھر شاید میں لفظ قربانی کے معنی سے نا آشنا تھی۔ آہستہ آہستہ ہجے کر کے میں نے وہ نام یاد کر لیے اور دل ہی دل میں دھراتی رہی۔ بہنیں بہت چھیڑتی رہتیں کہ دیدی منہ منہ میں نہ جانے کیا بولتی رہتی ہے۔ چھوٹی تو یہاں تک کہتی اسے کہتے ہیں بڑبڑانا۔

2006 میں، میں نے اپنی نرسنگ ٹریننگ کا امتحان دیا اور میں پاس ہوگئی سارے گھر والے خود میں بھی بہت خوش ہوئی کہ ابو کا ہاتھ مزید اچھی طرح بٹاؤں گی۔ اللہ کرے کمیشن کے امتحان کا اخبار میں ایڈ آجائے اور مجھے مقابلہ کے امتحان میں بیٹھنے کا موقع مل جائے اس سے گورنمنٹ کی جاب لگ جائے گی تھوڑے سے ابو کے حالات اور بھی صحیح ہو جائیں گے۔ بھائی اور بہنوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا ان کی شادیاں بھی آرام سے ہو جائیں گی۔ یہی سوچتی ہوئی شام کو گھر میں داخل ہوئی۔

منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوگئی بہنوں نے کھانا لا کر سامنے رکھا۔ بسم اللہ رحمٰن الرحیم کھانا شروع کیا۔ امیلا، ریکھا، وملا اور ریتا !! دھپ سے نیچے میرے پاس بیٹھ گئیں۔ دیدی یہ کیا کہا آپ نے؟ یہ تو بلقیس کی امی کھانا کھاتے ہوئے بولتی ہے۔ میں سنبھل گئی۔

بھگوانی: ہاں تو اس میں برا کیا ہے؟ اللہ کا نام ہے۔ اللہ کے نام سے سب کام کرنے چاہئیں۔ شکر کرو تو الحمدللہ کہا کرو۔ اس میں بھی اللہ کا شکر کرنا ہوتا ہے۔ کوئی کام شروع کرو تو کہو انشا اللہ اس میں بھی اللہ کا نام تو وہ کام بھی احسن طریقے سے ہو جائے گا۔ کوئی چیز اچھی لگے تو کہو ماشا اللہ تو اللہ نظر بد سے بچاتا ہے یعنی اپنے ہر کام میں اللہ کو شامل رکھو گی تو کبھی پریشانی نہیں ہوگی۔

Marfat.com

وملا: ارے دیدی آپ نے تو لفظ اللہ کا جال بنا دیا۔اب سمجھ میں بھی تو آئے کہ لفظ اللہ کے کتنے لام ہیں۔

نوالہ میرے ہاتھ سے گر گیا۔ٹپ ٹپ آنسو میرے سالن میں۔

بہنیں یک زبان: کیا ہوا دیدی؟ کیا ہوا ہم سے کوئی غلطی ہوئی؟ ہمیں معاف کردیں۔

بھگوانی: کچھ نہیں یہ کھانا اٹھا کر لے جا مجھے بھوک نہیں ہے۔ایک بہن نے جا کر امی کو بتا دیا کہ دیدی رو رہی ہے۔امی بھاگ آئیں۔

امی: بیٹا کیا بات ہے تم ایسی تو نہ تھی بچپن میں اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں تمہارے لیے پریشان رہتی ہوں میری شہزادی مجھے بتا تمہیں کیا دکھ ہے؟ میں واری مین صدقے امی بلائیں لینے لگیں اب تو میرا رونا ہچکیوں میں تبدیل ہو گیا مجھے خود بھی معلوم نہ ہوا کہ اللہ کے نام پر اتنی حساس کیسے ہوگئی ایسا محسوس ہوا میرا دل کسی نے مٹھی میں لیکر نچوڑ دیا ایسا نہ ہو کہ میرے مالک کا گھر تنگ ہوجائے میرا من اس کا گھر ہے میرے دل کو من کو کوئی نہ چھیڑے۔

بھگوانی: کچھ نہیں امی کچھ نہیں آپ آرام کریں جا کر۔

امی: نہیں بھگوانی !یہ تم نے کیسا روگ پال لیا ہے مجھے بتا تمہیں کیا دکھ ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں تمہارے ابو کو بھی تمہاری پریشانی ہے مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں بے بی کو کیا دکھ ہے بات بات پہ روتی ہے۔ بہنوں کو بھی تلقین کر رہے تھے بہن کو کچھ نہ کہا کرو۔ منیت، تمہارے بھائی کو تو ڈانٹ رہے تھے کہ بہن کا خیال نہیں کرتے تم۔

بھگوانی: نہین امی منیت کو کچھ نہ کہو ہمارا یہ بھائی بڑی منتوں مرادوں سے اللہ نے ہمیں دیا ہے !!پھر وہی کیفیت لفظ اللہ ...... جلدی سے سینہ پکڑ کر نیچے کو جھکتی چلی گئی۔

امی نے گود میں سلا دیا اور بال سہلانے لگی۔

امی: میری بچی مجھے اس کا نام بتا جس نے تمہاری یہ حالت بنائی ہے میں اس کے پیر پکڑ کر دھائی دوں گی میری بچی کو خوشیاں لوٹا دے بتا تجھے کون پسند ہے بتا !بتا مجھے ......

امی پر ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی۔ ماں کی محبت جوش میں آگئی اور میرے دل میں اللہ کا

Marfat.com

جلال جوش میں آ گیا۔

بھگوانی: ماں ! ماں ! بتادوں "اللہ " جلدی سے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ کر اٹھ کر بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا کر ہانپنے لگی۔ آنسوؤں کے سوتے خشک ہو گئے سر میں شدید قسم کا درد اٹھا سر پہ دوپٹہ باندھ ہی رہی تھی کہ امی بہنیں سب کی سب کمرے میں داخل ہوئیں۔

بھگوانی: مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے میرے سر میں سخت درد ہے میں سونا چاہتی ہوں۔

پلنگ پر لیٹ کر چادر اوڑھ کر سوتی بن گئی۔

میری والدہ اور بہنیں ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئیں۔ میں آپ کو یقین سے کہتی ہوں کہ بشارتوں کے خواب، نہ دن دیکھیں نہ رات۔ میں ان خوابوں کو دیکھ چکی ہوں جنہوں نے میری رہنمائی کی۔ اس دن بھی سر میں درد کی وجہ سے دیر سے سو سکی لیکن سپنا بڑا پیارا دیکھا، دیکھ رہی ہوں مٹھی میں میر پور خاص کے لیے اے سی والی کوچ میں بیٹھی ہوں۔ بس میں میری سیٹ کے سامنے ونڈ اسکرین پر بہت بڑی سائز میں "اللہ " لکھا ہے مین اسے پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں میں اس کی ہجے کر رہی ہوں کہ الف لام لام حالانکہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ تشدید کے کیا معنی ہیں۔ یہ دوسری بار خواب میں ہجے کرنے کا اشارہ تھا اب میں نے سنجیدگی سے اس ہجے پر سوچنا شروع کر دیا یہی سمجھ پائی کہ مجھے قرآن شریف پڑھنا چاہیے لیکن کیسے؟ پہلے خود کو یقین تو دلاؤں کہ میں واقعی مسلمان ہوں۔

2008 میں میرا کمیشن کا امتحان ہوا اور میں اس میں پاس ہوگئی نوکری کا آرڈر لیٹر بھی ابو 500 روپے کھلا پلا کر لے آئے 6 جنوری 2009 کو مٹھی میں میری گورنمنٹ ہسپتال میں نوکری لگ گئی۔ اب میں مٹھی سے میر پور خاص سفر کرتی تھی سفر کا سارا وقت میں درود شریف پڑھ کر گزارا کرتی تھی۔

مٹھی ہسپتال میں غریب لوگ علاج کے لیے بہت آتے تھے ان کی غربت دیکھ کر اپنی غربت بھول جاتی تھی اور اپنے مالک کی شکر گزار ہوتی کہ اس نے مجھے لاکھوں سے اچھا رکھا ہے لیکن یہ سب اتنے غریب کیوں ہیں یہی سوچتی تھی کہ جب اللہ میاں سے ملوں گی تو سب سے پہلے یہی پوچھوں گی کہ امیری غریبی کیوں؟ انسان انسان کا محتاج کیوں ہے؟ کیوں غریب فیس کے لیے محتاج ہے۔ کیوں ڈاکٹر اتنی زیادہ فیس لیتے ہیں کہ غریب دے

Marfat.com

نہیں سکتا۔ میں خود جا کر ڈاکٹر صاحبان کی منت سماجت کر کے بہت سے غریبوں کی فیس کم کروایا کرتی تھی جس سے غریب مریض مجھے دعائیں دیتے تھے کہتے تھے بھگوانی تم واقعی بھگوان ہو۔

جس دن سے خواب میں، میں نے "اللہ" کے ہجے کی اس دن سے یہ پکا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس کے بعد نافرمانوں میں، میں شمار نہیں کی جاؤں گی جس اللہ کو سالوں سے دل میں بسائے بیٹھی ہوں کیا وہ صرف دل میں رہنے سے خوش ہوگا کیوں میں اس کا کہنا نہیں مانتی کیا میں محبت کا حق ادا کر رہی ہوں بچپن سے محبت کا دعوی۔ اظہار سے انکاری، احکامات سے انکاری۔ تو پھر میں یونہی ٹامک ٹوئیاں مارتی ناکام و نامراد اس کے روبرو پیش ہو جاؤں گی اور جواب طلبی میں میرے پاس سوائے پشیمانی کے کچھ نہ ہوگا۔ پھر نہ رام ہوگا نہ رادھا۔ نہ باپ اور نہ ماں یہ مجھے اس وقت تو محبت دے رہے ہیں لیکن آخرت میں اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبیں گے لیکن یہ تو ہوسکتا ہے کہ میرے ساتھ یہ بھی تیر جائیں؟ ان باتوں کو سوچتے وقت میری ہیجانی کیفیت کم ہوگئی کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ جب بھی سوچتی تھی طبیعت بڑی گرم ہو جاتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب ایسا ہونے لگا کہ ہر وقت درود شریف میرے لبوں پر رہنے لگا اور کلمہ طیبہ اٹھتے بیٹھتے الحمدللہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر یہ میری وہ معزز سیکورٹی تھی جن کے حصار میں میں تھی، مٹھی کا پورا اسٹاف میری عزت کرتا تھا۔ مسلمان میرے اسلامی اعمال سے متاثر تھے اور ہندو میری طبیعت سے متاثر تھے۔

اب سمجھ میں آیا تھا کہ مسلمان ہونے کے بعد کے حالات کا شعوری خوف اظہار سے روکتا ہے۔ ماں باپ بھائی بہنوں کی محبت میں فرق کا احساس لاشعوری طور پر خوفزدہ کیے دے رہا تھا۔ لیکن جس کی دل میں محبت پرورش پا رہی ہے اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ کسی عمارت کی بنیادی اینٹ تو نکال سکتے ہیں میرے دل سے اللہ کا نام نکالنے کے لیے میری لاش بھی کافی نہیں اس بھگوانی کو مار تو سکتے ہیں لیکن وہ اللہ کا نام اپنے ساتھ ہی لیکر جائے گی جس نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

ابھی اگر میں ماں باپ سے فرمائش کروں کہ میرے مرنے کے بعد میرے ساتھ چلیں تو وہ مجھے ہی پاگل قرار دے دیں گے پھر اس ناپائیدار محبت کو کیوں ترجیح دوں۔ ٹھیک

Marfat.com

ہے ان کی دنیاوی محبت کا میں بھی جواب محبت سے دونگی لیکن ناطہ مجھے پائیدار محبوب سے جوڑنا چاہیے۔

انہی سوچوں میں گم رہتے ہوئے مجھے 6 ماہ اور گزر گئے والدین اور دیگر گھر کے افراد کو اب پختہ شک تھا کہ بھگوانی کچھ کرے گی کیا کرے گی وہاں تک پہنچ نہیں پا رہے تھے لیکن اب انہوں نے میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا، چھوٹی بہن کا رشتہ بھی طے ہوگیا تھا۔ میری منگنی بہن کے دیور کے ساتھ ہو چکی تھی اب بہن کو پیغام دیے جا رہے تھے کہ ہم تیار ہیں آپ تیاری کرلیں۔

جوں جوں شادی کا ذکر گھر میں بڑھنے لگا ! انجانے وساوس وخوف میں گھری رہنے لگی۔ منگیتر موبائل پر بات کرنے کا خواہاں اور میں ہوں ہاں میں جواب دیکر ٹال جاتی۔ وہ شادی کا ذکر چھیڑنا چاہتا میں مصروفیت کا بہانا کر کے موبائل بند کردیتی لیکن کب تک، ایک دن منگیتر نے شکوہ کر ڈالا کہ تم مجھ سے بات کرنے سے کیوں کتراتی ہو؟ دو چار دنوں میں بھابھی میری بہن کو بتا آپ کے پاس آنے والی ہیں، شادی کی شاپنگ کرنے۔ میں چاہتا ہوں تم اپنی پسند سے شاپنگ کرو۔ خاموشی سے منگیتر کی بات سنی اور فون بند کردیا۔

سوچتی تھی کہ کیا اب بھی میں اس کی منگیتر ہوں؟ میں اسے کہہ دوں کہ اب ہماری راہیں جدا ہیں، تم میرے لیے اجنبی غیر مسلم ہو تمہارا اور میرا ملن ممکن نہیں جب تک تم مسلمان نہیں ہو جاتے۔ یہ سوچتے ہی میرا دل دھڑکا تو تو کیا میں امی ابو سے اس شادی سے انکار کردوں؟ کیسے انکار کروں؟ چھوٹی بہن کی شادی بھی میرے ساتھ ہونی ہے۔ انکار کرنے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد کیا حالات ہونگے کیسے سامنا کروں گی ان سب کا؟ بہن کے سامنے کیسے آؤں گی جو میری وجہ سے بن بیاہی رہ جائے گی۔ جس بہن کے گھر میں بیاہ کر جارہی تھی وہاں کیسا حشر برپا ہوگا؟ کہیں اس کو طلاق دیکر گھر نہ بھجوا دیں۔ اس کو تو دو چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی ہیں؟ یہ میری وجہ سے 3 گھر تباہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اور جو چھوٹی بہنیں ہیں ان کے رشتے بھی خدا معلوم ہونگے کہ نہیں اف میرے مولا میری مدد کر یا اللہ اپنے حبیب کے صدقے میں میری رہنمائی فرما۔ بے شک یہ آزمائش کی گھڑی ہے جو بڑی کٹھن ہے۔ خوف کے مارے پورا جسم کانپنے لگا زمین پہ بیٹھتی

چلی گئی نہ کوئی ہمراز، نہ دمساز۔ کیا کروں کس سے کہوں کیا کروں عجیب کشمکش اور گھبراہٹ نے دل و دماغ ماؤف کر رکھا تھا۔

سر جھکائے !والدین کی متوقع آہ وزاری کے مناظر بہنوں کی مظلومیت کی ایک فلم سی چلنے لگی۔ آزمائش کے ممکنہ نقصان اور ڈراؤ نے منظر نامے نے ہمت توڑ کر رکھ دی۔ اپنی گذشتہ زندگی میں ان پر جان نچھاور کرنے والی بھگوانی ٹوٹتی چلی گئی۔ بیچ منجدھار میں ڈوبنے لگی۔ پہلی دفعہ کھل کر احساس ہوا کہ ان سب کا ناخدا توڑ چلی ہوں۔ اپنے انہیں خیالوں میں غلطاں پیماں تھی کہ

اللہ اکبر اللہ اکبر

اشھد ان لا الہ الا اللہ

کی صدا گونجی !جلدی سے سر پر دوپٹہ رکھ لیا۔ "اسکی گواہی پر اب کس کی رضا چاہیے"

یہی سمجھ پائی کہ دنیا کی محبت سے اللہ نہیں ملتا۔

اللہ کی محبت سے دنیا اور آخرت دونوں مل جاتے ہیں۔ سینے کی جلن کو ہاتھ سے مسلا، ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا اور سب کچھ اسی پہ چھوڑ دیا جو کمرے میں تو کیا اپنے جسم و جان سے بھی قریب ترین تھا، عزیز واقارب تو کمرے سے باہر تھے۔ یہی سمجھ میں آیا کہ قریب ترین سے تو پہلے مدد مانگوں ہوسکتا ہے کہ دور تک کی بھی راہ آسان ہوجائے۔

فی الحال تو شادی میں دن پڑے ہیں میں ابھی سے پریشان ہو کر گھر والوں کو مشکوک کردوں گی ایسا نہ ہو کہ کل کی شادی آج کردیں یا والدین کوئی ایسا قدم اٹھالیں کہ میں کچھ نہ کرسکوں۔

بڑی ہلکی پھلکی ہو کر ہسپتال چلی گئی۔ لیکن ذہن میں یہ تو پختہ یقین ہوگیا کہ چاہے کچھ ہو جائے شادی ہندو سے نہیں کرنی اب میں مسلمان ہوں ہندو سے شادی حرام اور باعث کراہت محسوس ہوئی لیکن شادی کو روکنا کیسے ہے کیا کرنا ہے یہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس کے باوجود بھی دل مطمئن تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے جو میری کیفیت تھی اس کیفیت سے مجھے کس نے نکالا؟ اس وقت میں کیوں مطمئن ہوں۔ کوئی ایسی غیبی طاقت ہے جو میری رہنمائی کر

Marfat.com

رہی ہے، بس اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنے آپکو تنہا نہ پایا تو توکل بھی خود ہی کوئی راہ نکل آئے گی منجدھار میں دین کا تختہ جس رخ بھی بہے بہنے دو خود ہی کنارے لگ جاؤں گی۔

بہن کویتا اپنی دو بچیوں سمیت دو تین دن کے بعد آ گئی، بڑی خوش خوش امی کو اپنے سسرال کی باتیں بتا رہی تھی کہ ساس سسر نے پیسے دیئے بھگوانی کے منگیتر نے بھی پیسے دیے کہ بھگوانی کی پسند سے شاپنگ کرنا وغیرہ۔ میں یہ سب کچھ سن رہی تھی اور خاموش ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی اور خوشی کا اظہار کر رہی تھی تا کہ کوئی مشکوک نہ ہو دوسرے دن مجھے بہن بازار لے گئی کہ چلو اپنی پسند کی شادی کی ساڑھی خرید لو۔ مگر اب شادی کے جوڑے میں میری کیا دلچسپی ہوتی بھلا؟

بھگوانی: دیدی خود ہی خرید لو !جو آپ خریدیں گی مجھے پسند ہو گی۔

کویتا: نہیں! نہیں بھئی تمہارے منگیتر کی شدید خواہش ہے کہ تم ہی پسند کرو۔ اس کے پوچھنے پر میں کیا جواب دوں گی؟

کویتا نے بازار میں بھی کافی تنگ کیا یہ لے لو وہ لے لو میں بجائے جوڑے کے دکان کی دیوار پر ٹنگی آیت الکرسی کو دیکھ رہی تھی۔

کویتا: یہ تم کیا دیکھ رہی ہو، شاپنگ کرنے آئی ہو یا دیواروں کو دیکھنے آئی ہو؟ صحیح طرح سے میرے ساتھ شاپنگ کرو مجھے تنگ نہ کرو۔

بھگوانی: دیدی آپ خرید لیں میرا دل گھبرا رہا ہے میں باہر جا کر کھڑی ہو جاتی ہوں۔

کویتا بڑبڑاتی رہی اور میں باہر جا کر کھڑی ہو گئی۔

گھر آ کر اس نے امی سے شکایت بھی کی لیکن گھر والوں نے مجھے کچھ نہ کہا۔ میری طبیعت سے واقف تھے۔ یہی ان کے لیے حیرت تھی کہ میں ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی، دل میں خاموش و پرسکون لہروں کا سمندر !!نہ طغیانی نہ ہیجان، منتظر رحمان کا کہ کب اس کی رحمت جوش میں آئے، بھگوانی کا توکل چلا پائے۔ اللہ اکبر

اِک توشہ امید کرم لے کے چلا ہوں

کچھ اس کے سوا پاس نہیں زادِ سفر اور

زادِ سفر کا تو سوچا ہی نہ تھا لیکن نہال خانوں میں بھی کچھ نہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ عملی قدم کیسے اور کب اٹھاؤں۔ میرا کیا بنے گا۔ کویتا تو شاپنگ کرتی جاتی اور رات کو مجھے سہانے سپنے دکھاتی جاتی کہ میری دیورانی بن کر میرے گھر آؤ گی اور پھر دونوں ساتھ رہا کرینگے بڑا مزا آئے گا دونوں مل کر راج کیا کریں گی وغیرہ۔ اس وقت میں اپنے ناپائیدار خواب سن کر کویتا کی ہاں میں ہاں ملاتی تھی لیکن اپنے دل کو ٹٹولتی تو وہاں کچھ بھی محسوس نہ ہوتا کفر کے خالی گھر میں اللہ کی مسجد کہاں؟

کویتا کے جانے کے بعد امی نے شاپنگ کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک دفعہ کہنے لگیں:

امی: بھگوانی بیٹا چلو حیدر آباد شاپنگ کے لیے تمہاری اور بہن کے لیے تھوڑی بہت شاپنگ حیدر آباد سے کر لیتے ہیں۔

بھگوانی: امی چلیں آج میری چھٹی ہے شام تک واپس آ جائینگے۔

شام تک ہم شاپنگ کر کے مغرب کے بعد گھر پہنچے کافی تھکن ہو گئی لیکن ابو نے کہا بیٹا اب تم کارڈ بنوانے کا آرڈر بھی دیدو۔ اب 20 سے 25 دن رہ گئے ہیں شادی میں، اپنی پسند کے کارڈ بنوالو۔

بھگوانی: اچھا ابو صبح دیکھیں گے۔ یا اللہ ! میرے دل کا یہ راز کب آشکار ہوگا زمانے پر ! میرے ابو کو نہیں معلوم کہ میرے دل میں تو ہی تو ہے۔

هم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

اور تو ہر جگہ موجود۔ میں ایک نقطہ راز

میرے وجود کے اس نقطے کو روشنی عطا کر، تاکہ اور تاریک نقطے روشن ہوں۔ اس گھر میں مجھے اپنے اظہار کا سبب بنا مجھے ان تاریک راہوں کا تاریک نقطہ نہ بنانا آمین ثم آمین۔ یہ دعا مانگنے سے بڑی تقویت ملی کہ ایسا کچھ نہ ہوگا کہ مایوس ہو جاؤں لیکن کیا ہوگا؟ سونی پگڈنڈیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

Marfat.com

درود شریف اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرتی ہوئی اپنے محافظ کی حفاظت نیند میں چلی گئی۔

صبح سویرے اذان پر میری آنکھ کھلی۔ خاموشی سے اللہ کی دعوت کو سنتی رہی ایک سرور اس آواز کا بار بار دل کی دھڑکن تیز کیے دے رہا تھا۔ جانو! دل کا دریچہ کھولنے کے لیے بے تاب!!

ناشتے کے لیے سب کے ساتھ بیٹھی تھی کہ والد صاحب گویا ہوئے

ابو: اری بھاگوان۔ بھگوانی کی ماں کویتا کا رات فون آیا تھا 6 فروری شادی کی تاریخ پکی کر دی ہے اور ہم نے بھی ان کو یہی تاریخ دی تھی چلو اچھا ہوا یہی تاریخ پکی کر دی انہوں نے، اب جلدی جلدی سب تیاریاں کر لیں اور ہاں بھگوانی بیٹا تم بھی چھٹیاں لے لو! ہسپتال سے منظور ہونے میں بھی دن لگیں گے۔

ارے آج کارڈوں کا بھی آرڈر دینا ہے چلو جلدی سے ناشتہ کر لو اور میرے ساتھ چلو ڈیزائن پسند کر لو۔

بھگوانی: اچھا ابو!!!! ایسا معلوم ہوا کوئی چیز اندر ٹوٹ گئی، کرچیوں کی چبھن آنکھوں کو سرخ کر گئی۔ سر جھکائے دل کے پھڑکتے پنچھی کو کنٹرول کرنے لگی لیکن درد کا احساس اس پنچھی کو نچوڑے دے رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اپنے پر کنٹرول کیا مبادا مشکوک ہو جاؤں۔

ہم تم ہی ہیں بس آگاہ اس ربطِ خفی سے

میرے مالک مجھے ہمت دے حوصے دے کوئی راہ پیدا کر دے۔ آمین

کارڈ کا ڈیزائن میں نے پسند کیا اور پروگرام کی فہرست ابو نے پریس والوں کو سمجھائی۔

جب گھر واپس آئے تو مجھے کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا اب آہستہ آہستہ یہ احساس ہو رہا کہ جب میں مسلمان ہوں تو یہ میں کیا کر رہی ہوں؟ ہندو سے شادی کیسے کر رہی ہوں اپنے لیے یہ دلدل کیوں بنا رہی ہوں جس میں پھنس کر زندگی بھر نہیں نکل سکتی ابھی تو صرف والدین اور بھائی بہنوں کے مسئلے ہیں پھر شوہر اور اولاد کے مسئلے بھی جمع ہو جائیں گے۔ ابھی کوئی قدم اٹھاتے قدم نہیں اٹھتے پھر تو قدموں میں زنجیر اولاد کی بھی ہوگی۔ اور اس

Marfat.com

دلدل میں روز جیوں گی روز مروں گی۔

نا معلوم ضعیفی نے نڈھال سا کر دیا منہ لپیٹ کر سوتی بن گئی۔ بہنوں نے آ کر کھانے کا پوچھا۔

بھگوانی: آں ہاں کیا مجھے کھانا کھانا ہے؟؟

ارمیلا: دیدی !! کھانا کھانے کے لیے اتنی بے خبر کیوں؟

بھگوانی: خدا کے واسطے ارمیلا اس وقت یہاں سے جاؤ۔

ارمیلا: بھگوان کا واسطہ دو یہ خدا خدا نہ کرو۔

بھگوانی: جا آ آ آؤ !! بے خودی میں آپے سے باہر ہوگئی۔

فوراً سینہ پکڑ کر ہانپنے لگی۔ ارمیلا نے باہر جا کر کیا کہا خدا معلوم ! لیکن شام کو پورا گھر مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کہا کچھ نہیں۔ ابو کی پریشانی دیدنی تھی۔ ماں کی پراتھنا زوروں پہ تھی کہ جلدی سے دن گزر جائیں خیریت سے اور 6 فروری آ جائے بھگوانی اپنے گھر چلی جائے تاکہ روز روز کی اذیت سے جان چھوٹ جائے۔ بہن الگ اپنے بھگوان کو پکار رہی تھی کہ اے بھگوان میری بھی شادی بھگوانی کے ساتھ خیریت سے ہو جائے۔ ایک خدا !دوسرا بھگوان ! ٹکراؤ تو ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو ہدایت دینے والوں کو سایہ رحمت میں بھی رکھنا تھا۔ اور کفر کو لمبی رسی بھی دینی تھی ورنہ مسلمان ہوتے نہ کافر۔ اسی سلسلے کا سبب ہی وجود دنیا ہے۔ میں بھی اس ربِ بے نیاز سے آس لگائے بیٹھی تھی کہ

مجھ کو میری رب کی نصرت پہ
تمہیں ناز ہے وسائل پر

12 جنوری 2010 ایک دفعہ پھر کویتا آئی۔ جب بھی آتی کوئی نہ کوئی پھلجڑی، خبر، شگوفہ کھلا جاتی۔ میری پریشانیوں میں اضافہ کر جاتی، میری دعاؤں کی ساعتیں بڑھا جاتی۔

13 جنوری 2010 کو میں نے عجیب خواب دیکھا میری سونی پگڈنڈیوں میں روشنی پھیل گئی ایک جھلک ہی دیکھ پائی کہ غائب ہوگئی معلوم ہوا کسی نے دروازہ کھول کر جلتا بلب دکھایا۔ کچھ سمجھ نہ پائی۔ یہ 14 جنوری 2010 کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری راہ کی راہنمائی کی، مٹھی کے ہسپتال میں اخبارات آتے تھے ہمیں بھی فرصت کے اوقات میں

Marfat.com

پڑھنے کا موقع ملتا رہتا تھا ایک دفعہ اچانک میری نظر اخبار کی ہیڈنگ پر پڑی لکھا تھا "خمیری مسلمان" میں سمجھی مسلمانوں کا کوئی گروہ ہے جو خمیری کہلاتا ہوگا پڑھ کر دیکھ لوں یہ کہاں سے آئے ہیں کیونکہ میر پور میں تو کبھی میں نے ان کا نام نہیں سنا تھا۔ لیکن جوں جوں وہ کالم پڑھتی گئی میرے دل کے راز کھلتے چلے گئے ہر ہر قسط نے مجھے رلایا ہر لفظ نے مجھے تڑپایا۔ جانو میری تو وہ داستاں تھی لیکن جس جس نے اس کو پڑھا وہ رویا ضرور تھا، خمیری مسلمان کی ان قسطوں کا ہسپتال میں بھی بڑا چرچا تھا ہماری اسٹاف کی ایک مسلمان نرس نے بتایا کہ یہ ایک کتاب ہے جس کو اس اخبار نے قسطوں میں شائع کیا ہے پورے میر پور میں اس کتاب کا بڑا چرچا ہے رہی سہی کسر اخبار نے پوری کر دی ہے۔ مسلمانوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس کتاب نے ہمارے ایمان پختہ کر دیئے ہیں۔ ان بچیوں کی استقامت اور اللہ کے اکرام کے کھلے معجزے ہم نے اپنی زندگی میں دیکھ لیے۔ ساری قسطیں پڑھنے اور ان کو از بر کرنے کے بعد میں بھی کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔ بلکہ میں تو یوں کہوں گی کہ یہ کتاب مجھے راہ دکھانے کے لیے اللہ نے میرے لیے بھیجی۔ آٹھ سال سے اللہ تعالی میرے دل کو ڈھارس بندھاتے رہے اب اس ڈھارس کی عملی شکل کتاب کی صورت میں مجھے ہدایت دی۔ جیسے قرآن بندوں کی ہدایت کیلئے، کتاب پڑھنے سے ایسی ہمت وتقویت ملی کہ اپنے آپ کو اپنے گھر میں مسافر سمجھنے لگی۔ مہمان تھی میں اس گھر کی جس میں، میں نے جنم لیا۔ پیار کے ہنڈولے جھولے۔ ماں کی گود میں سوئی، باپ کے کندھوں پہ کھیلی۔ بہنوں پہ راج کیا، بھائی کا مان لیا۔ خود کو اس گھر کی میت سمجھ لیا۔ جیسے مردہ اپنوں سے منہ پھیرتا ہے اور اپنے روتے رہ جاتے ہیں لیکن میت کے کان پہ جوں نہیں رینگتی اسے صرف اپنی لگی ہوتی ہے۔ قدرت کے اس قانون کو میں نے زندگی میں اپنا لیا۔ پھر اسی رات میں گھر سے خاموشی سے ہمیشہ کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔

(آگے کیا ہوا؟ کیا بھگوانی اپنی منزل پر پہنچ پائی؟ اسی کتاب کے دوسرے حصے میں ملاحظہ کیجئے۔)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کٹر یہودی خاندان کا شخص کیسے مسلمان ہوا۔
پاکستان کے اعلی سرکاری افسر محمد اسد کی کہانی

محمد اسد 1900 میں آسٹریا میں پیدا ہوئے لیکن مختلف نام سے۔ ان دنوں ان کا نام تھا لیوپرڈ وائز۔ وہ ایک کٹر یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا ایک مشہور یہودی ربی تھے لیکن ان کے والد کا دل رہبانیت بلکہ مذہب ہی سے بے زار تھا۔ جب اسد نے مذہب میں دلچسپی لینی شروع کی تو دادا تو بڑے خوش ہوئے لیکن والد ناراض ہو گئے۔ خیر انہوں نے جب اپنی دلچسپی کی خاطر مشرق وسطی کی طولانی سیر شروع کی تو ان کو یہودیت کا اور بھی گہرائی سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اسی دوران انہوں نے وہ تمام قدیمی زبانیں سیکھیں جو تورات اور زبور کو سمجھنے کیلئے ضروری تھیں۔ اس دوران اسکے ضمیر نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے ہم مذہبوں کی جارحیت پر آنکھیں بند رکھے۔ لیوپرڈ نے اخباروں میں لکھنا شروع کیا۔ اس بات پر جب وہ فلسطین میں اپنے چچا کے ساتھ قیام پذیر تھے تو ان سے تعلقات بھی خراب ہوئے۔

صرف بیس بائیس سال کی عمر میں لیوپرڈ نے جرمنی کے ایک اخبار کیلئے لکھنا شروع کیا اور خبروں کی ترسیل کیلئے فلسطین میں مقیم ہوئے۔ مذاہب کے تقابلی جائزے کیلئے شائد فلسطین، جو کہ پیغمبروں کی سرزمین کہلائی جاتی ہے، سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس دوران لیوپرڈ نے عربی ہیبریو اور تورات وانجیل کی دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا۔ اسکے ساتھ ہی حق وآگاہی کا ایک طویل سفر شروع ہوا۔ سب سے پہلے تو لیوپرڈ کو یہودیت اور

Marfat.com

عیسائیت کے اندرونی تضادات نے بے چین کیا۔

ان دو مذاہب نے جواب دینے کی بجائے بہت سے سوالوں کو جنم دیا۔ مشرق وسطے میں رہتے ہوئے اسے مسلمانوں سے واسطہ تو پڑتا ہی رہتا تھا لیکن مسلمانوں کی حالت زار اس قابل نہ تھی کہ کسی ترقی یافتہ یورپین کو مسلمانوں کے مذہب میں کوئی دلچسپی محسوس ہوتی۔ پھر بھی کسی نے لیوپرڈ کو قرآن کا ایک نسخہ دے دیا تو لیوپرڈ نے کبھی کبھار اسکے صفحے پلٹانا شروع کیے۔ قدیم اور جدید دونوں قسم کی عربی پر انہیں پہلے سے عبور حاصل تھا۔ چنانچہ بہت جلد قرآن نے اسکے دل میں جگہ بنانی شروع کردی۔

لیوپرڈ کے اپنے الفاظ میں اسکے دل پر ایقان تب ہوا جب وہ 1926 کے ایک دن برلن میں اپنی بیوی کے ساتھ ٹرین کی فرسٹ کلاس میں جا رہا تھا تو سامنے ایک امیر یورپین پر اسکی نگاہ مرتکز ہوگئی۔ یہ امیر شخص بہت قیمتی لباس میں ملبوس تھا اور اسکے اردگرد دولت کی فراوانی تھی۔ اس وقت لیوپرڈ کا دل یورپی مادی ترقی سے متاثر ہو رہا تھا کہ اچانک اس نے غور سے اس امیر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس امیر کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق نہیں تھی بلکہ الٹا ایسا لگ رہا تھا گویا وہ کسی اندرونی اور ذہنی اذیت میں مبتلا ہو۔ پھر اس نے اردگرد دوسرے امرا کو دیکھا تو ویسا ہی دکھ اور اذیت کا ایک ہالہ ان کے گرد دیکھا۔ لیوپرڈ نے آہستہ سے اپنی بیوی سے اپنا تاثر بیان کیا تو وہ بھی حیران ہوگئی اور واقعی اسے بھی یہی احساس ہوا۔

جب وہ رات کو گھر پہنچے تو لیوپرڈ کو اپنی میز پر قرآن کریم کا نسخہ کھلا نظر آیا۔ جب نسخے کو بند کرنے کیلئے ہاتھ میں اٹھایا تو بند کرنے سے پہلے اچانک اسکی نظر کھلے ہوئے صفحے پر پڑی۔ اللہ کا کلام گویا اس سے مخاطب تھا۔ باہمی رشک وحسد اور لہو لعب تمہیں غافل کیے جاتے ہیں حتی کہ تم اپنی قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔ سور التکاثر۔

لیوپرڈ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے ہاتھوں میں قرآن لرز رہا ہو۔ اس نے سب سے پہلے تو اپنی بیوی کو یہ سورہ دکھائی تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ تاہم اگلے دن ہی لیوپرڈ برلن کے ایک اسلامک سنٹر میں محمد اسد بن کر باقی عمر اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر بیٹھا۔ چند دن کے بعد اسکی بیگم بھی مسلمان ہوگئی۔

Marfat.com

اسکے بعد دونوں میاں بیوی سفر حجاز پر روانہ ہوئے۔ مدینہ پہنچنے سے قبل ہی ان کی عفیفہ وفات پاگئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ مدینہ میں محمد اسد کی ملاقات سعود بن عبدالعزیز کے ولی عہد سے ہوئی اور اس طرح سے شاہی خاندان کے ساتھ تعلق بنا۔ کئی سال وہیں پر گزارنے کے بعد علامہ اقبال کی دعوت پر ہند تشریف لائے۔ انہی دنوں جنگ عظیم دوم بپا ہوگئی۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ آسٹریا میں اس کے ماں باپ کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ہندوستان میں محمد اسد کو برطانوی تاج کیلئے خطرہ قرار دے کر ان کو بمعہ دوسری بیوی اور بچوں کے گرفتار کرلیا گیا۔ بیوی بچے تو تین سال بعد رہا ہوئے لیکن ان کو رہائی جنگ ختم ہونے کے بعد ہی ملی۔ جب 1947 میں پاکستان بنا تو قائد اعظم نے ان کو پاکستان کی شہریت عطا کی اور ان کو اس مملکت خداداد کے پہلے آئین کی تدوین سونپ دی۔ 1949 میں انہوں نے یہ ذمہ داری پوری کی تو ان کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل سفیر مقرر کیا گیا۔ عرب ممالک کے ساتھ پاکستان کے مضبوط تعلقات کی داغ بیل انہوں نے ان ممالک کے تیل کی دولت دریافت ہونے سے پہلے ہی ڈال دی تھی۔

1952 میں انہوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور پہلے نیویارک اور پھر سپین منتقل ہوئے۔ اپنے لئے سب سے پہلے اپنی زندگی کے پہلے بتیس سال کی کہانی لکھنے کا مشن بنایا۔ یہ ایک کتاب کی صورت میں نمودار ہوئی اور ایک ایسی معرکہ آرا کتاب بنی جو، اب تک چھپتی آئی ہے۔ اس کتاب نے بے شمار یورپین لوگوں کو اسلام کا رستہ دکھایا۔ اس کتاب کا نام ہے دی روڈ ٹو مکہ (The Road to Mecca) اس کتاب کے بعد انہوں نے قرآن کریم کا رواں انگریزی میں ترجمہ اور مختصر سی تفسیر لکھنا شروع کی اور قریب قریب تیس سال کی محنت کے بعد اسے 1980 میں مکمل کیا۔ اسکے بعد بھی انہوں نے آرام سے بیٹھنا پسند نہ کیا بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ انہوں نے 1992 میں سپین ہی میں بانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ اللہ ان کو جزائے عظیم عطا فرمائے آمین مجھے اس سے قبل محمد اسد کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ صرف انکی کتاب کے بارے میں سنا تھا لیکن پڑھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مجھے تو خیر ایک واقعے نے ان کی طرف متوجہ کیا تھا جس کے بارے میں بعد میں لکھوں گا۔ تاہم مجھے نہ صرف اپنی جاہلیت پر غصہ آتا رہا ہے بلکہ افسوس

Marfat.com

اس ذہنیت پر بھی ہورہا تھا جس نے پاکستان کی اس تاریخ ساز شخصیت کو ہم سے اوجھل رکھا۔ میں نے حال ہی قدرت اللہ شہاب کی سوانح عمری اور پاکستان کی ابتدائی تاریخ شہاب نامہ دوبارہ پڑھی اور ان کی اس دانستہ یا نادانستہ چشم پوشی پر بہت دل شکنی ہوئی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے وہ اس کا جواب دیں کہ قائداعظم نے محمد اسد ہی کو کیوں چنا کہ نہ صرف ان کو پاکستان کی شہریت دی بلکہ آئین سازی کا کام بھی سونپا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ایک بھارتی تاجر خاتون کا قبول اسلام

میرے والد کا نام شیو رام بھگت تھا، والدہ کا نام سومی بائی تھا۔ میرا تعلق بھارتی پنجاب کے راج پورہ ضلع پٹیالہ کے بھگت خاندان سے تھا۔ ہم لوگ تین بہنیں تھیں۔ میرے اللہ کو مجھ سے پیار تھا اور میرے رب نے کرم کیا کہ ایمان کی دولت سے نوازا اور کفر کو مجھ سے دور کیا اور بظاہر "مسلم عورت کی ستر پوشی " نامی کتاب میرے اسلام لانے کا سبب بنی۔ ہمارا گھرانہ غریب تھا۔ میری والدہ کی بہن کی شادی ایک بڑے گھرانے میں ہوئی۔ جب میری شادی ہوئی، اس وقت میری عمر بیس سال تھی۔ میری خالہ نے سوچا کہ میری بھانجی بھی بڑے گھر میں آ جائے، اس لیے انھوں نے اپنے دیور کے بیٹے سے جو کہ سی بی آئی آفیسر تھے، میری شادی کرادی۔ میری والدہ امیر غریب کے خوف کی وجہ سے شادی پر آمادہ نہ تھیں۔ ایک طرح زبردستی یہ شادی کرائی گئی۔ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ جن سے میرا بندھن بندھا ہے، وہ بے حد لاپروا اور شرابی ہیں۔ سسرال میں میرا حال تو نوکر سے بھی بدتر تھا اور میں کٹھ پتلی کی طرح سسرال میکے میں گھمائی جاتی۔ سن ستر میں میری شادی ہوئی اور تین سال بعد میرا بیٹا پیدا ہوا۔ اس وقت میں بے حد ستم رسیدہ حالت میں اسپتال میں تھی۔ میری ماں نے بھی میری پروا چھوڑ دی۔ بے چاری کیا کرتی، حالات ہی ایسے تھے۔ میں نے لوگوں کے جھاڑ و برتن کیے اور ایسے حالات میں اللہ نے دو بیٹے اور ایک بیٹی کی مجھے ماں بنادیا، اللہ نے مجھے دماغ بہت تیز دیا ہے۔

میں نے سن اسی میں سلائی کڑھائی کے کارخانے میں چھ سو روپے ماہانہ تنخواہ پر کام شروع کیا۔ وہیں سے میرا اسلام سے تعلق جڑا۔ وہ کارخانہ کسی ہندو کا تھا، لیکن اس میں

Marfat.com

نوکر مسلمان تھے اور مسلمان بریلوی خیال کے تھے۔ میں ساڑھی پہن کر کارخانے جاتی اور میرا بلاؤز بغیر آستین کے ہوتا تھا۔ مسلم ورکر بولے: بہن جی، آپ ہمارا ایمان خراب کرتی ہیں !میں بولی: ایمان کیا؟ وہ بولے: ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے یہاں مسلم عورت ستر پوش یعنی پوری ڈھکی چھپی رہتی ہے اور اس لیے مردوں کا ایمان بھی سلامت رہتا ہے اور عورتوں کا بھی۔

میں نے کہا کہ ایمان کیا ہے؟ بولے کہ ایک کلمہ ہے۔ وہ پڑھا جاتا ہے۔ میں بولی کہ وہ تو مسلمان عورتیں ہیں، اپنے دھرم کی وجہ سے کرتی ہیں، مسلم ورکر بہت درمندی سے بولے کہ بہن جی، آپ چاہے جو بھی ہوں، ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ بھی ہماری ماں بہنوں کی طرح کپڑے پہنو۔ میرے دل میں ان کے ایمان کی، ستر پوشی کی بات گھر کرگئی اور میں سوچنے لگی کہ کیسا اچھا ایمان ہے ان کا، اور ان کے یہاں کس قدر عورت کی عزت کی جاتی ہے اور ان ورکرز کے ایمان کے اندر آنے کے لیے میرا دل بے قرار ہوگیا۔ اگلے دن میں نے کہا کہ بھائی میں تمھارے ایمان میں آنا چاہتی ہوں، مجھے کیا کرنا ہوگا؟ بولے: ایک کلمہ ہے، وہ پڑھنا ہوگا۔ میں نے کہا: جلدی مجھے پڑھا۔ بولے کہ ہم نہیں پڑھا سکتے، ہمارے بابا پڑھائیں گے۔ اور وہ فلاں دن آتے ہیں۔ اب مجھے اس فلاں دن کا بے قراری سے انتظار رہنے لگا۔ خدا خدا کر کے وہ دن آ گیا۔ ایک لمبا سا چوغا اور طرح طرح کی گلے میں مالائیں پہنے اور ہری ٹوپی پہنے بابا کارخانے میں تشریف لائے اور انھوں نے رومال پکڑوا کر کہلوایا: صلی علیک یا محمد۔ یا اللہ۔ یا محمد۔ یا علی المدد۔ کرمدد۔ یہ اس زمانے کا میرا ایمان تھا۔ جیسے کہا، جو بتایا، میں نے کہا اور پڑھا اور بہت زمانے تک ہر وقت یہ ورد کرتی رہی اور پھر مجھے بتایا گیا کہ قبروں پر جانا ہے، میں ان بابا کی مرید بن گئی۔ اور میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے مزاروں پر حاضری دی اور جیسا وہاں ہوتے دیکھا، ویسے کرتی رہی۔

ادھر میں نے ساڑی کی جگہ سوٹ پہننا شروع کیا اور خود کپڑے ڈیزائن کرنا شروع کیے اور میرے ڈیزائن ڈریس کی بہت قیمت لگی۔ میں نے الگ سے مشین خریدی اور خود ڈیزائن کر کے ڈریس تیار کی اور بازار میں فروخت کی، میرا کاروبار چل نکلا۔ ٹھیک دو

Marfat.com

سال بعد اوکھلا فیز۔۲ میں، میں نے اپنے کارخانے کی بنیاد ڈالی اور الگ سے مسلم ورکرز رکھے۔ مجھے کمانے کی دھن لگ گئی اور اللہ نے قابل بنا دیا کہ نہرو نگر، نئی دہلی میں ۳ منزلہ ایک پورا کیمپس خرید لیا۔ ہاں ایک اور بات یاد آئی۔ جب میں کارخانے میں کام کرتی تھی، بابا کو خانقاہ کی ضرورت تھی، میری ماں نے میرے نام ایک دکان کر دی تھی، وہی ان کی کل جائداد تھی۔ بابا کو خانقاہ کے لیے زمین کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا: وہ دکان کے کاغذات دے دو مجھے ایک مکان خریدنا ہے۔ میں نے ماں سے جھوٹ بولا، ورنہ ماں بھی کاغذ نہ دیتی۔ میں نے کاغذات لے کر وہ دکان اس زمانے میں بارہ ہزار کی فروخت کر دی۔ ۱۱ ہزار ان بابا کو خانقاہ کے لیے دے دیے۔ ایک ہزار خود رکھے، اس وقت سروس کرتی تھی۔ چھ سو روپے تنخواہ، تین بچے اور خود اور مکان کا کرایہ، ایک ہزار کرایہ جمع کیا اور دلی کورٹ پٹیالہ ہاؤس میں جا کر باقی پیسے سے اسلام قبول کرنے کی کارروائی پوری کی۔ بس اس وقت اللہ کے نام پر دینے کی دھن سوار تھی۔ میں چاہتی تھی کہ کماؤں اور اللہ کے لیے لٹاؤں، مجھے کمانے کی دھن لگ گئی۔ نہرو نگر میں اللہ نے جائیداد دلوا دی۔ وہاں جو ورکرز کام کرتے تھے، وہ نماز نہ پڑھتے تھے، البتہ نماز کے بہانے جاتے اور باہر جا کر پکچر دیکھنے چلے جاتے اور میں نمازیوں کو ہی کام دیتی تھی۔ مگر ورکر چالاکی کرتے۔ میں نے سوچا، مجھے ایسی جگہ کارخانے کی تلاش کرنی چاہیے، جہاں مسجد کارخانے سے ملی ہوئی ہو، تب میں نے حاجی کالونی، غفور نگر جامعہ نگر، دہلی۔ ۵۲ میں زمین خریدی اور کارخانہ ادھر شفٹ کیا، لیکن ادھر چونکہ میں اکیلی کام کرتی تھی اور مسلم ایریا میں مسجد کی وجہ سے شفٹ ہوئی تھی، تاکہ ورکر نماز ضرور پڑھیں اور دیر تک غائب بھی نہ ہوں کہ کارخانے میں کام کا نقصان نہ ہو، لیکن ادھر کے مسلمانوں نے مجھے بہت تنگ کیا کہ یہ کیسے مسلمان بنی ہے، لڑکوں سے کام کراتی ہے، طرح طرح کی باتیں۔ میرا ذہن پریشان ہو گیا، حتی کہ میرا کارخانہ ٹھپ ہونے لگا اور میں بچوں کے پاس نہرو نگر چلی گئی۔ کام بالکل بند ہو گیا۔ میں غریبی میں چلی گئی، فاقے ہونے لگے، میں نے کترن بیچنا شروع کی اور پھر کچھ سہارا شروع ہوا۔ پھر کچھ اور اچھی مسلمان بہنیں ملیں۔ انھوں نے سہارا دیا، اسی طرح مولوی ذوالفقار صاحب نے میری بڑی رہنمائی کی۔ انھوں نے مجھے اپنی ماں بنا لیا اور حقیقی ماں کی طرح

Marfat.com

میرا خیال رکھنے لگا۔ میں نے حاجی کالونی جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵ میں پھر کارخانہ شروع کیا۔ اور نائٹی، ٹاپ اور پٹیالیہ شلوار کی ڈیزائننگ کر کے مارکیٹ میں فروخت کرنا شروع کر دی اور یہاں بھی میں نے عمارت بنالی اور خود بھی ادھر ہی شفٹ ہوگئی اور تب میں نے جانا کہ جس اسلام پر میں چلتی ہوں، قبر پرستی، وہ صحیح نہیں۔ کلمہ صحیح کیا ہے، اب معلوم ہوا۔ نماز یہاں آ کر سیکھی، قرآن کریم پڑھا، تبلیغی جماعت کی بہنوں سے میل جول پیدا کیا۔ میں۔ نے جب نماز سیکھی اور اس کو ادا کیا تو سمجھ میں آیا کہ حدیث نبوی "نماز مومن کی معراج ہے" کا کیا مطلب ہے، نماز واقعی معراج ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ میں روزے برابر رکھتی رہی، نمازیں بھی ادا کرتی، لیکن نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتی تھی۔ مجھے شوگر ہو گئی اور گھٹنوں نے کام کرنا بند کر دیا۔ جہاں میں رہتی ہوں، وہاں میرے ایسے پورشن ہیں کہ بآسانی کرائے دار بھی رکھتی ہوں۔ لیل القدر آ گئی، سب لوگ کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف تھے۔ میں بھی اس رات جاگ رہی تھی۔ پیروں کے درد کی وجہ سے اٹھ نہ سکتی تھی۔ کسی مسلم بہن نے بھی مجھے اس رات کے بارے میں کچھ خاص نہ بتایا۔ اور میرا دل پھٹا جا رہا تھا کہ کوئی آئے، مجھے تسلی دے، اس رات کی عظمت کے بارے میں بتائے۔ میں ایسے میں کیسے عبادت کروں، کوئی میری مدد کرے۔ پھر بے بسی کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں بیٹھے بیٹھے سجدے میں جا گری اور اسی طرح مالک کے سامنے آہ وفغاں کی، تڑپ تڑپ کر روئی، روتے روتے زور زور سے میری چیخیں لگ گئیں۔ مجھے کچھ ہوش نہ رہا، بس اللہ اور میں فریادی ! میری یہ بے بسی کہ عبادت اور نماز بھی کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکوں، اس کا احساس ہوا کہ یکا یک مجھے لگا، میں کھڑی ہو سکتی ہوں اور میں سیدھی کھڑی ہوگئی اور اس رات میں نے کھڑے ہو کر خوب نماز ادا کی اور میں جو چلنے پھرنے سے معذور تھی، چلنے پھرنے لگی اور کئی سال تک میں ایسی رہی کہ مجھے کوئی بیماری نہیں تھی، میری شوگر بھی ختم ہوگئی۔ مگر ہم بہت نکمے ہیں، پھر دنیا داری میں پھنس گئی اور پھر وہی بیماری۔

میں نے "فضائل اعمال" پڑھنا شروع کی۔ جب میں نے یہ پڑھا کہ جس کا بیٹا حافظ قرآن ہوگا، آخرت میں اس بیٹے کی ماں کو تاج پہنایا جائے گا۔ میں تڑپ گئی کہ یا

Marfat.com

اللہ !اب میں کیا کروں !میرے دو بیٹے ہیں، ان کی شادی ہو چکی، بچے بھی ہو گئے، کیونکہ میں بس صلی علیک یا محمد، المدد، کر مدد اور قبروں پر جانے کو مسلمان ہونا سمجھتی تھی، بس خود ہی مسلمان بنی رہی، لڑکے خاندانی حالت پر ہیں، ان کی شادی میں نے ہندو لڑکی سے کی اور مجھے پھر اس نعمت سے محرومی نے دکھی کر دیا۔ میں زار و قطار روئی کہ سب حافظوں کی ماں کو تاج پہنایا جائے گا، میرے لیے کوئی تاج نہ ہو گا۔ میرا کوئی بیٹا حافظ نہیں۔ ایک پڑوسن دین دار تھیں، میرے ہر وقت کے رونے کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ تم میرے بیٹے کو پڑھا لو، حافظ بنا لو۔ دوسروں نے کہا کہ کوئی غریب بچہ پڑھا لو۔ میں نے غریب بچے کی تلاش شروع کر دی۔ ایک بچہ جس کا نام احتشام تھا، اس کو پڑھانے کے لیے سہارن پور مدرسہ سو کڑی میں چھوڑا اور وہ الحمد للہ حفظ کر رہا ہے، پھر مجھے لوگوں نے کہا: ایسے تاج نہیں پہنایا جائے گا۔ آپ بن ماں باپ کا بچہ تلاش کرو۔ اس کو حفظ کرا۔ اب میں اور رونے لگی اور لگتا تھا کہ روتے روتے جان چلی جائے گی کہ ہائے محرومی !مجھے تاج نہ پہنایا جائے گا۔ اب میں نے کسی ہندو غریب کی جھگی جھونپڑی میں تلاش شروع کر دی۔ ایک بچہ اللہ نے مجھے ملایا، جو بن ماں باپ کا ہے، عبد اللہ اس کا نام رکھا۔ اسے رائے پور سہارن پور کی طرف لے کر گئی اور اسے پڑھا رہی ہوں۔ ماشا اللہ اس کا ۲۱ واں پارہ ہے، رائے پور میں پڑھ رہا ہے۔ دونوں بچوں کے لیے کپڑا خرچ وغیرہ لے کر جاتی ہوں۔ میرا پوتا میرے پاس رہتا ہے۔ بارہ سال کا ہے۔ اسے حوض والی مسجد میں بھیجا ہوا ہے، امن نام ہے، دعا کیجیے کہ وہ بھی حافظ ہو جائے، آمین "!فضائل اعمال "میں پڑھا کہ سود خور کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا کہ اس کے پیٹ میں سانپ بچھو ہوں گے۔ ہمارے یہاں ہفتے میں اجتماع ہوتا ہے اور میں پنجاب وغیرہ بھی جاتی ہوں۔ وہاں ہندو بہنیں میرا وعظ سنتی ہیں۔ جالندھر میں میں نے جب یہ سود والی حدیث سنائی تو ہندو ہوتے ہوئے بھی سب نے یقین کر کے وہاں سود لینا دینا چھوڑ دیا، اور وہ بے چین رہتی ہیں کہ اپنے دھرم کی اور بات بتا۔ لوگ پیاسے ہیں، مجھے تو کچھ زیادہ معلومات نہیں، بس قرآن کا ہندی ترجمہ اور "فضائل اعمال "پڑھی ہے۔ مسلمان اگر آگے آئیں تو لوگ پیاسے کھڑے ہیں۔ ذرا سے اشارے کی دیر ہے، دامن اسلام میں آ جائیں گے۔

Marfat.com

میرے شوہر نے پچیس سال سے میرا اور میرے بچوں کا کوئی خرچ نہیں اٹھایا۔ اب وہ پچھلے دنوں ریٹائر ہوئے اور انھوں نے فنڈ کے پیسے سے ایک فلیٹ خریدا اور حالات کچھ ایسے بنے کہ وہ فلیٹ انھیں گروی رکھنا پڑا۔ ناچار میرے نہرو نگر والے فلیٹ میں جہاں میرے دونوں لڑکے اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں، ان کو آنا پڑا۔ میں برابر سب رشتے داروں سے ملتی ہوں، جب کچھ دن باپ کو بیٹے اور بہو کے پاس رہتے ہو گئے تو بڑی بہو نے انہیں باہر کر دیا۔ اب یہ دوسرے بیٹے کے گھر میں گئے۔ دیکھتی کیا ہوں کہ ایک دن میری بڑی بہو ان کو کھانا ایسے دیتی ہے، جیسے کسی کتے کو ڈالتے ہیں۔ میں نے کہا: تم اس طرح سلوک کرتی ہو، اس طرح تو لوگ کسی کتے کو بھی نہیں دیتے ہیں۔

خیر میں حسب معمول خرچہ دینے کے لیے رائے پور حفظ کرنے والے بچے کے پاس گئی تو وہاں جامعہ اسلامیہ دہلی کا ایک بچہ مل گیا، وہ وہاں حفظ کر رہا ہے، رائے پور میں رہتا ہے۔ اللہ نے اسے دین پر لگا دیا ہے۔ وہ بولا: ماں جی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ میری سب کہانی کا حال اس نومسلم بچے نے اسے بتا دیا ہوگا۔ بولا: آپ کے شوہر ہندو ہیں، آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے شوہر کو دین کی دعوت دیں۔ مجھے ان کے سلوک کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی تعلق محسوس نہ ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ بیٹے، وہ تو بہت بڑے شرابی ہیں، شراب کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ بچہ بولا کہ اماں، اگر آپ کو شراب کا گلاس بھر کر بھی دین کی دعوت دینی پڑے، تب بھی آپ دین کی دعوت دیں۔ یہ دعوت دینا بہت ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان شا اللہ وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ ایسے بھی جذبے والی ہیں۔ آپ یہ کام ہر حال میں کریں، اب میں گھر آ گئی۔ میں نے فون اٹھایا، ادھر سے فون انھوں نے اٹھایا، مگر میں کچھ ہمت نہ کر سکی۔ عجیب شرم محسوس ہوئی، مگر دل ہی دل میں اللہ سے گڑگڑاتی: اے اللہ، تو انھیں ایمان کی دعوت دینے کی مجھے ہمت عطا کر۔ میری بہن ہندو ہے، مگر سب کلمہ ورد جانتی ہے۔ وہ بھی بہنوئی کی ایسی درگت سے دکھی تھی۔ وہ روز کہتی کہ تو مسلمان بن جا، تیری زندگی بن جائے گی۔ دیکھ میری بہن کی مسلمان بننے سے کیسی زندگی بنی ہوئی ہے۔ روز روز کہتی رہی۔ ایک دن دیکھتی کیا ہوں کہ زبردستی میرے شوہر کو میرے گھر لے آئی۔ میں ناراض ہوئی کہ تو اس ہندو شرابی کو کیوں لے کر آئی ہے؟

Marfat.com

وہ بولی: یہ مسلمان بننے کو تیار ہے۔ غفار منزل کی مسجد میں صبح دس بجے کسی مولوی صاحب کا بیان تھا۔ ان کو وہاں لے گئی اور وہاں پر مولوی صاحب نے ان کو کلمہ پڑھایا، پھر نکاح پڑھایا۔ وہ نکاح پڑھا کر جانے لگے، میں روٹھی روٹھی تھی، میرے بیٹے ذوالفقار نے ان سے کہا: میری جمیلہ ماں کو سمجھایئے کہ پردہ کیے بیٹھی ہیں۔ پردہ چھوڑیں اور ناراضگی بھی ختم کریں۔ مولوی صاحب نے مجھے سمجھایا، میری سمجھ میں بات آ گئی۔ مگر پچیس سال سے الگ رہ رہی تھی، عجیب سا حجاب آتا ہے، ویسے جتنا کچھ ہو رہا ہے، خدمت کر رہی ہوں۔ آج ۲۲ دن ہو گئے انھوں نے شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

میرے دونوں لڑکے اگرچہ ہندو ہیں، لیکن بسم اللہ، الحمد للہ سب پڑھتے ہیں۔ بڑی بہو تو کٹر ہے، لیکن چھوٹی بہو بہت نرم دل ہے۔ چھوٹا بیٹا میرے ساتھ کام کرتا ہے، بلکہ اب فیکٹری، دکان سب کچھ وہی سنبھالتا ہے۔ بس بہو سے ڈرتا ہے۔ مجھے ان کو اسلام کی دعوت دینا ہے۔ ویسے میرا یہ منہ بولا بیٹا ذوالفقار اور بہو مثالی بہو بیٹے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حج بھی کر چکی ہوں۔

ایک مرتبہ میں نے خواب دیکھا کہ میرا ایک کمرہ ہے، جو بے حد حسین اور طوطیا رنگ کا ہے، اس کے رنگ کا حسن بیان سے باہر ہے۔ وہاں میں اور ایک آدمی سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے حد حسین، ناقابل بیان عورتیں، ہیرے جواہرات، زمرد، موتیوں کے تھال لیے بیٹھی ہوئی ہیں۔ دوسرا خواب کہ میں لا انتہا اونچائی پر کھڑی ہوں، بے حد سفید لباس میں اور میرے چاروں طرف بے حد سفید لباس ہیں اور بے حد شفاف پانی ہے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ تعبیر تو اللہ جانتا ہے، کیا ہے، مگر بے حد سکون محسوس ہوتا ہے۔ ایک بار دیکھا کہ چٹیل میدان ہے، میں اور میرا پوتا امن میرے ساتھ ہے کہ زبردست زلزلہ آیا، بڑا خوف ناک، میں الحمد شریف پڑھنے لگی ہوں کہ ایک دم زلزلہ الحمد پڑھنے سے رک جاتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے میرا پیغام ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں، ہندوؤں سے میل جول رکھیں۔ یہ دوریوں کی سرحدیں گرائیں۔ ہندو قوم اسلام دھرم مذہب کے بارے میں جاننے کو بے چین اور متجسس رہتی ہے۔ قریب آئیں، ان شا اللہ لوگ جوق در جوق اسلام میں کھنچے چلے آئیں گے۔

Marfat.com

سارہ جوزف سے امریکہ میں داعیہ بننے کا سفر

میں ہمیشہ سے بہت مذہبی واقع ہوئی ہوں۔ میری امی کا کہنا ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا، جب میں نے خدا کا ذکر نہ کیا ہو۔ دوپہر کھانے کے وقفے میں مذہبی رسوم ادا کرنے کی غرض سے عام طور پر گرجا گھر چلی جاتی تھی۔ اتوار کو علی الصباح بیدار ہو کر عبادت کے لیے جانا بھی میرے معمولات میں شامل تھا۔ میرے والدین کو مذہب سے میری اس محبت کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی، کیونکہ وہ دونوں میری طرح مذہب سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ دس برس کی عمر میں مجھے احساس ہو چلا تھا کہ ایٹمی اسلحہ انسانیت کے لیے کتنی بڑی تباہی لاسکتا ہے، چنانچہ چھوٹی سی عمر ہی سے میں نے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے خلاف کیے جانے والے احتجاجی مظاہروں میں شریک ہونا شروع کر دیا تھا۔ میں اس زمانے میں رونالڈ ریگن، یوری اندروپوف اور مسز مارگریٹ تھیچر کے نام خطوط میں ان سے درخواست کرتی تھی کہ وہ اپنے اپنے ایٹمی اسلحے کے ذخیروں کو تباہ کر دیں۔ سماجی انسان کا مجھے نہایت گہرا شعور حاصل تھا اور مجھے پختہ یقین اور اعتماد تھا کہ میں بالکل صحیح نظریات اور درست اندازِ فکر کی حامل ہوں۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ بہت چھوٹی عمر سے مجھے بڑوں کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا، کیوں کہ میری والدہ ایک ماڈلنگ ایجنسی چلا رہی تھیں۔ سچ پوچھیے تو میری پرورش اور تربیت بھی وہیں ہوئی ہے۔ ارے میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ میں ایک امریکی لڑکی ہوں اور امریکہ میں ہی رہتی ہوں۔

ہمارے مکان پر سبھی مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کا آنا جانا تھا۔ ان میں یہودی، عیسائی اور مسلمان سبھی شامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اور میرے دیگر بہن بھائی

Marfat.com

مذہبی تعصّبات سے ہمیشہ دور ہی رہے۔ اس کا اندازہ آپ کو اس واقعے سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ میرے بھائی کو ہندوستان کی ایک مسلمان لڑکی سے اتنا شدید عشق ہوگیا کہ اس سے شادی کی غرض سے انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ میرے والدین نے تو اپنے بیٹے کے اس فیصلے پر کوئی بڑا ہنگامہ برپا نہیں کیا، تاہم میں نہ جانے کیوں بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد میری بھاوج کے بچے کی ولادت ہوئی۔ بچے کی ولادت کے بعد اس کا جو نام رکھا گیا، وہ میرے لیے قطعاً اجنبی اور نامانوس سا تھا۔ اپنی پرورش اور مذہبی رجحانات کے سبب میں خود ہی اپنے تعصبات کا شکار ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اس صورت حال کو ذہنی طور پر اب تک قبول نہیں کیا تھا۔ بہرکیف جس انداز سے میری تربیت ہوئی تھی، اس نے مجھے یہ سمجھنے میں بڑی مدد دی کہ دنیا میں ہر خوف کی بنیاد درحقیقت لاعلمی پر ہی ہوتی ہے۔

چنانچہ اپنی اس لاعلمی کو دور کرنے کی غرض سے میں نے اسلام کے بارے میں معلومات کی تحقیق اور تلاش شروع کردی۔ اس کے مطالعے اور تحقیق کے دوران میں یہ حقائق مجھ پر منکشف ہوئے کہ کیتھولک چرچ کی تاریخ میرے لیے قطعاً قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہ سب کچھ میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ گویا ایک ایسے عقیدے سے میرا ایمان اٹھ چکا تھا جو کبھی میرے لیے خوشی اور مسرت کا سرچشمہ تھا۔ چند لمحوں کے لیے میں نے محسوس کیا کہ جیسے میں برزخ میں ہوں۔ عجیب عجیب طرح کے خیالات ذہن کو ستانے لگے۔ آخر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی مذہب اور عقیدے کے بغیر ہی خدا کے وجود پر یقین کرکے اس کی عبادت کرتے رہیں۔ بہرحال جوں جوں میں اسلام کا مطالعہ کرتی گئی، اسلام سے دلچسپی اور کشش بڑھتی ہی چلی گئی۔ اسلام میں عیسائیت کی طرح گناہِ ازلی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ کیتھولک چرچ کی تعلیمات میں ازلی گناہ کے تصور کو میرے ذہن نے کبھی قبول نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہ ایک فضول سی بات تھی، چنانچہ جب میں نے قرآن میں ازلی گناہ کے حوالے سے کوئی آیت نہیں دیکھی تو مجھے بڑی طمانیت کا احساس ہوا۔

اس طرح اسلام سے میری وابستگی رفتہ رفتہ بڑھنے لگی اور میں خود کو اسلامی تعلیمات

Marfat.com

سے زیادہ قریب محسوس کرنے لگی، تاہم ابھی تک وہ لمحہ نہیں آیا تھا جب میں اسے باقاعدہ طور پر قبول کرنے کے بارے میں کچھ سوچ سکوں یا کوئی واضح فیصلہ کر سکوں، لیکن جب میں نے اپنے والدین کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا تو گویا ان پر آسمان گر پڑا۔ میرے بھائی نے عشق میں مبتلا ہو کر اپنا مذہب تبدیل کیا تھا، لیکن میں تو ایسا کچھ نہیں کر رہی تھی۔ میں تو صرف مذہب کے نظریے کے تحت ایسا کر رہی تھی، لیکن یہ سب کچھ برداشت کرنا ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔ سر پر حجاب پہننے کو یہ لوگ ناگوار تصور کرتے تھے۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایک ماڈل ایجنٹ کی بیٹی، جس کی عمر فقط سولہ برس ہے، حجاب سر پر رکھنے جا رہی ہے؟ بہر حال میرے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی۔ آپ کسی شخص کے بارے میں اندازہ اس کی گفتگو سے لگا سکتے ہیں نہ کہ اس کے ظاہرہ اطوار اور لباس سے۔ انسان کے پاس اپنی پسند اور ناپسند کے انتخاب کی آزادی ہونا ضروری ہے، چنانچہ جہاں تک عبادت، روزے اور حجاب پہننے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مکمل آزادی پر یقین رکھتی ہوں۔ جب میں اکیس برس کی عمر کو پہنچی تو محمود سے میرا تعارف ہوا، جو اب میرے شوہر ہیں۔ میرے باس اور ان کے ایک دوست کا یہ خیال بجا طور پر صحیح اور درست تھا کہ ہم خیال اور ہم مسلک لوگ زیادہ بہتر ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں، چنانچہ میں نے محمود سے شادی کا فیصلہ کر لیا، ہم دونوں کے والدین نے ہمیں اپنی دعاں اور نیک تمناں کے ساتھ رخصت کیا۔

11 ستمبر 2001ء کے بعد ہم دونوں لیکچر دینے کی غرض سے دورے پر روانہ ہو گئے۔ اسی دوران اسلام کے بارے میں جاننے اور اس کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کا ایک جذبہ اور جنون مغرب میں پیدا ہو چکا تھا۔ ہم دہشت گردی اور تشدد کی بھرپور مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی وضاحت بھی کیا کرتے تھے کہ مسلمان ہونے کا مطلب کیا ہے اور ایک مسلمان کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہوتے ہیں؟ اس طرح ہمارے جذبات کی عکاسی بھی ہو جایا کرتی تھی۔ میرے سب سے چھوٹے بچے کی عمر اس وقت فقط تین ہفتے تھی اور بعض اوقات لیکچر دینے کے دوران بچے کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھنا پڑتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ جن باتوں اور چیزوں کے ہم مخالف ہیں، صرف ان کا تذکرہ کر کے ہم اپنے آپ کو ٹھیک طور سے متعارف کروانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ ہمیں

Marfat.com

لوگوں کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ ہمارا بنیادی مقصد اور حقیقی نصب العین کیا ہے؟ مسلم کمیونٹی کس قدر متنوع ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کمیونٹی کا احساسِ خودی اور مخصوص کلچر کے حوالے سے اس کا شعور و ادراک بھی بڑھتا جا رہا ہے، چنانچہ ہم لوگوں نے امید کے عنوان سے ایک میگزین جاری کیا، جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ مسلمان دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی مانند بالکل نارمل ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم مسلمان کمیونٹی میں نئی زندگی اور خوش گوار مستقبل کا پیغام عام کرنے میں مصروف ہیں۔ اس میگزین کو توقع سے کہیں بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی اور اب غیر مسلم بھی اسے خرید کر پڑھتے ہیں۔ اگر آپ کبھی نیویارک آئے تو وہاں پر ہمارا میگزین ضرور پڑھئے گا۔

ہمیں یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ان نوجوان مسلمانوں کی بھی اپنی ایک آواز ان کے اپنے ملک میں ہونا بہت ضروری تھی۔ اس طرح وہ امریکی معاشرے سے، اجنبیت اور الگ تھلگ ہونے کے احساسات سے خود کو آزاد پائیں گے۔ میں مغربی اور اسلامی دونوں ہی کلچروں سے بخوبی آشنا ہوں، اس لیے اسے اپنی بنیادی اور اہم ذمہ داری تصور کرتی ہوں کہ ان دونوں مذاہب یعنی عیسائیت اور اسلام کے پیروکاروں کے مابین سنجیدگی کے ساتھ مکالمہ، تبادلہ خیال اور گفت وشنید ہونی چاہیے تاکہ بچے آزادی کے ساتھ پروان چڑھ سکیں، اور اگر وہ چاہیں تو اسلام کو قبول کر سکیں۔ ایسی ہی دنیا ہم سب کے لیے ایک محفوظ تر مقام ثابت ہوسکتی ہے۔ اسی کوشش میں مصروف ہوں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سونیا جین کے قبول اسلام کی کہانی

میرا نام سونیا جین تھا، چاندنی چوک دہلی میں جین مت کے ایک مذہبی گھرانے میں جون کو میں پیدا ہوئی۔ میری ماں مومنہ خاتون سابقہ نرملا جین کا قبول اسلام کے بعد دو سال قبل انتقال ہوا۔ اللہ تعالی اپنے سایہ رحمت میں ان کو جگہ دے۔آمین جب کہ میرے والد پون کمار جین میرے بچپن ہی میں چل بسے تھے۔ میری بہن انورادھا جین جو فی الحال گجرات میں اپنے بال بچوں کے ساتھ مقیم ہیں، ان پر بھی اسلام کی سچائی واضح ہوچکی ہے۔ اس کا وہ بار بار اظہار کرچکی ہیں، لیکن اپنے شوہر کی وجہ سے پس وپیش میں ہیں۔ اللہ تعالی انہیں جلد ہی ہدایت کی توفیق دے۔ آمین ہم سب ان کے لیے دعا کررہے ہیں۔ میرا ایک بھائی بھی ہے جس کا نام پلے پارول کمار گپتا تھا، اب مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد محمد عمران ہے۔ میں نے چاندنی چوک کے جین اسکول میں بارہویں پاس کی۔ اس کے بعد تعلیم ترک کردی، البتہ گھر پر رہ کر کچھ کچھ پڑھ لیا کرتی تھی۔ میں اپنی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ جین مندر بھی جایا کرتی تھی، جہاں ہم سب پاٹھ میں شرکت کرتے، پوجا کرتے، پری کرما کرتے، پھیرے لگاتے۔

ہمارا ماحول اس وقت پورا جینی تھا۔ کسی دوسرے ماحول کی ذرا بھی جانکاری نہیں تھی، جین مندروں میں جب ہمارے رشتہ دار بالکل ننگے سادھوں کے چرنوں کو چھوتے تو میں ہمیشہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی۔ میری نگاہیں شرم کے مارے زمین میں گڑ جایا کرتی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کرتا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے رشتے دار ایسا کرتے تھے اور ہم دیکھتے آرہے تھے، اس لیے میں چپ سادھ لیتی۔

Marfat.com

اسی طرح زندگی کے دن گزرتے رہے حتی کہ میں جوان ہوگئی۔ میری ماں ان دنوں ایک کمپیوٹر ڈیزائننگ اینڈ پروسیسنگ کمپنی میں کام کرتی تھیں۔ اس کمپنی کے پروپرائٹر محترم عشرت صاحب تھے، جواب میرے رفیق حیات ہیں۔ عشرت صاحب کا رویہ اپنے اسٹاف کے ساتھ مساویانہ تھا۔ وہ سارے اسٹاف کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر لنچ کیا کرتے تھے، جہاں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہوتے تھے۔ ان میں شاکاہاری سبزی خور بھی تھے اور مانساہاری گوشت خور بھی۔ ہم لوگ شدھ شاکاہاری خالص سبزی خور تھے، لیکن میری ماں نے سب کے ساتھ کھانے پر کمپرومائز کرلیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں ایک آسامی نکلی تو میری ماں نے مناسب سمجھا کہ میں بھی ان کے ساتھ کام کروں۔ یہ جنوری کی بات ہے، جب میں پہلے روز وہاں کام کرنے آئی تو میری ماں اس بات پر کافی پریشان تھیں کہ میں کس طرح سب کے ساتھ مل کر لنچ کروں گی؟ جبکہ وہاں دوسرے اسٹاف مانساہاری گوشت خور بھی ہیں، اس لیے انہوں نے سب سے پہلے عشرت صاحب سے بات کی کہ میں تو آپ لوگوں کے ساتھ مل کر کھالیتی ہوں، لیکن میری بیٹی سونیا جین بڑی مذہبی ہے اور شدھ شاکاہاری خالص سبزی خور ہے، وہ ہمارے ساتھ کھانا کھانے کے لیے رضامند نہیں ہے، اس لیے وہ الگ تھلگ کھالیا کرے گی۔ عشرت صاحب نے ان کی بات سن کر مجھے آفس میں طلب کیا اور پوچھا:

آپ کو گوشت یوں ہی ناپسند ہے یا آپ کے نزدیک یہ پاپ ہے؟

یہ تو بہت بڑا پاپ ہے۔ میں نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا، جو میں اپنے پرکھوں سے سنتی آئی تھی۔

اگر یہ پاپ دنیا سے ختم ہوجائے اور سارے ہی لوگ سبزی کھانے لگیں تو کیسا رہے گا؟ عشرت صاحب نے پوچھا

یہ تو بہت اچھا رہے گا۔ میں نے جواب دیا: انہوں نے کہا: اچھا یہ بتا کہ اس وقت آلو کا کیا بھاؤ ہے؟ میں نے کہا: یہی کوئی چار پانچ روپے کلو۔ انہوں نے کہا: اگر سب لوگ گوشت خوری ترک کردیں اور ساگ سبزی کھانے لگیں تو آلو سو روپے کلو ہوجائے گا، کیوں کہ ابھی تو کافی فیصد لوگ مانساہاری گوشت خور ہیں، پھر بتایئے کہ سب کے جیون

کی گاڑی کیسے چلے گی اور لوگ کس طرح سے اپنا پالن پوسن گزر بسر کریں گے؟

ان کی بات سن کر میری عقل کی پرتیں کھل گئیں اور میری سمجھ میں آ گیا کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔ یہی میرا ٹرننگ پوائنٹ تھا جب میں نے عقیدت سے نہیں عقل سے سوچا۔ میں نے اسی دم سب کے ساتھ مل کر کھانے کے لیے حامی بھر لی اور اتنا ہی نہیں، بلکہ جب کھانے پر بیٹھی تو عشرت صاحب کے ٹفن میں سے مرغ کی ٹانگ بھی حلق سے اتر گئی۔

عشرت صاحب اس کے بعد وقتاً فوقتاً مجھے اسلام کے بارے میں بتاتے رہے اور میں ان کی باتوں کو بڑے غور سے سنتی اور اپنی عقل کا استعمال کرتی تو عقل بھی انہیں کی باتوں کی تصدیق کرتی ۔دھیرے دھیرے اسلام کے لیے میری دلچسپی میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دن عشرت صاحب نے دنیا کے نقشے کو سامنے رکھ کر بتایا کہ مکہ دنیا کا مرکز ہے، جہاں سے اسلام کی روشنی برابر دنیا کے کونے کونے میں پہنچتی ہے، جس طرح کمرے کے سنٹر میں بلب روشن ہو تو اس کی روشنی کمرے کے ہر جانب برابر جاتی ہے، اس کے برعکس جین دھرم صرف ہندوستان میں محصور ہے اور اس کا پھیلاؤ ممکن نہیں۔ یہ بات میرے دل کو چھو گئی۔ پھر میرا ضمیر دن بہ دن مجھے کچوکے لگانے لگا کہ میں غلطی پر ہوں اور اسلام ہی اصل سچائی ہے۔ جب بھی عشرت صاحب مجھے کوئی بات بتاتے تو وہ اس سلسلہ میں عقلی اور منطقی استدلال کرتے اور یہی وہ بات تھی، جس کے آگے مجھے ڈھیر ہونا پڑا۔ دوسری بات یہ تھی کہ خود عشرت صاحب کا رویہ اپنے اسٹاف کے ساتھ بڑا نرم تھا۔ وہ سب کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھتے اور ہر ایک کے ساتھ بڑی شفقت و محبت کا معاملہ کرتے۔ ان کا اخلاق بڑا کریمانہ تھا۔ انہوں نے جین دھرم میں مہاویر سوامی کی پرتیما مورتی کی جو تشریح کی میں اس سے بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ان کا خود کا پہناوا، ننگ عریانیت تھا اور وہ دوسرے لوگوں کو کپڑے پہننے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ یہ قول و عمل کا تضاد میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ان سب وجوہات کی بنا پر میرا دل اسلام کی طرف مائل ہونے لگا۔

مارچ میری زندگی کا وہ مبارک دن تھا، جب میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ عشرت ماحب کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ کو آفس بند کر کے سورہ کہف تلاوت کرتے تھے۔

میرے اندر تجسس ابھرا کہ وہ اتنے اہتمام سے کیا پڑھتے ہیں؟ جب میں نے ان کو سورہ کہف کی تلاوت کرتے سنا تو میرے دل کی اندرونی کیفیت کچھ عجیب سی ہوگئی۔ ایک طرح کی بیداری پیدا ہوگئی۔ پھر عشرت صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم آگ کا ایندھن بننے سے کب بچوگی؟ میں نے ازخود رفتگی میں کہا کہ بہت جلد انہوں نے کہا کہ کیا خبر، یہ سانس جو تم لے رہی ہو، آخری ہو؟ پھر اچانک میں بڑے جوش میں بولی کہ ابھی اور اسی وقت! پھر عشرت صاحب نے مجھے کلمہ پڑھایا اور میں مسلمان ہوگئی۔ میں نے اسی دم یہ دعا کی اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے آگ سے بچایا ہے، اسی طرح میری ماں اور میرے بھائی کو بھی بچالے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ دعا بھی قبول ہوگئی۔ شروع میں تو میری ماں اور بھائی دونوں نے میری مخالفت کی۔ میرا بھائی تو عشرت صاحب کا جانی دشمن ہوگیا، لیکن جب میں نے ان کو خود اسلام کے بارے میں کچھ معلومات دیں اور بتایا کہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے، پھر ان کے سامنے نماز وغیرہ پڑھنے لگی تو وہ بہت متاثر ہوئے اور دونوں نے ہی اللہ کے فضل سے اسلام قبول کرلیا۔

میری ماں نے میری شادی عشرت صاحب سے کردی، جن کی بیوی کا کینسر کے مرض میں شادی کے تین چار سال بعد انتقال ہوگیا تھا۔ ان کے تین بچے تھے۔ ان بچوں سے مجھے جو پیار ملا اور کہیں نہیں ملا۔ میرا ان سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ میں اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کرتی ہوں کم ہے۔ میری بھی ایک بچی ہے، جس کا نام ناز ہے اور میں اسے اسلام کی اشاعت کے لیے تیار کر رہی ہوں، کیونکہ جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو اب ایک بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کیا ہے اور اپنے اوپر اسلام کی تبلیغ کو فرض کرلیا ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ لوگ حلقہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ آئیں۔ ہم اپنے اخلاق سے، اپنے کردار سے قرآن کا مکمل نمونہ بنیں تاکہ لوگوں میں اسلام کی سچائی جاگزیں ہو۔ میں اسلام سے متعلق مختلف کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ قرآن مجید کو میں نے سمجھ کر پڑھا اور مجھے لگا کہ حقوق العباد پر اسلام کا بہت زور ہے اور یہی حقوق العباد اسلام کا دائرہ وسیع کرنے میں بھی بہت معین ہے۔ ہمیں اپنی دعوت میں خوش اخلاقی کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اب تک اللہ کے فضل سے میری ماں اور بھائی کے علاوہ تین اور لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں

میمونہ خاتون سابق سنینا کپور، محمد یوسف سابق راجن کپور اور محمد زید سابق ستیش کمار شامل ہیں۔ میری اپنی کوشش ہے اور تمام لوگوں سے استدعا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص داعی بنے اور دعوت کو جاری رکھے، اپنے بچوں کی اسلامی نہج پر تربیت کرے تاکہ وہ اسلام کے داعی بن کر ابھریں۔

☆☆☆☆☆

مسلمانوں کو یورپی ممالک کی امیگریشن کیسے ملتی ہے؟

ایک دلخراش رپورٹ

آج کل کسی بھی اخبار پر نظر ڈالیں،تقریباہر ایک میں مغربی ممالک کی شہریت(Immigration) کے متعلق اشتہار پڑھنے کو ضرور ملتا ہے۔ان میں امریکا ، کینیڈا، آسٹریلیا، انگلینڈ، یورپ جانا نہایت ہی آسان لکھا جاتا ہے۔امیگریشن اور کام کی گارنٹی کے دعوے کیے جاتے ہیں۔کیا واقعی ان ملکوں میں جانا، جاب کرنا،شہریت حاصل کرنا آسان ہے اور اگر ہے تو کس قیمت پر؟

زیرنظر مضمون میں تمام ملکوں کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے، میں صرف یورپ کے حوالے سے چند اہم نکات پیش کروں گا کیونکہ سب سے زیادہ لوگ یورپ کا ہی رخ کرتے ہیں۔میں یورپ میں 15 سال لیگل شہری رہا ہوں۔ان تمام معاملات سے میرا گہرا واسطہ پڑا ہے اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔اس حوالے سے میں چند تلخ حقائق مسلم نوجوانوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تا کہ وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل انہیں ذہن میں رکھ لیں۔یورپ جانے والوں کی عام طور پر درج ذیل قسمیں ہیں۔

1۔ایمبیسی وقونصل خانہ سے متعلقہ عملہ۔

2۔فوج،سکیورٹی ادارے اور پولیس وغیرہ کی ٹریننگ کے سلسلہ میں جانے والے افسران۔

Marfat.com

3۔ مختلف سرکاری و غیر سرکاری وفود۔

4۔ محکمہ خارجہ اور بینکنگ سے متعلقہ افسران و ملازمین۔

5۔ بزنس ٹور پر جانے والے مخصوص علمائے کرام۔

6۔ ٹورسٹ و سیر و تفریح، فلموں اور کھیلوں سے متعلقہ لوگ۔

7۔ سٹوڈنٹ اور تعلیم و تعلم سے متعلقہ لوگ۔

8۔ مختلف N.G.O.s کے نام پر مال بٹورنے والے اور اپنے ملک کی فرضی تصویر بنا کر لے جانے والے۔

9۔ غیر مسلموں کے خاص ایجنٹ جو کے سیاسی و مذہبی پارٹیوں سے بھی ہوتے ہیں۔

10۔ جاسوس جو اپنے ملک کے راز دیتے اور اسلام کے خلاف اپنے کام کی رپورٹ دیتے اور نئے احکامات لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ قاتل، کرپٹ، باغی، دہشت گرد، وغیرہ بھی اس فہرست میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کو ویزا ملنا مشکل نہیں۔ اکثر کے پاس تو ملٹی پل یعنی کثیر القاصد ویزا ہوتا ہے۔ یورپ کی شہریت بھی رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر اپنا وقت عیاشی، بدمعاشی میں صرف کرتے ہیں یا کم از کم بقول ان کے اپنی آنکھیں ہی ٹھنڈی کر لیتے ہیں۔ کسی گوری سے ہاتھ پنجہ کر لینے ہی سے بہت خوشی محسوس کرتے ہیں اور اپنی سعادت جانتے ہیں۔ درمیانہ طبقہ زیادہ تر مزدوری وغیرہ کے لیے جاتا ہے۔ دیگر لوازمات کا آگے ذکر آئے گا۔ بعض غریب لوگ بھی کسی نہ کسی طرح لاکھوں خرچ کر کے یورپ جانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ معاشی حالات ٹھیک ہو جائیں۔ ایک مخصوص سوچ کے لوگ جو کہ ہر طبقہ سے ہوتے ہیں، ہر وقت سوتے جاگتے یورپ کے سہانے خواب دیکھتے ہیں۔ 24 گھنٹے ان کا زیادہ وقت یورپ کے موضوع پہ صرف ہوتا ہے۔ شیشے جیسی سڑکیں، بسوں، گاڑیوں میں لیڈیز ڈرائیور، خوشبوں سے بسی مارکیٹیں، ننگی گوریاں اور دیگر خرافات کا انہیں چسکا ہوتا ہے۔ ایسی سوچ کے لوگوں کو یورپ کا نشہ چڑھا ہوتا ہے۔ جب تک یورپ پہنچ کر سور کے گوشت والی پلیٹیں نہ دھولیں، شراب والے گلاس نہ صاف کرلیں، ان کا نشہ نہیں اترتا، یہ لوگ ہر وقت

Marfat.com

آہیں بھرتے رہتے ہیں کہ کیسے یورپ پہنچ جائیں۔اپنے ماحول سے آزادی مل جائے۔کوئی پوچھنے والا، روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔یہ لوگ یورپ پہنچ کر اتنے خوش ہوتے ہیں کہ برملا کہتے ہیں کہ چلو شکر ہے کہ اپنے ملک کے مولویوں سے تو جان چھوٹی۔کئی اپنے خیال کو ایسے ظاہر کرتے ہیں جیسے نعوذ باللہ اللہ تعالی کو بھی شکست دے آئے ہیں۔مجھ سے بہت سے لوگ مشورہ لیتے ہیں کہ یورپ جانا کیسا ہے اور دیگر معاملات بھی۔انہیں بہت اچھے طریقے سے گائیڈ کرتا ہوں اور مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں۔مگر لوگ کم ہی مشورہ قبول کرتے ہیں۔

☆یورپ جانے کا پہلا مرحلہ۔جان و مال کی قیمت پر

بعض لوگ بڑی مشکل سے لوگوں سے قرضہ لے کر یا اپنا مال متاع بیچ کر دو سے چار لاکھ اکٹھا کر کے رخت سفر باندھتے ہیں۔کوئی پانچ سات لاکھ، کوئی دس پندرہ لاکھ بھی خرچ کرنے والے ہیں۔میں سب احباب کو سب سے اچھا مشورہ تو یہی دیتا ہوں کہ بھائی آپ اتنی رقم سے یہاں اپنے ملک میں کوئی کام کر لو۔فائدہ یہ ہے کہ آپ اپنے ماحول، اپنے لوگوں، اپنے خاندان کے اندر رہتے ہوئے کام کریں گے، اپنے بہن بھائیوں اور ماں باپ کے کام بھی آتے رہو گے۔اپنے بیوی بچوں کی صحیح تربیت کرو گے اور سب سے اہم کہ آپ اپنا دین بھی بچا سکتے ہیں۔یورپ پہنچنے کے نقصانات کا ذکر تو آگے آئے گا، پہلے سفر کی مشکلات ہی ملاخطہ کریں۔

دو چار لاکھ خرچ کرنے والے کچھ رقم ایجنٹ کو دے دیتے ہیں۔کچھ بائی روڈ خرچ کر کے مشکل سے ایران و ترکی پہنچ پاتے ہیں۔بہت سے لوگ زیارات مقدسہ کی آڑ میں ایران اور ترکی کا ویزا لگواتے ہیں اور ویزا اوورڈیٹ ہونے پر ایران یا ترکی سے پاکستان ڈیپورٹ ہو جاتے ہیں۔ترکی سے یونان کا بارڈر کراس کرنا خاصہ مشکل مرحلہ ہے۔بارڈر فورس والے بغیر وارننگ کے بھی گولی مار دیتے ہیں۔آئے دن اخبارات میں آتا رہتا ہے۔پانچ یا سات لاکھ خرچ کرنے والے ایجنٹوں کو دے دلا کر چور راستوں سے رسک لے کر یونان پہنچ جاتے ہیں۔یہ بھی سب اس شرط پہ کہ ایجنٹ مخلص ہو، ورنہ ایجنٹ ہی رقم

Marfat.com

کھا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اکثر کا یہی حال ہوتا کہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ یاد رہے کہ ترکی اور یونان کے بارڈر پہ خطرناک پہاڑی سلسلے ہیں۔ بے شمار لوگ راستہ بھول جانے کی وجہ سے پہاڑوں میں پھنس جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ سکیورٹی گارڈز کی نظر سے بچنے کے چکر میں راستہ بدلتے ہوئے راستہ بھول جاتے ہیں۔ راستہ نہ ملنے کی وجہ سے یا راستہ کلیئر نہ ہونے کی وجہ سے پہاڑوں میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا ہے۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر لوگ جان دے دیتے ہیں، کئی لوگوں کے ڈھانچوں کی تصاویر اخباروں میں آئیں۔ جنگلی جانوروں کے حملہ کی وجہ سے بھی لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے یورپ جانے کا پہلا مرحلہ اور اس کا نتیجہ۔

بعض لوگ تقریباً دس لاکھ خرچ کر کے بغیر کسی تکلیف کے بائی ایئر بھی یونان پہنچ جاتے ہیں۔ یونان اصل منزل نہیں۔ اصل منزل تو وسطی یورپ کے امیر ممالک فرانس، سپین اور جرمنی وغیرہ ہیں۔ یونان یورپ کے غریب ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں مزدوری کم ہے۔ یونان پہنچنے والے وسطی یورپ جانے کے لیے 100 فیصد لوگ کوشش کرتے ہیں۔ مگر 50 فیصد لوگ وسطی یورپ پہنچ جاتے ہیں، وجہ کیا ہے؟ یونان سے وسطی یورپ جانے کے لیے چونکہ سڑک کا سفر بہت طویل ہے، اس لیے بائی ایئر یا بائی سی سمندر جانا پڑتا ہے۔ بائی ایئر غیر قانونی جانا یا دو نمبر پاسپورٹ پہ جانا مشکل ہے تو اس لیے سب لوگ چوری چھپے سمندر کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ اٹلی کے مختلف شہر بھی سمندر کے ساتھ لگتے ہیں۔ درمیان میں میلوں سمندر ہوتا ہے۔ انسانی سمگلر لوگوں کو اپنی مرضی کے ریٹ پر کشتیوں، لانچوں کے ذریعے سمندر کراس کرواتے ہیں۔ کراسنگ بھی مکمل نہیں اٹلی کی سی سائیڈ پر سکیورٹی سخت ہے۔ وہ بھی بے دریغ لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ انسانی سمگلر اپنی سیفٹی کے مدنظر ساحل سے دور ہی لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ ساحل کا کنارہ آ گیا ہے۔ پانی کم ہے چھلانگیں لگا دو اور کنارے پہ چل کر پہنچ جاؤ۔ لوگ مجبوراً یا ان کی باتوں میں آ کر پانی میں کود جاتے ہیں کودنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ پانی تو بہت گہرا ہے۔ جب پاؤں ریت پر نہیں لگتے تو ہر کوئی ڈوبنے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کم ہی لوگ تیراکی کر کے کنارے لگتے ہیں۔ باقی سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ ان کی تکلیفیں آگے ذکر ہوں گی۔ سمندر میں مرنے والوں کی

Marfat.com

بھی خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو بہادر بنتے ہوئے کنٹینزوں میں بند ہو کر بارڈر کراس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ پانی خوراک وافر مقدار میں ساتھ رکھتے ہیں۔ بول و براز کیلئے شاپنگ بیگ استعمال کرتے ہیں اور کھانا کم سے کم کھاتے ہیں تاکہ بول و براز کی پریشانی کم سے کم ہو۔ ٹرالوں پر جب کنٹینر جا رہے ہوتے ہیں، اس وقت اندر بند لوگ اتنی تکلیف محسوس نہیں کرتے اور آکسیجن کی بھی اتنی پرابلم نہیں ہوتی، مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ کسی وجہ سے زیادہ دن سی پورٹ پہ رکے رہیں اور لوڈ نہ ہوں۔ اس صورت میں لوگ اندر ہی مر جاتے ہیں۔ جو کنٹینرز بمہ ٹرالہ بحری جہازوں پر لوڈ ہوں، ان میں لوگ بچ بھی جاتے ہیں۔ جیسے جیسے حکومتوں کو ان دو نمبر کاموں کا پتہ چلتا ہے، وہ بھی اس کا حل نکالنے لگتے ہیں۔ مثلاً کتوں کی مدد سے اور جدید سائنسی آلات کے ذریعے جو کہ بند جگہوں میں انسانوں کے موجود ہونے کا بتاتے ہیں۔ یہ حال ہے یونان اور اٹلی کے ساحلی بارڈرز سے وسطی یورپ جانے والوں کا۔ اس کے علاوہ خشکی کے راستوں سے بھی کئی غریب مشرقی یورپین ممالک سے گزر کر وسطی یورپ جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ متعدد ملکوں سے گزرنے کا رسک بھی لوگ نہیں لیتے، خاص کر، اس صورت میں جب سفری دستاویزات کاغذات ادھورے ہوں۔

☆ زندہ سلامت یورپ پہنچنے کے بعد امیگریشن کی قیمت

ہاں بعض لوگ پندرہ لاکھ سے اوپر روپیہ خرچ کر کے ویزا حاصل کرتے اور سیدھا بائی ایئر وسطی یورپ پہنچ جاتے ہیں۔ پاکستان سے فلائی کرنے سے پہلے خوش ہوتے ہیں کہ نہ تو راستے کی تکلیفیں اٹھانا پڑیں نہ ہی بارڈر فورس کی گولیوں کا نشانہ بنے اور نہ ہی سمندر میں غوطے کھا کھا کر جان دی اور اب جاتے ہی کام بھی مل جائے گا۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ پندرہ بیس لاکھ خرچ کر کے بغیر تکلیف برداشت کیے یورپ پہنچ جاتے ہیں مگر کام ملنے والی گارنٹی غلط ہے۔ ہاں کسی کے عزیز رشتہ دار یا یار دوست اس کو چوری کام دے دیں، فیکٹری

کے اندر یا ریسٹورنٹ کے اندر برتن وغیرہ صاف کرنے پہ لگا دیں اور جیسے ہی پولیس کا چھاپہ پڑے تو دائیں بائیں ہو جائیں، یعنی لیگل قانونی کام اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کسی کو شہریت نہ مل جائے جو کہ بہت مشکل ہے۔اور یہ جس قیمت پر ملتی ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

یورپ میں کچھ لوگ تو ویزا لے کر جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ دائیں بائیں ملکوں سے بارڈر کراس کر کے غیر قانونی طور پر داخل ہوتے ہیں۔ان سب کی کوشش ہوتی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، وکیل کے ذریعے پولیس اسٹیشن میں انٹری ڈلوائیں۔انٹری ڈلوانے سے پہلے اگر پولیس کے ہاتھ لگ گئے، چیکنگ وغیرہ میں تو سیدھا اپنے ملک ڈیپورٹ کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بغیر ویزا کے تسلیم کیے جاتے ہیں۔پولیس اسٹیشن میں انٹری دلوانے والا ہر شخص سیاسی سٹے سیاسی پناہ کا کہتا ہے۔یعنی میں اپنے ملک سے بھاگا ہوں۔میری جان کو فلاں فلاں سرکاری یا غیر سرکاری لوگوں سے خطرہ ہے۔آپ کا ملک مجھے انسانیت کے بنیادی حقوق کی وجہ سے رہنے کی اجازت دے۔تفصیل آگے آرہی ہے۔

پولیس اسٹیشن والے اس کے وکیل کے دیئے ہوئے فارم پر اسٹمپ لگا دیتے ہیں ۔فارم پہ نام اور میزبان کا ایڈریس لکھا ہوتا ہے۔ خط و کتابت کے لیے پولیس والے کہتے ہیں کہ جلدی اپنا کیس وزارت داخلہ میں جا کر درج کرواؤ۔سائل وزارت داخلہ کے سب آفس میں تاریخ لے لیتا ہے۔اس تاریخ پہ جا کر سیاسی سٹے کی بنیاد پر شہریت کے لیے اپلائی کر دیتا ہے۔آفس والے اس کے کاغذات مکمل ہونے پر اسے ایک ورقہ وی سی پی سی دے دیتے ہیں جس پر اس کی تصویر وغیرہ ہوتی ہے۔جب تک کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے، یہ کارڈ تین تین ماہ کے بعد آگے بڑھتا رہتا ہے۔اس کارڈ کا مخصوص رنگ ہوتا ہے۔اسے کام کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔جس کسی کے پاس کام کے لیے جائے گا، وہ شناخت مانگے گا۔یہ شخص جیسے ہی کارڈ نکالے گا، اس کے کارڈ کے رنگ سے کام دینے والا سمجھ جائے گا کہ اسے کام کی اجازت نہیں۔وہ انکار کر دے گا۔تاہم اکثر غیر ملکی رسک لے لیتے ہیں۔اسے چوری چھپے کام دے دیتے ہیں لیکن آدھی تنخواہ کیساتھ مثلاً ایک لاکھ روپیہ کی

Marfat.com

بجائے اسے چالیس پچاس ہزار کی آفر کریں گے۔اعتراض کرنے پر کہیں گے کہ آپ کو کام بھی تو غیر قانونی دیا ہے۔ چھاپہ پڑ گیا تو ہماری کمپنی کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔تم تو زیادہ سے زیادہ صرف ڈیپورٹ ہی ہو گے۔ایسے کام دینے والوں کو مالک مزید بلیک میل کرتے ہیں۔ مثلاً لیگل مزدور سے آٹھ گھنٹہ کام تو غیر قانونی کام والے سے دس گھنٹے یا بارہ گھنٹے کام لیتے ہیں۔ غیر قانونی کام والا بول بھی نہیں سکتا۔ اگر وہ پولیس اسٹیشن جائے تو پولیس الٹا اسے پکڑے گی کہ تو چوری کام کیوں کر رہا تھا۔ بعد میں مالک کی باری آئے گی۔ایسے چوری کام کرنے والے پریشان ہی رہتے ہیں۔ یا انہیں کام بہت گھٹیا ملے گا۔ مثلاً شراب کا یا سور کے گوشت کا یا کسی ریسٹورنٹ کی ٹوائلٹ وغیرہ صاف کرنے کا۔ ویسے ایک بات ہے۔ بہت سے لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو یہ نوکری مل جائے۔تنخواہ بھی زیادہ اور کوڑا کرکٹ سے قیمتی اشیا بھی مل جاتی ہیں اور کام بھی جلدی جلدی کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اس محکمہ میں زیادہ تر مسلمان کام کرتے ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں کرسچین اس کام میں زیادہ ہیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ پھر سیاسی سٹے حاصل کرنے والا یہ کام نہ کرے تو کھائے پئے گا کہاں سے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو حکومت ماہانہ مناسب وظیفہ دیتی ہے جن میں ان کا گزر بسر ہو سکتا ہے۔ 99 فیصد لوگوں کے سیاسی کیس جعلی ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کو جو حکومت کے مطلب کے ہوتے ہیں، انہیں شہریت مل جاتی ہے، باقی لوگوں کے کیس مسترد ہو جاتے ہیں اور انہیں ملک چھوڑنے کا کہا جاتا ہے مگر دو بار اپیل کا حق ہوتا ہے۔ ان چکروں میں لوگوں کے سال دو سال گزر ہی جاتے ہیں۔ اسی دوران لوگ اپنے آپ کو کہیں سیٹ کر ہی لیتے ہیں۔ بہت سے ڈیپورٹ بھی کر دیے جاتے ہیں۔

پولیس کا چھاپہ پڑ جائے تو اس موقع پر بھی لوگ چکر چلا لیتے ہیں۔ جن لوگوں کو سیاسی شہریت مل جاتی ہے، ان کے تمام حقوق اس ملک کے شہریوں کے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں جو کارڈ ملتا ہے، اس پہ لکھا ہوتا ہے کہ حامل ھذا اپنے ملک میں نہیں جا سکتا کیونکہ وہ سیاسی طور پر اپنے ملک کا باغی ہوتا ہے۔ قانون تو یہی ہے مگر بہت سے لوگ چکر چلا کر اپنے ملک میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ پھر کسی وقت عام ایمیگریشن یورپ کا ملک کھولتا ہے تو ان کا

کارڈ بھی بدل دیا جاتا ہے۔ پھر اپنے ملک آ جا سکتا ہے۔ صرف اسی موقع پر یورپ میں لوگوں کا امیگریشن حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔ بہر حال یورپین ملکوں نے یہ فراڈ اپنے مطلب کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات انہیں لیبر کی کافی ضرورت ہوتی ہے یا پھر غیر قانونی لوگوں کی کثرت کی وجہ سے انہیں ایک ہی راستہ دیا جاتا ہے۔ خصوصاً جن کی اولاد یہاں پیدا ہو جائے، اصل تفصیل آگے ہے۔

☆ جب میں نے امیگریشن کے لیے قادیانی وغیرہ بننے سے انکار کر دیا

میرے حوالے سے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب آپ اتنی مصیبتیں تکلیفیں بتاتے ہیں تو پھر آپ دین دار ہونے کے باوجود کیسے یورپ پہنچ گئے؟ پندرہ سال بھی گزار دیئے۔ بچے بھی سب وہیں پیدا ہوئے۔ اعتراض واقعی بنتا ہے۔
میں مختصراً اپنی سرگزشت شہریت لکھتا ہوں۔ اس سے بہت سی معلومات قارئین کو معلوم ہوں گی اور اعتراض کرنے والوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کتنی غلط بیانی کی اور کیا میں نے غلط طریقے استعمال کیے؟ اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے بھائی شہریت لینے کے لیے کیا کیا کچھ کر گزرتے ہیں؟ کون کون سی دین اسلام کی حدیں توڑ دیتے ہیں اور اخلاقی سرحدیں کراس کر جاتے ہیں۔
میری شادی 1987 میں خاندان سے باہر دین داری کی بنا پر ہوئی۔ میری بیوی کے دس بہن بھائی ہیں۔ 9 بہن بھائی تقریباً 1970 سے اور بعض اس سے بھی پہلے کے امریکہ و یورپ کے مختلف ملکوں میں رہتے ہیں اور وہاں اچھے سیٹل ہیں۔ یہ سب بزنس مین، پروفیسر یا ڈاکٹر ہیں۔ میرے ہم زلف بھی سب امریکہ و یورپ میں رہے۔ سب کے پاس شہریت (Nationality) ہے۔ میری بیوی کے بھائیوں نے سوچا کہ ہم سب بہن بھائی باہر ہیں۔ ہماری یہ بہن بہنوئی بھی ہمارے پاس آ جائیں۔ ان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ بزنس ویزا لگوانا کوئی خاص مسئلہ نہ تھا۔ میں نے اپنے والد صاحب کو بتایا کہ میرا باہر کا پروگرام ہے، کہنے لگے کہاں؟ میں نے یورپ کا بتایا۔ کہنے لگے کہ مغربی

Marfat.com

ممالک میں اپنے دین اسلام کو بچا سکو گے؟ میں نے ان شاءاللہ کہا۔ کہنے لگے، ایک ٹکٹ کا بندوبست ہے یا دو کا۔ میں ان کی بات سمجھ گیا۔ ایک ٹکٹ کے پیسے ہیں۔ دوسری کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ کہنے لگے، ٹھیک ہے۔ جہاں بھی رہو، میاں بیوی اکٹھے ہی رہو۔ دین اسلام کے معاملے میں والد صاحب کو یقین تھا، میرا بیٹا دین اسلام کو ہاتھ سے جانے نہ دے گا۔ بہرحال ہمارا بزنس کا ویزا لگ گیا۔ میں اور میری بیوی شادی کے ایک سال بعد یورپ پہنچ گئے۔ ہمارے بھائیوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہ کھانے کی فکر، نہ رہائش کا مسئلہ۔ گھومنے پھرنے کے لیے ہر گھر میں گاڑی موجود ہے۔

چند دنوں کے بعد ہمارے بھائیوں نے کہا کہ کسی دن امیگریشن آفس وزارت داخلہ جانا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگے کہ تمہارے لیے شہریت کی درخواست دینی ہے۔ یہ درخواست سیاسی سٹے کہ بنیاد پر ہے۔ میں حیران ہوا اور کہا کہ بھائی جان آپ کی دوکان ہے تو میں نے سوچا تھا کہ جیسے آدمی لاہور سے کراچی چلا گیا یا کوئٹہ سے پشاور چلا گیا، کوئی فکر نہیں، ایسے ہی یورپ میں جا کر دکان پہ بیٹھ جاؤں گا۔ کہنے لگے، نہیں نہیں۔ ایسے نہیں۔ اس کا تو کافی لمبا چوڑا طریقہ کار ہے۔ ہم نے پولیس اسٹیشن میں جا کر انٹری کروائی اور انٹری کارڈ لیا۔ ایک اچھا وکیل بھی ساتھ تھا۔ انٹری لینے کے بعد وزارت داخلہ سے فارم وغیرہ بھی لے آئے۔ جب فارم پر کرنے لگے تو کئی مسائل سامنے آ گئے۔ وکیل کا کہنا تھا کہ اگر شہریت اپلائی کرنی ہے تو قادیانی کا کیس کرواؤ، اس لیے کہ سب سے زیادہ یہی کیس کامیاب جا رہا ہے۔ اسی پر لوگوں کو زیادہ شہریت مل رہی ہے۔ میں نے وضاحت طلب کی تو بتانے لگا۔ آپ کو شو کرنا ہو گا کہ میں قادیانی ہوں۔ مجھ پہ پاکستان میں مسلمانوں نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ کئی بار مارا پیٹا گیا۔ ہمارا گھر جلا دیا۔ کاروبار ختم ہو گیا۔ جعلی میڈیکل رپورٹس بھی زخمی ہونے کی لگانی پڑیں گی۔ کہنے لگا کہ جتنا زیادہ جھوٹ بولو گے، اتنا زیادہ کیس مضبوط ہو گا۔ سٹوری میں خود ہی ترتیب دے لوں گا کیونکہ ہمارے پاس بیشمار قادیانیوں کی سٹوریاں ہیں۔ تھوڑا سا ردو بدل کر کے مقامات بدل کر کیس بنا لیتے ہیں۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ 50 فیصد ایڈوانس دے دو بقایا ساتھ ساتھ دے دینا۔ میں نے کہا کہ میں جھوٹی سٹوری کے ساتھ اور قادیانیوں والا کیس بناؤں اور آخرت

Marfat.com

تباہ کرلوں؟ وکیل نے کہا کہ اس سے کون سا آپ کافر بن جاؤ گے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگا کہ دستخط تو کئی جگہ آپ کو کرنے پڑیں گے اور ایک بار آپ کو حلفیہ بیان بھی دینا ہوگا۔ میں نے استغفار پڑھا اور کہا کہ مجھے منظور نہیں تو وکیل کہنے لگا کہ اور لوگ بھی کیس کرواتے ہیں تو مسلمان ہی رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کا معاملہ اپنا، میرا اپنا ہے۔ پھر وکیل نے مشورہ دیا کہ ANP کا کیس کروا دو۔ میرے سوال کرنے پر کہ اس کی کیا تفصیلات ہیں کہنے لگا کہ آپ نے ظاہر کرنا ہے کہ میں ANP کا سرگرم رکن ہوں۔ ہماری جدوجہد پر امن تھی۔ ہم ملک پاکستان میں سرخ انقلاب کے حامی ہیں۔ 1979 تا 1989 تک روسی افواج افغانستان میں رہیں۔ ANP ان کی زبردست حامی تھی۔ حکومت پاکستان خاص کر ضیاالحق ہمارے سخت خلاف تھے۔ حکومت نے کئی بار ہمیں پکڑ کر جیل میں پھینکا۔ عام مسلمان بھی ہمیں سرخے سرخے کہہ کر تنگ کرتے اور مارتے تھے۔ روس کے افغانستان سے جانے کے بعد ہمارے اوپر زیادہ سختیاں شروع کر دی گئیں۔ ہمارے اوپر دہشت گردی کے مقدمات قائم کیے گئے۔ میں بڑی مشکل سے جیل توڑ کر فرار ہو کر آپ کے ملک یورپ پہنچا ہوں۔ انسانی ہمدردی کی بنا پر مجھے یہاں کی شہریت دی جائے۔ وکیل نے مجھے اس سے ملتی جلتی کئی اور سٹوریاں بھی سنائیں کہ جو پسند ہو، وہی کیس میں لے آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بیشک یہ مسلمان کہلواتے ہیں مگر ان کے مکمل نظریات کمیونسٹوں والے ہیں۔ کافی بحث کرنے کے باوجود میں نہ مانا وکیل نے کہا کہ اچھا اب آخری ایک آپشن رہ گیا ہے کہ پیپلز پارٹی کی طرف سے سیاسی سٹے کی درخواست دے دو۔ اس پر بھی شہریت مل جاتی ہے اور کچھ نہ ہو تو کیس سال دو سال نکال ہی جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کے متعلق بھی آپ کے پاس سٹوریاں موجود ہیں۔ کہنے لگا ہاں۔ مثلاً آپ نے اپنے کیس میں یہ لکھوانا ہے کہ میرے والد صاحب یا بڑا بھائی PPP کے سرگرم رکن بلکہ عہدے دار تھے۔ جب ہمارے لیڈر بھٹو کو پھانسی پر لٹکایا گیا تو PPP نے سخت احتجاج کیا۔ ہمارے اوپر سخت کیس بنائے گئے۔ ملک میں بم دھماکے کرنے اور دہشت گردی کرنے کے الزامات لگے۔ میرے بھائی نے بھی احتجاجاً خود سوزی کی اور اس کا سارا جسم جل گیا اور کچھ دنوں کے بعد میرا بھائی مر گیا۔ والد صاحب بھی جیل میں تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گئے۔ میں اکیلا اپنے گھر کا

Marfat.com

ذمہ دار رہ گیا۔ مجھے بھی پولیس تنگ کرتی تھی۔ جب بھی گھر آتا تو مخبری ہو جاتی اور پولیس ہمارے گھر چھاپہ مارتی۔ عورتوں کی بے حرمتی کرتی۔ کبھی میں ہاتھ آ جاتا، کبھی فرار ہو جاتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب میں بڑی مشکل سے یورپ پہنچا ہوں تو مجھے اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دیں اور مجھے واپس پاکستان ڈیپورٹ نہ کریں۔ وگرنہ حکومت مجھے پولیس کے ذریعے مقابلے میں مار دے گی۔ وکیل نے کہا کہ ثبوتوں کی فکر نہ کرو۔ پاکستان میں ہر کام پیسے دے کر ہو جاتا ہے۔ وہاں سے سارے ثبوت مل جائیں گے۔ بہر حال جتنا زیادہ جھوٹ لکھو گے ساتھ اسلام کے خلاف بھی دو چار باتیں لکھ دو گے تو کیس مضبوط ہو جائے گا۔ مثلاً کوڑوں کی سزائیں وحشیانہ ہیں، اسلام میں آزادی نہیں، پردہ وغیرہ فرسودہ رواج ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ PPP کے لیڈر اکثر ایسی باتیں کرتے بھی رہتے ہیں۔

میں وکیل کی باتیں سن کر بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ میں نے اس کا بھی انکار کر دیا تو وکیل بھی حیران اور پریشان ہو گیا۔ غصے سے کہنے لگا، میں نے تمہاری طرح کبھی کسی میں سختی نہیں دیکھی۔ آپ نے تو مجھے بھی چکروں میں ڈال دیا ہے۔ مجھے تو اپنے ہاتھ سے یہ کیس چھوٹتا نظر آ رہا ہے۔ وکیل نے بہت زیادہ افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ پیپلز پارٹی وغیرہ شو کرنے سے آدمی ویسا بن تھوڑی جاتا ہے۔ میں نے بے شمار عام لوگوں کو اور خاص کر چند مولویوں کو انہیں کیسوں پر شہریت لے کر دی ہے۔ وہ تو سب مسلمان ہی رہتے ہیں۔ بلکہ وہ مولوی مسلمانوں کی امامت بھی کرواتے ہیں اور بچوں کو قرآن بھی پڑھاتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے مجھے بتایا کہ جو صورت بھی ہو، اس میں بہر حال تحریراً اقرار کرنا ہوتا ہے اور جگہ جگہ دستخط ہوتے ہیں، پھر عدالت میں حلفیہ بیان بھی دینا پڑتا ہے کہ میں اس پارٹی سے ہوں تو پھر کیا بچا۔ وکیل کو غصہ آیا۔ کہنے لگا، تمہارا پروگرام شہریت لینے کا ہے ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ ایسی شہریت سے ہزار بار باز آیا۔

میرے بھائیوں سے کہنے لگا کہ اس مولوی کو آپ نے کہاں یورپ میں بلوا لیا ہے۔ وقت ہی ضائع کر رہا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ دیکھو تم تو بڑے خوش قسمت ہو کہ راستے کی بے شمار تکلیفیں اٹھائے بغیر بائی ایئر آرام سے یورپ پہنچ گئے ہو۔ نہ کھانے پینے کا مسئلہ نہ رہائش کا۔ دوسرے لوگوں کو جا کر دیکھو کہ کیسا کھا پی رہے ہیں اور کیسی گندی رہائشیں ہیں۔

تم یہاں VIP طریقے سے رہ رہے ہو۔ میرے بھائیوں نے مجھے سمجھایا کہ پاکستان میں اپنا کاروبار ختم کر آئے ہو۔ جو پیسے تھے، ٹکٹوں پر لگا دیئے۔ گھر سے بے گھر بھی ہوئے۔ آرام سے یورپ پہنچ کر ناشکری نہ کرو۔ کوئی حل نکالو۔ ایسے تو ٹھیک نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی تک جو حل سامنے آئے ہیں، یہ تو قطعاً منظور نہیں۔ کہنے لگے کہ سیاسی کیس کے بغیر یہاں زندگی کی ابتدا نہیں ہوسکتی۔ تم ہی بتاؤ کہ کس بنیاد پر تم اس ملک میں رہ سکتے ہو، کسی سیاسی پارٹی کا توسٹے لینا ہی ہے مگر میں انکار کرتا رہا۔ وکیل نے کہا کہ زندگی میں پہلا کیس ایسا دیکھا ہے کہ جو میری زندگی میں آیا جس نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میں نے بھی تنگ آ کر کہا، ٹھیک ہے میں واپس اپنے ملک پاکستان چلا جاتا ہوں۔ مجھے ان شرائط پہ یورپ رہنا قبول نہیں۔ سب نے کہا کہ اچھی طرح سوچ لو۔ میں نے کہا کہ سوچ لیا ہے اور فیصلہ بھی سنا دیا ہے۔ سب نے مشورہ سے کہا کہ اب اتنی جلدی تو پاکستان واپسی کا بندوبست نہیں ہوسکتا، کم از کم ہفتہ دس دن تو لگ ہی جائیں گے۔ ان فارغ دنوں میں کوئی ترکیب سوچو۔ ہم بھی سوچتے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کوئی اچھی راہ سجھادے۔ استخارہ بھی کروں گا۔

اسلام دشمن شرائط پوری نہ کرنے پر میری امیگریشن کی امید ختم ہوگئی تو اب میں خاصا پریشان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کیں۔ اے اللہ! جو میرے دین و دنیا کے لئے بہتر ہے، وہ میرے لیے کر دے۔ استخارہ بھی کیا۔ پھر یہ ارادہ پکا کر لیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ بھی کر لیا کہ اپنا ایمان بیچ کر فرانس کی شہریت نہیں لینی۔ یہ دعا بھی کثرت سے پڑھتا ------ یا مقلب القلوبِ ثبت قلبی علی دِینِک ویا مقلب القلوبِ ثبت قلبی علی طاعتِک ------ امیگریشن کے حصول کے لئے فرانسیسی افسروں کو بہرحال اپنا کوئی نہ کوئی ایسا کیس دکھانا ضروری تھا کہ جس سے یہ کسی طرح ثابت ہو سکے کہ میرا اپنے ملک میں رہنا دشوار ہوگیا۔ مجھے یا تو یہ ظاہر کرنا تھا کہ پاکستان میں ملک اور اسلام کیخلاف کوئی بات کرنے پر میرا وہاں رہنا دشوار کر دیا گیا ہے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا کیس بن گیا ہے جس کی وجہ سے میری وطن واپسی سے حکومت یا عوام میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔ ملک اور اسلام دشمن سرگرمیوں کے لئے تو کوئی ثبوت دکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف اس کا تحریری اقرار

Marfat.com

کر لینا ہی کافی ہے، خود کو قادیانی یا علیحدگی پسند لکھ دینے سے بات بن جاتی ہے۔ لیکن اگر ان دو کے علاوہ کسی اور وجہ سے اپنے ملک میں رہنا دشوار ہو تو پھر اس کا حقیقی ثبوت درکار ہوتا ہے لیکن میرے پاس ظاہر ہے ایسا کوئی ثبوت نہ تھا۔ کم از کم میرے ذہن کے کسی گوشے میں دور دور تک ایسی کوئی بات نظر نہ آتی تھی۔ واقعہ کے دو چار دن بعد کی بات ہے کہ میں بیٹھا اپنی ڈائری کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ڈائری کی سائیڈ پاکٹ سے ایک پیپر ملا، وہ میں نے کھولا تو ایک ایف آئی آر کی کاپی تھی جو کہ پاکستان میں میرے خلاف بنی تھی۔ اس کی تفصیل کچھ ایسے ہے۔

1986 میں علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید و دیگر علما کرام لاہور میں بم دھماکہ میں شہید ہو گئے تھے۔ علامہ صاحب کا غائبانہ نماز جنازہ ناصر باغ لاہور میں ادا کیا گیا۔ نماز جنازہ کے بعد ایک بہت بڑا منہ زور جلوس پنجاب اسمبلی کی طرف مارچ کر رہا تھا جس میں شر پسند عناصر بھی شامل ہو گئے اور خاصی توڑ پھوڑ ہوئی۔ سارا دن پولیس سے آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ میں جلوس اور پولیس کے درمیان رابطہ کا سبب بنا ہوا تھا۔ کئی جگہ پہ میں نے تصادم کو نہ ہونے دیا اور پولیس سے بھی پر امن جلوس جاری رہنے کا کہہ رہا تھا۔ عصر کے وقت پولیس کو اوپر سے حکم ملا کہ گرفتاریاں شروع کرو۔ میں پولیس آفیسر (SP) کے پاس ہی تھا اس نے پولیس کو حکم دیا کہ مجھے گرفتار کر لیں۔ میں نے تعجب کیا اور پولیس آفیسر سے احتجاج کیا کہ سر میں تو ہنگامہ کنٹرول کرنے میں مشغول رہا۔ آپ کو چاہئے کہ میری کارکردگی کو دیکھتے ہوئے امن ایوارڈ دیں الٹا آپ مجھے گرفتار کر رہے ہیں۔ آفیسر نے کہا، اسی لیے تو آپ سے خصوصی سلوک کر رہے ہیں کہ آپ پر تشدد نہیں کر رہے ورنہ دوسرے لوگوں کی حالت دیکھ لو، کیسی پٹائی ہو رہی ہے۔ میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ خاموشی سے پولیس آفیسر کی جیپ میں بیٹھ گیا۔ میرے علاوہ دوسرے لوگوں کو ٹرکوں میں گھسیڑ رہے تھے۔ یہ ایک لمبی اور دلچسپ داستان ہے جو میرا بیان کرنا اصل مقصد نہیں۔ بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ واقعہ سبب بنا میرے خلاف ایف آئی آر کا۔ سنٹرل جیل لاہور میں کچھ دن رہنا پڑا۔ پھر ضمانت ہو گئی۔ اس کے بعد کیس چلتے رہے۔ جمعیت اہلحدیث نے حکومت پنجاب پہ بم دھماکہ کا کیس کیا ہوا تھا۔ حکومت نے

Marfat.com

جمعیت کے کارکنوں پہ کیس کیے ہوئے تھے۔ ہنگامہ آرائی وغیرہ کے الزام میں حکومت آئے دن ہمارے جیسے کارکنوں کو عدالت میں گھسیٹنے کے چکر میں سمن یا وارنٹ جاری کرواتی رہتی۔ پولیس ہمیں بہت تنگ کرتی۔ میرا گھر شہر لاہور سے 200 کلومیٹر دور تھا۔ میرا چھوٹا سا کاروبار کافی متاثر ہوا تھا۔ حکومت کا خیال تھا کہ جمعیت حکومت سے کیس اٹھائے تو ہم بھی کارکنوں کے کیس ختم کریں۔ ہم جیسے غریب کارکن مصیبت میں تھے۔ کیس ختم ہوتے نظر نہ آرہے تھے کہ اسی اثنا یعنی 1987 میں ہم باہر چلے گئے۔ ایف آئی آر کے کاغذ کو میں نے دو تین بار پڑھا اور اللہ کے فضل سے میری مشکل حل ہوتی نظر آنے لگی۔ میں نے وکیل سے مشورہ کیا۔ یہ میرا جینوئن کیس ہے اور واقعی حکومت ہمیں پریشان کرتی تھی۔ ہمارے کیس ختم کرنے کے لیے تیار نہ تھی اور اس وجہ سے کافی مشکلات بھی تھیں۔ قصہ مختصر وکیل نے اس کیس کی بنا پر میری شہریت کے لئے درخواست دے دی۔ تو یہ کیس یورپ میں میری شہریت کے لئے درخواست دائر کرنے کا سبب بنا۔

سچ تو یہ ہے کہ پاکستان سے رخصت ہوتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس بنیاد پر مجھے شہریت کی درخواست دینی پڑیگی، میرا کیس مضبوط ہونے کی وجہ سے تقریبا دو سال چلتا رہا ورنہ بوگس کیس تو چھ ماہ بھی نہیں نکالتے۔ دو سال کے بعد حکومت نے میرا کیس مسترد کر دیا۔ تمام ثبوت موجود ہونے کے باوجود کہہ دیا کہ ہم اس کیس پر سیاسی سٹے نہیں دے سکتے۔ مگر اپیل کا حق بہرحال انھوں نے دے دیا۔ اپیل دائر کی۔ تقریبا چھ ماہ بُعد وہاں سے بھی کیس مسترد ہو گیا۔ ایک اور آخری اپیل باقی تھی۔ اسے بھی تقریبا چھ ماہ ہو گئے تھے کہ حکومت نے اسی دوران اعلان کر دیا کہ عام امیگریشن کھولی جاتی ہے اور فلاں فلاں شرائط کے حامل لوگ شہریت کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔

مثلا درخواست گزار میاں بیوی ہوں، بچے ہوں، کیس زیر سماعت ہوں، تین سال بیت گئے ہوں۔ بیکاری الانس نہ لیا ہو، کسی جرم میں جیل نہ گئے ہوں۔ کوئی برنس مین انہیں مستقل کام کی گارنٹی دے وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے ان سب شرائط پہ پورا اترتے ہوئے شہریت کی درخواست کے لئے تیاری کر لی۔ جس دن ہمیں پہلا کارڈ شہریت کا ملنا تھا، میں اور

Marfat.com

میری بیوی داخلہ آفس پہنچ گئے۔ وہاں کارڈ لینے کے لئے 3 کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً ہمارا نمبر سب سے پہلے آ گیا۔ کاؤنٹر پہ بیٹھی ہوئی عورت نے ہم سے باری باری سب پیپر مانگے۔ ہم دیتے گئے۔ کاغذات مکمل چیک کرنے کے بعد اس نے تصاویر مانگیں اور کارڈ نکالا۔ اسی اثنا میں ان کی باس آ گئی جو غالباً کیمرہ سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ تینوں کھڑکیوں والی آفس کی عورتوں کو بلا کر تھوڑا دور لے گئی اور میٹنگ کرنے لگی۔ ہمیں شک ہوا کہ جیسے ہمارے بارے میں بات چیت ہو رہی ہو۔ دس منٹ بعد وہ عورتیں واپس آ کر بیٹھ گیں۔ جو عورت ہمارا کیس ڈیل کر رہی تھی، اس نے ہماری فائل بمعہ تصاویر کے واپس کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا کیس مسترد کیا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ کہنے لگی بس مسترد کیا۔ ہم نے کہا کہ جو کاغذات آپ نے ڈیمانڈ کئے، ہم نے پورے کر دیئے۔ اب کیا مسئلہ ہے۔ کہنے لگی کہ بس آپ چلے جائیں۔ آپ کو شہریت نہیں ملنی۔ ہمارے بھائی صاحب نے کہا کہ ان سے جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وکیل ہی کرنا پڑیگا۔ ہم واپس آ گئے تو بعد ہمیں معلوم ہوا کہ جو باس ان کی آئی تھی، وہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھی۔ اس نے تینوں عورتوں سے کہا تھا آپ امیگریشن دینے کا افتتاح کن لوگوں سے کر رہے ہو۔ دونوں میاں بیوی فرانس آئے ہوئے 3 سال ہو گئے ہیں۔ مرد کی داڑھی ابھی تک پوری ہے اور عورت بھی ابھی تک برقعے میں چھپی ہوئی ہے۔ ایسے لوگوں کو یورپ کی شہریت دینی چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ۔

پھر وکیل کے پاس پہنچ گئے۔ وکیل بھی کافی حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہاری قسمت کیسی ہے؟ کبھی آپ تیار نہیں ہوتے تھے، اب یہ صورت حال ہے کہ حکومت تمہیں شہریت دینے کے لئے تیار نہیں۔ تمہارا سیاسی کیس بھی مضبوط تھا۔ آپ نے تمام ثبوت پاکستان سے منگوا لئے تھے۔ اب ان کی تمام شرائط مکمل ہیں حالانکہ جن کی دو چار چیزیں کم ہوں، ان کو بھی وقت دے دیتے ہیں کہ تیار کر لو۔ ایک دو رہ بھی جائیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ مگر تمہارا تو ہر معاملہ ہی الٹ ہے۔ تمہارا بھائی میرا دوست ہے اور میں ہی آپ کا فیملی وکیل ہوں مگر آپ لوگوں نے تو میرا تیل نکال دیا ہے۔ کہنے لگا کہ اصل وجہ یہ ہیکہ تم داڑھی چھوٹی کروا اور تمہاری بیوی برقعہ ختم کر کے صرف حجاب لے یعنی چہرہ

Marfat.com

ننگا کر لے۔تو اس سے ہمیں شہریت مل جائے گی۔مجھے امید ہے کہ پھر تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔میں نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام کریں۔اگر ہم یہ گناہ کر بھی لیں تو تمہارا کیا خیال ہے حکومت آئندہ اس سے بڑی فرمائش نہ کرے گی۔

مثلاً مجھے کہے کہ داڑھی بالکل منڈوا دو اور میری بیوی سے کہے کہ حجاب بھی ختم کر دو۔تو پھر کیا خیال ہے؟میری بات سن کر وکیل خاموش ہو گیا۔جیسا کہ آج کل فرانس میں یہ قانون پاس ہو گیا ہے کہ عورتیں نہ تو برقعہ پہن سکتی ہیں اور نہ ہی رومال لے سکتی ہیں۔وکیل سے یہ گفتگو آج سے 20 سال پہلے کی ہے۔بہرحال وکیل نے اس کیس کو چیلنج سمجھ کر قبول کر لیا اور کہا کہ آپ صرف اپنا ڈومیسائل تبدیل کر لیں اور دوبارہ اس وزارت داخلہ کے سب آفس میں نہیں جانا جہاں تمہارا کیس مسترد کیا گیا ہے۔ہم نے کسی اور شہر کا ڈومیسائل لے لیا تو وکیل نے کیس دائر کیا اور خوب کیس لڑا اور ہمیں شہریت دلوا کر دی۔

اب میں ان لوگوں کا تذکرہ کروں گا جو کہ شہریت حاصل کر کے یورپ میں رہنا چاہتے ہیں۔یورپ درج ذیل بنیادوں پر لوگوں کو دیر یا بدیر شہریت دے ہی دیتا ہے۔

(1) عام امیگریشن دینے کے اعلان کے ذریعے
(2) سیاسی بنیادوں پر
(3) ایمان اسلام کے بدلے
(4) وطن فروشی کے بدلے
(5) توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عوض
(6) جاسوسوں اور ایجنٹوں کے لئے
(7) کروڑوں اربوں کی سرمایہ کاری کرنے والے بزنس مین کے لئے
(8) کرپٹ سیاست دان اور بیوروکریسی
(9) متعلقہ یورپی ملک میں شادی کے ذریعے

Marfat.com

(10) بوگس شادی ظاہر کرنے پر۔

اوراب ان کی تفصیل

-1 عام امیگریشن دینے کے اعلان کے ذریعے

امیر یورپین ملک کم ہی کھولتے ہیں۔ مثلاً فرانس، جرمنی، اسپین، انگلینڈ وغیرہ مگر پھر بھی ایک فارمیلٹی کو پورا کرنے کے لئے 15 یا 20 سال کے بعد شہریت کھول دیتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے کھولتے ہیں جو عرصہ دراز سے ان ملکوں میں چوری چھپے (Illegal) رہ رہے ہوتے ہوں یعنی بے کاری الاونس نہ لیا ہو، ان کو کڑی شرئط یا نرم شرئط پر شہریت مل جاتی ہے۔

-2 سیاسی پناہ:

کسی معتوب جماعت سے اپنا تعلق ظاہر کر کے یہ سٹے لیا جاتا ہے۔ سب سے مضبوط کیس قادیانیوں کا ہے۔ خاص کر جرمنی ان کے کیس مسترد نہیں کرتا۔ ہر مرزائی کو جرمنی کی شہریت مل جاتی ہے۔ جرمنی کا ایک بڑا شہر فرینکفرٹ مرزائیوں کا شہر ہونے میں مشہور ہے۔ انہیں اپنے مذہبی معاملات، عبادات وغیرہ کی مکمل آزادی ہے۔ جرمنی کے بعد انگلینڈ کا نمبر آتا ہے۔ یہاں مرزائیوں کا خلیفہ پنجم مرزا مسرور خودساختہ جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ وہ وہیں سے تمام دنیا میں ڈش کے ذریعے مرزائیوں سے خطاب کرتا رہتا ہے۔ مرزائیوں کا چینل 24 گھنٹے پروگرام پیش کرتا ہے، پاکستان میں تقریباً مرزائیوں کے ہر گھر میں ڈش لگی ہوتی ہے۔

-3 ایمان واسلام کے بدلے:

مسلمانوں سے عیسائی بن کر مرتد ہونے والے، اسلام کے خلاف بغاوت کرنے والے، تسلیمہ نسرین وغیرہ کی طرح کے لوگوں کو فوراً شہریت دی جاتی ہے یا بدنام زمانہ صائمہ ارشد کیس میں عاصمہ جہانگیر کی NGOs کی کوششوں سے صائمہ اور اس کے شوہر کو چند دن کی کوشش سے پاکستان سے نکلوا کر یورپ کی شہریت دلوادی۔ ایک اور تازہ واقعہ

Marfat.com

بھی اسی کی مثال ہے۔گزشتہ دنوں برطانیہ میں رہنے والے مفرور سعودی شہزادے نے اپنے ملازم کے ساتھ ہم جنس پرستی کی اور پھر تشدد کے بعد اسے قتل کر دیا۔ برطانوی عدالت نے اسے عمر قید کی سزا دی اصل میں برطانیہ نے سعودی شہزادے کو سزائے موت سے بچایا ہے کیونکہ اگر شہزادہ سعودی عرب کو واپس کیا جاتا تو اسے ہم جنس پرستی کے جرم میں سزائے موت دی جاتی۔ اخبار میں یہ بھی ہے کہ شہزادے نے برطانیہ سیاسی پناہ کی درخواست بھی دی ہے۔غرض یہ یورپین حکومتیں اخلاقی جرائم میں ملوث لوگوں کو بھی فورا شہریت دیتی ہیں۔

-4وطن دشمنی و وطن فروشی کے عوض:

ان میں بڑے بڑے نام نہاد لیڈر ٹائپ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کو پناہ دینے میں انگلینڈ خاص بدنام ہے۔ایسے لوگوں کو پناہ دے کر ان کی اینٹی اسلام و پاکستان تربیت کی جاتی ہے۔انہیں خاص وقت کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔پھر جب ان کے مطلب کی زمین ہموار ہو جاتی ہے تو انہیں پاکستان میں اعلیٰ عہدے دار کی صورت میں لانچ کر دیا جاتا ہے۔

-5توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے عوض:

ان میں زیادہ عیسائی ہوتے ہیں جو گاہے بگاہے توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں، قرآن مجید کو جلانے کی کوشش کرتے ہیں، اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں، مساجد کو آگ لگاتے ہیں۔ایسے لوگوں کو بھی یورپ میں فورا شہریت دیتے ہیں۔اس ضمن میں تازہ واقعہ آسیہ بی بی کا ہے چک نمبر 3 اٹاں والی ضلع ننکانہ کی رہنے والی اور اپنی سگی بہن کی سوکن ہے۔اس کے شوہر عاشق مسیح نے پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی آسیہ سے شادی کی۔آسیہ نے نبی اکرم ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیں اور نکاح کے متعلق بھی نازیبا گفتگو کی۔قرآن کو کلام الٰہی ہونے کے حوالے سے توہین آمیز کلمات کہے۔آسیہ کے کیس کے پیچھے ایک مضبوط لابی تھی آسیہ نے 3 وکیل تبدیل کیے اور ضمانت کے وقت 10 وکیل موجود تھے۔

-6جاسوس یا ڈبل ایجنٹ:

ایسے لوگ جو پاکستان اور دینی جماعتوں کی جاسوسی کر کے فوجی راز چرا کر دیں، اہم

Marfat.com

فوجی مراکز سے متعلق معلومات، تصاویر، وڈیو بنا کر دیں۔انہیں فوری شہریت اور دیگر مراعات ملتی ہیں۔

7- بزنس مین:

جو کروڑوں اربوں کی سرمایہ کاری کریں۔مثلا فیکٹری کارخانہ لگائیں یا بڑا ریسٹورنٹ بنالیں۔

8- کرپٹ سیاست دان اور بیوروکریسی:

اکثر بیوروکریٹس جنہوں نے دل کھول کر پاکستان میں کرپشن کی ہو اور اربوں کمائے ہوں، اپنی دولت کا بیشتر حصہ غیر قانونی ذرائع سے بیرون ملک کے خفیہ اکائنٹس میں منتقل کیا ہو، کفار کے ملکوں میں مہنگی جائیدادوں کی شکل میں محل لگثری فلیٹ وغیرہ خریدتے ہیں، ان میں سے بھی بہت سے بیوی بچوں کے چکر شادی میں نہیں پڑتے تاکہ آسانی سے اپنی لوٹی ہوئی دولت عیاشیوں، پر لٹا سکیں۔مغربی حکومتوں کے پاس ان سب کی فائلیں بنی ہوئی ہیں۔اتنی معلومات ان کو اپنے متعلق نہیں ہوتیں، جتنی ان کی فائل میں تفصیل سے درج ہوتی ہیں۔کفار نے ان کو ڈبل شہریت (Nationality) دی ہوتی ہے تاکہ اپنے مطلب کے کام لئے جا سکیں۔مطلب نکل جانے کے بعد انہیں واپس اپنے ملکوں میں بلوا لیتے ہیں یعنی جتنا اسلام و پاکستان کے خلاف کام لینا ہو۔جب عوام شور کرتے ہیں اور ان کے جرائم کی خبریں میڈیا پر آتی ہیں، تو بڑے سکون سے یہ جواب دے دیتے ہیں کہ ہم ان کو کیوں پکڑیں۔انہوں نے تو ہمارے ملک میں کوئی جرم نہیں کیا۔اس طریقہ سے کافر ممالک انہیں اپنے ملک میں رہنے کا محفوظ راستہ دیتے ہیں اور اسلام و پاکستان کے مجرموں کی مکمل پشت پناہی کرتے ہیں چیمپئن بنتے ہیں انسانی حقوق اور امن کے۔بہرحال قانونی طور پر یورپ کے بیشتر ملکوں کی شہریت لینے والے ڈبل نیشنلٹی رکھ سکتے ہیں، یعنی پاکستان کے ساتھ فرانس کی بھی یا جرمنی اور اسپین کی بھی۔

9- اصلی شادی کر کے بغیر سیاسی سٹے اپلائی کر کے بھی شہریت مل جاتی ہے مگر گھناونی شرائط کے ساتھ:

جس لڑکے یا لڑکی کے پاس پہلے سے ہی یورپ کے کسی بھی ملک کی شہریت ہے، اس

سے شادی کرنے سے دو یا تین سال کے اندر کچھ شرائط کے ساتھ شہریت مل جاتی ہے۔اب یورپین حکومتیں دن بدن شرائط سخت کرتی جا رہی ہیں۔باہر سے آنے والے مرد کو خاص طور پر پابند کیا جاتا ہے اب آپ یورپ آ گئے ہو، ہماری زبان سیکھو اور اگر لڑکی غیر ملکی ہے تو اسے بھی زبان لازمی سکھاؤ تا کہ آپ لوگ ہمارے ملک کا کلچر آسانی سے اپنا سکے۔اپنی بیوی کو پردہ نہیں کروانا، اسے آزادی دینی ہے۔گھر میں بند نہیں رکھنا۔نہ اسے مارنا ہے نہ ہی اس پہ سختی کرنی ہے۔آپ کے بچے آپ کی نگرانی میں مگر ان سے سلوک یہاں کے ماحول کے مطابق کرنا ہو گا۔ان سے سختی مار پیٹ نہیں کرنی ہے۔یہاں پیدا ہونے والے بچے ہمارے ملک کے بچے ہیں۔نگرانی بھی صرف سولہ سال تک کرنی ہے۔اس عمر کے بعد آپ اپنے بچوں پر کسی بھی قسم کی اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتے۔مثلاً سولہ سال کے بعد آپ اپنی بیٹی، بہن کو کسی غیر مرد کی بانہوں میں دیکھیں، وہ کچھ بھی کر رہے ہوں، آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔لیٹ نائٹ آئیں تو آپ انہیں ڈانٹ نہیں سکتے۔سکول کی تعلیم بچوں پہ لازمی ہے۔سکول کی مختلف تقریبات میں بچوں کی شمولیت سے نہیں روکنا۔کسی قسم کا بھی کوئی فنکشن قومی تہوار، مذہبی تہوار، کھیلوں کی تقریبات، ڈانس گانے کی پارٹیاں، سوئمنگ پول میں اکٹھے نہانا، سکول سے باہر مخلوط ٹورز پر جانا، غیر ملک جانا، وہاں ہوٹلوں میں اکٹھے لڑکوں لڑکیوں کا رہنا یا اکیلے اکیلے گھروں میں بطور مہمان مقامی فیملی کے ساتھ رہنا، پکنک پوائنٹ پر گھومنا پھرنا، ایسے کسی بھی کام میں والدین اپنے بچوں پہ پابندی نہیں لگائیں گے۔اگر بچوں نے اس معاملے میں اپنے والدین کی شکایت کر دی کہ وہ روکتے ہیں تو پولیس پہنچ جائے گی۔والدین کو ہر حالت میں اجازت دینا ہو گی ورنہ بچے چھین لئے جائیں گے۔دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

ایک گھر میں ہم درس قرآن کے لئے گئے تو وہاں ایک فیملی نے اپنا دکھڑا سنایا کہ ہماری بچی نویں کلاس میں پڑھتی ہے اور سکول کی طرف سے بچوں بچیوں کے لئے غیر ملک ٹور کا پروگرام ہے۔ہماری بچی نے بھی سکول کے لئے جانا تھا۔ہم نے اپنی بچی کو بہت سمجھایا کہ وہ سکول میں کوئی بہانہ کر دے مگر اس کا دل جانے کو تھا۔ہمارے روکنے کے باوجود بچی نے سکول میں اپنی ٹیچر سے کہہ دیا کہ میں تو جانا چاہتی ہوں مگر میرے والدین

مجھے روکتے ہیں۔ پرنسپل نے والدین کو کال کی کہ کل سکول حاضر ہوں وگرنہ پولیس کے ذریعے بلوالیں گے۔ والدین سکول گئے تو پرنسپل نے سختی سے پوچھا کہ آپ اپنی بچی کو ٹور پہ کیوں جانے نہیں دے رہے۔ انہوں نے بہانہ گھڑا کہ ہمارے پاس بچے کو دینے کے لئے خرچہ نہیں ہے۔ کرایہ وغیرہ۔ پرنسپل نے کہا کہ اپنی تنخواہ کے پیپر لے کر آؤ۔ دیکھیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے اور گھر کے اخراجات کیا ہیں۔ ہم نے بہانہ کیا کہ پاکستان میں ہماری ماں سخت بیمار ہے، ہم نے کچھ پیسے وہاں بھیج دیئے ہیں۔ پرنسپل نے کہا کہ اچھا آدھا خرچہ ہی دے دو۔ ہم نے اس سے بھی معذرت کی کہ ہم نے تو پہلے ہی قرضہ اٹھایا ہوا ہے، پیسے نہیں ہیں۔ آخر پرنسپل نے فیصلہ کیا کہ سارا خرچ آپ کی بچی کا سکول برداشت کرے گا مگر بچی ضرور ٹور پر جائے گی۔ وہ پاکستانی بھائی مجھ سے کہنے لگے کہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ دو دن جانے رہ گئے ہیں۔ بچی جوان ہے اور جانے پہ خوش ہے۔ ساتھ ایک اور پاکستانی بیٹا تھا۔ وہ بھی ہمیں اپنا دکھڑا سنانے لگا۔

یورپ میں گھناؤنی اور غیر اسلامی شرائط پوری کرنے کے بعد بالآخر جن لوگوں کو امیگریشن مل جاتی ہے تو سب سے پہلے انہیں ایک کارڈ ملتا ہے جس پر مذکورہ شخص کی شناخت بمہ تصویر ہوتی ہے کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔ اس کارڈ کی تین ماہ کے بعد دوبارہ تجدید کروانا پڑتی ہے۔ جب حکومت اس شخص سے مطمئن ہو جاتی ہے تو متعدد کارڈ بننے کے بعد تین ماہ کی بجائے پورے سال کا کارڈ ملنے لگتا ہے۔ پھر مذکورہ شخص پانچ سال کے لیے کارڈ اپلائی کرتا ہے۔ پانچ سال کے کارڈ کے بعد دس سال کے کارڈ کی باری آتی ہے۔ دس سال کے کارڈ کے بعد کارڈ ہولڈر نیشنیلٹی (European Passport) کے لیے درخواست دائر کرسکتا ہے۔ یورپین پاسپورٹ خاص خاص لوگوں کو ملتا ہے جن کی طرف سے حکومت بالکل مطمئن ہو جاتی ہے کہ اسکے اصل اسلامی جراثیم مر چکے ہیں۔ جن لوگوں سے حکومت مطمئن نہ ہو، انہیں پاسپورٹ تو دور کی بات، دس سال کا کارڈ بھی نہیں دیتے بلکہ ہم جیسے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کہ دو یا تین مرتبہ سال سال کا کارڈ دیا، پھر دو یا تین ماہ کے چکروں میں کر دیا۔

یورپ میں تقریباً ہر مرد و عورت کام کرتے ہیں اور ان کی ماہانہ پے سلپ بنتی ہے۔

Marfat.com

اگر کسی مرد یا عورت نے چند ماہ قانونی تقاضوں کے تحت کام کیا ہے اور بعد ازاں اسے کہیں کام نہیں مل رہا تو ایسے افراد کو حکومت کے ادارے پے سلپ دیکھ کر بے کاری الائنس دیتے ہیں۔ اس دوران کام کرنا جرم ہوتا ہے۔ اگر کام مل جائے تو بے کاری الائنس ختم ہو جاتا ہے۔ بیکاری الائنس تنخواہ کے تقریباً اسی فیصد کے مطابق لگ جاتا ہے۔ جو کہ ہر ماہ ملتا رہتا ہے۔ یہ تقریباً اٹھارہ ماہ ملتا رہتا ہے جو پھر آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یورپ میں جانے والے غیر ملکی تقریباً 100 فیصد ہی مقامی ملکوں کی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ فرانس، بلجیئم کی سرکاری زبان ایک ہی ہے یعنی فرنچ اور جرمنی کی ڈچ۔ ایسے ہی اٹلی، اسپین، ہالینڈ، انگلینڈ سب کی اپنی اپنی زبانیں ہیں۔ انگلینڈ میں رہنے والے غیر ملکیوں خاص کر برصغیر کے ان لوگوں کو فائدہ ہے جو انگلش میں بات چیت کر لیتے ہیں ورنہ انگلینڈ کے علاوہ ملکوں میں جانے والے غیر ملکی جتنے مرضی تعلیم یافتہ ہوں، انگلش میں ماسٹر کیا ہو یا PhD کی ہو، ڈاکٹر ہو یا کچھ بھی ہو، سب سے پہلے مقامی زبان سیکھتے ہیں۔ پھر کسی دفتر کی جاب مل سکتی ہے۔ جب تک متعلقہ ملک کی زبان نہیں آتی، انہیں پھر صرف مزدوری ہی ملتی ہے۔ بلڈنگ کے کام کی مزدوری میں تھوڑی بہت زبان آنی چاہئے ورنہ مزدوری بھی نہیں ملتی۔ اتنی زبان غیر ملکی جان ہی جاتے ہیں۔ خال خال ایسے بھی ہیں کو اس ملک کی زبان سکول میں مکمل سیکھ کر ڈاکٹر، انجینئر یا دفاتر میں جاب پہ لگ جاتے ہیں۔

کچھ غیر ملکی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ تھوڑی بہت زبان سیکھ کر اپنا بزنس بھی شروع کر لیتے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ ہفتہ وار بازاروں میں سٹال وغیرہ لگا لیتے ہیں۔ چند ایک اپنی دکانیں بھی بنا لیتے ہیں یا کنسٹرکشن سے متعلقہ کمپنی کھول لیتے ہیں۔ پاکستان سے جانے والی اکثر عورتیں نوکری نہیں کرتیں یا مرد اپنی بیوی کا نوکری کروانا معیوب سمجھتے ہیں مگر نئی نسل جو یورپ کی پیدائش والی ہے، وہ نوکری کرنے کو پسند کرتی ہے۔ حیرانی کی بات ہی ہے کہ ہمارے نام نہاد مسلمان و دیگر غیر ملکی اکثر نوکری بھی کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ بے کاری الائنس بھی لیتے ہیں۔ بے کاری الائنس کے ساتھ نوکری قانونی نہیں ہوتی یعنی اس کی پے سلپ نہیں بنتی کیونکہ یہ غیر قانونی کام ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنی عورتوں کے لیے جعلی پے سلپ بنوا کر بے کاری الائنس لیتے رہتے ہیں۔ موجودہ مالی بحران میں بھی یورپ کے امیر

Marfat.com

ملکوں مثلاً فرانس، اسپین، جرمنی وغیرہ

میں اس وقت مزدور کی ایک دن کی تنخواہ تقریباً 8 تا 12 ہزار روپیہ ہے۔ تو مہینے کی خود اندازہ لگالیں اور پھر بے کاری الائنس اپنی بیوی کا بھی شامل کرلیں اور اگر بچے جوان ہیں، نوکری والے بھی ہیں تو وہ بھی شامل کرلیں تو لاکھوں روپیہ مہینہ بن گیا۔ یوں پاکستان میں جائیدادیں تو بنیں گی۔ پاکستان والے بھی خوش اور خود بھی خوش۔ جس کسی کو بھی یورپ کی نیشنیلٹی شہریت مل جاتی ہے، وہ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو مستقل یورپ بلوا سکتا ہے۔ اس کے اہل خانہ کو بھی شہریت مل جاتی ہے۔ بچوں کی عمر 16 سال سے کم ہونی چاہیے مگر عمر کے معاملہ میں ہمارے دفتروں میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ بوڑھے کو بچا بنا دیں یا بچہ کو بوڑھا ظاہر کردیں۔ سب چلتا ہے۔

بہت سے لوگ اپنے بیوی بچوں کو یورپ بلا لیتے ہیں۔ اکثریت لوگوں کی وہ ہے جو شادی شدہ نہیں ہوتی یا بیوی بچوں والے ہوں تو بھی وہ ان کے بغیر ہی یورپ میں رہ رہے ہوتے ہیں۔ سال دو سال بعد ایک دو ماہ کیلئے پاکستان بچوں کے پاس آ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اگر کہا جائے کہ آپ کو شہریت مل گئی ہے تو آپ اپنے اہل خانہ کو بھی بلوا لیں، ان کو بھی شہریت مل جائے گی اور فیملی بھی اکٹھی ہو جائے گی، کہتے ہیں چھوڑو جی، اتنے گندے ماحول میں بیوی بچوں کو بلوالیں۔ استغفراللہ اور یہ پوچھا جائے کہ بھائی آپ بھی تو اس گندے ماحول میں رہ رہے ہیں تو کہتے ہیں کہ مردوں کی تو خیر ہے جی مردوں کو اجازت ہے جیسے مرضی زندگی گزاریں۔ ایسے لوگ جو سال ہا سال سے یورپ میں رہ رہے ہیں، وہ کنوارے ہیں یا شادی شدہ لیکن ان کی بیویاں پاکستان میں ہیں، ان کی اکثریت زیادہ پیسہ عیاشی بدمعاشی پہ خرچ کردیتی ہے۔ ایک فیصد ہی بمشکل ایسے ہوں گے جو بدکاری میں نہیں پڑتے۔

میں اس ماحول کو دیکھتے ہوئے سمجھتا ہوں کہ جو لوگ زنا سے بچے ہوئے ہیں، ان پہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ جن کی فیملی یورپ میں ہے یعنی بیوی ساتھ ہونے کے باوجود بھی بہت سے لوگ گند میں منہ مارنے سے پرہیز نہیں کرتے، وہ اسے اسٹیٹس سمجھتے ہیں۔ جو مرد زیادہ پیسے کمانے والے ہیں یا ان کی عادت زیادہ لٹانے کی ہے تو انہوں نے مستقل

Marfat.com

گرل فرینڈز رکھی ہوتی ہے۔ پھر فخر سے ان کے ساتھ گھومتے ہیں۔ وہ عورتیں بھی پاکستانیوں سے بہت خوش ہوتی ہیں کیونکہ یورپین مردوں عورتوں کی آپس کی دوستی میں رقم لٹائی نہیں جاتی۔ وہ سب کچھ کر گزریں گے مگر کھانے پینے کا خرچ اپنا اپنا، ایک دوسرے کو کافی تک نہیں پلاتے مگر ہمارے لوگ تو اس مقولہ پہ عمل کرتے ہیں کہ پسند ہتھاں دی، خرچ ساڈا۔ تو پھر یورپین عورتیں ہمارے لوگوں سے خوش نہ ہوں تو اور کیا؟ ایک دوسرے پر پیسہ خرچ نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ہر کوئی کام کر رہا ہے۔ شوہر بھی، بیوی بھی کام کر رہے ہیں۔ یہ دونوں تو فیملی بننے کی وجہ سے ایک دوسرے پر پیسے خرچ کر لیتے ہیں مگر جو دوست بنے ہوتے ہیں، ان میں رواج نہیں۔ کہتے ہیں کہ اپنی اپنی پسند کا کھا اور اپنی پاکٹ کو دیکھتے ہوئے تاکہ کسی کو بھی گلہ شکوہ نہ ہو کہ فلاں کو اتنا کھلا دیا، کام پھر بھی نہ بنا۔ کھانا کھلانے پہ قارئین کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جس سے

آپ اچھی طرح ان کا کلچر سمجھ جائیں گے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ بہت سے لوگ اتوار بازاروں میں اسٹال لگاتے ہیں۔ یورپ میں سارا ہفتہ ہر روز ہفتہ وار بازار لگے رہتے ہیں۔ میرا بھی جوتوں کا اسٹال تھا، رمضان آ گیا روزہ افطار کرنے کے وقت ہر مسلمان دکان دار نے حسب استطاعت کوئی نہ کوئی چیز کھانے پینے کے لیے ایک جگہ اکٹھی رکھ لی کہ مل کر کھانے میں برکت ہے اور مل کر افطار کرنے سے خوشی بھی ہوتی ہے۔ ہم چار ہی پاکستانی دکان دار تھے۔ ہم افطاری کر رہے تھے تو ایک ادھیڑ عمر یورپین عورت جو ہم سے چیزیں خریدتی تھی، وہ قریب سے گزر رہی تھی اور ہمیں بار بار دیکھ رہی تھی۔ مجھے ایسے کھاتے شرم سی محسوس ہوئی۔ میں نے اس عورت کو صلح مار دی تو وہ آئی، اس نے کیلا مالٹا، ایسی دو تین چیزیں کھائیں اور بار بار ہماری طرف دیکھتی تھی یعنی ہر چیز اٹھانے سے پہلے۔ میں نے بھی حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کھاتی کھاتی ڈر کیوں رہی ہیں، کہنے لگی کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ لوگ مجھ سے پیسے تو نہیں مانگیں گے۔ میں نے کہا، نہیں۔ ہم ایسا کیوں کریں گے، یہ تو ہمارے لیے بہت شرم کی بات ہوگی کہ دعوت بھی دیں اور جو کھلایا ہے، اس کے پیسے بھی مانگیں۔ یہ تو میں نے اسلام کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ کو دعوت دی، آپ قریب سے گزر رہی تھیں اور

Marfat.com

ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ کہنے لگی، میں تو روزانہ سودا سلف لینے آتی ہوں اور میں دیکھتی ہوں کہ آپ میں سے چند لوگ چیزیں لے آتے ہیں مگر لوگوں کو بھی دعوت دیتے رہتے ہیں، کئی لوگ آپ کے ساتھ مل کر کھا لیتے ہیں۔ انہوں نے تو کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا ہوتا۔ آپ انہیں مفت میں کھلا دیتے ہیں، مجھے بھی کھلا رہے ہیں۔ کہنے لگی کہ روزانہ آیا کروں کھانے کیلئے۔ میں نے کہا کہ جب تک رمضان ہے، ہم ایسے ہی افطاری کریں گے۔ آپ بھی کھا لو تو کوئی حرج نہیں۔ ہنس کر کہنے لگی "آپ میں سے کسی کا پروگرام تو نہیں میرے ساتھ پیپر میرج کا"۔

ہم نے کہا کہ ہم سب کے پاس شہریت ہے۔ ہم کسی لالچ سے نہیں بلکہ اسلام کا حکم سمجھتے ہوئے یہ کام کر رہے ہیں۔ پھر میں نے اسے اسلام کے متعلق چند باتیں بتائیں۔ خاص کر اکٹھے کھانے اور جوائنٹ فیملی سسٹم کے بارے میں تو وہ بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی کہ اسلام کا مطالعہ کروں گی خاص کر یہ مفت میں کھلانے والی بات کا۔ ہمارے ہاں تو کوئی کسی کو ایک پیسہ بھی نہیں کھلاتا۔ میں بات کر رہا تھا کہ یورپین عورتوں کو تو ایسے گندے لوگ چاہئیں جو زنا بھی کریں اور ان پر پیسا بھی لٹائیں اور ان کے نخرے بھی اٹھائیں۔ یورپین عورتیں آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں کہ آج کل کس ملک والا یار چل رہا ہے تو پھر ایک دوسرے سے کہتی ہیں کہ پاکی والے پھنسا، خوب عیش کرواتے ہیں اور ہماری مزدوری کرنے سے بھی جان چھوٹی رہتی ہے۔ بات میں یہ کر رہا تھا کہ زیادہ مال لٹانے والوں نے اپنی اپنی گرل فرینڈز رکھی ہوتی ہیں، جو کم مال لٹانے والے ہوں یا کم پیسے خرچ کرنے والے ہوں، جن کی ضروریات پاکستان میں زیادہ ہیں، وہ مرد حضرات ایک ایک کمرہ میں دس دس افراد تک رہ رہے ہوتے ہیں۔ اسی کمرہ میں سونا، وہیں کھانا وغیرہ پکانا اور ٹوائیلٹ وغیرہ سب کمرے والوں کا مشترک ہوتا ہے۔ یہ بھی ویک اینڈ پہ کوئی نہ کوئی گئی گزری عورت لے ہی آتے ہیں اور ساری رات بے شرمی سے ایک ہی کمرے میں منہ کالا کرتے ہیں۔ شاید انہیں جیسی عورتوں اور مردوں کی وجہ سے پاکستان میں بھی ایڈز پھیل رہی ہے۔ اس لئے باہر سے آنے والے لوگوں سے دیکھ بھال کر شادی کرنی چاہئے کیونکہ اکثریت شراب، زنا کی عادی اور حرام گوشت کھانے والی ہوتی ہیں یا ایمان کو بیچنے والے

سیاسی سٹے والے لوگ ہوتے ہیں۔

پندرہ سال میں میرا زیادہ کام یورپ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا رہا ہے۔ الحمدللہ۔ اپنے سب ملنے والوں کو میں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔ جو لوگ شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کو نہ چھوڑتے، ان سے کھلی بات کرتا کہ برائی سے رک جائیں، آپ یہاں یورپ میں رہ رہے ہیں تو آپ کسی کی امانت ہیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، ادھر گل چھڑے نہ اڑائیں آپ کی بیوی بھی تو پاکستان میں ہے۔ وہ آپ کی امانت عزت کی حفاظت کر رہی ہوگی اور ساتھ دعائیں بھی کر رہی ہوگی کہ اے اللہ میرے شوہر کو ہر برائی سے محفوظ رکھنا۔ اس لئے کچھ خیال کرو۔ ادھر عورتوں کر پھنساتے ہو تو اللہ نہ کرے پاکستان میں کوئی بدبخت آپ کی بیوی کو پھنسانے کی کوشش نہ کر رہا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھر آپ کی امانت میں خیانت ہو جائے۔ میں اپنے بھائیوں کو زنا سے روکنے کے لیے دوٹوک کھری کھری سناتا تو

اکثر غصہ کرتے اور کہتے کہ مولوی صاحب آپ کی جگہ اور ہوتا تو پھر دیکھتے، وہ ایسی بات کیسے کرتا ہے۔ آپ کا لحاظ کرتے ہیں۔ میری بیوی تو بہت نیک ہے، گھر سے بھی کم ہی نکلتی ہے، پردہ وغیرہ بھی، بازار میں جاتی ہے تو کرتی ہے۔ میں کہتا کہ بھائی اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آپ کی بیوی کو بھی تو اس کی سہیلیاں چھیڑتی ہوں گی کہ تمہارا شوہر یورپ گیا ہوا ہے۔ وہاں تو ہر موڑ پر گند ہے۔ جدھر مرضی منہ مارو، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے تو تمہاری بیوی یقیناً یہ کہتی ہوگی کہ نہیں نہیں۔ میرا شوہر تو بڑا نیک ہے اور لاکھوں میں ایک ہے۔ مجھ سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھوں گا بھی نہیں۔ کبھی کبھی نماز بھی وہاں پڑھ لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں وہاں کنوارے مردوں کو کافی تبلیغ کرتا۔ انہیں اس طریقہ سے سمجھاتا کہ بھائی آپ اس برے کام کو چھوڑ دو۔ کل کلاں آپ کی شادی بھی ہونی ہے۔ اگر لڑکی والوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ تو یورپ میں زانی رہے ہو تو یقیناً وہ شادی نہ کریں گے۔ خاص کر لڑکی تو نہ مانے گی۔ بعض کہتے، مولوی صاحب ان کو کیا پتہ، اور یہ بات بھی ہے کہ جب شادی ہوگی تو توبہ کر لیں گے۔ میں کہتا، بھائی آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کتنے دن زندہ

رہنا ہے یا توبہ کے لئے آپ کو وقت بھی ملنا ہے کہ نہیں۔ پھر کہتے، اللہ تعالی بڑا غفور رحیم ہے۔ میں کہتا کہ آپ یہ گوارا کرتے ہیں کہ آپ کی ہونے والی بیوی بھی ایسی ہی ہو، اس کا بھی خیال ہو کہ شادی کے قریب رک جاؤں گی اور توبہ کرلوں گی تو پھر وہ میری اس کھلی بات پر ناراض ہو جاتے۔ پاکستان میں بھی لوگوں کو یورپ کے حالات معلوم ہیں کہ وہاں اکثر لوگ گندے ہوتے ہین، ان کی بیویوں کو بھی معلوم ہو ہی جاتا ہے کہ ہمارے شوہروں کے یہ لچھن ہیں مگر دولت کی چمک دمک سے وقت پاس ہوتا رہتا ہے۔ کئی عورتیں ایسی بھی بد بخت ہوتی ہیں کہ جو سوچتی ہیں کہ مہینہ دو مہینہ کے لئے آیا ہے چلا جائے گا۔ یہ وہاں عیاشی کرتا ہے میں بھی تو پھر آزاد ہوں جو مرضی کروں۔

ایمان اسلام والوں کی کفار سے بنتی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کفار اپنے ملکوں میں نہیں رہنے دیتے۔ ان کو اپنے ملکوں سے نکال دیتے ہیں۔ میرے یورپ جانے سے پہلے حافظ عبداللہ بہاولپوری سے اچھی دعا سلام تھی۔ وہ یہ بات اپنی تقاریر میں کہا کرتے تھے کہ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ ماحول سے متاثر ہو بلکہ مسلمان تو وہ ہے جو ماحول کو متاثر کر دے۔ جہاں بھی جائے، ماحول کو بدل دے۔ اے اللہ تو سب سے بڑا گواہ ہے کہ ہم نے یورپ کے ماحول کو بدلنے کی کوشش کی، اے اللہ تیری ناراضگی میں جو کام ہوا تو اسے معاف فرما دینا اور جو اچھے کام ہوئے، ان کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما لے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آسٹریلیا کی ایک خاتون سورہ یسین پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں

قرآنی آیات کی معجزانہ تاثیر دیکھئے کہ آسٹریلیا کی ایک خاتون سورہ یسین کی آیات کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ ام امینہ بدریہ کی ایمان افروز داستان قبول اسلام انہی کی زبانی سنیئے۔ وہ کہتی ہیں کہ میرے والد کا تعلق تھائی لینڈ سے تھا۔ وہ پیدائشی لحاظ سے مسلمان تھے لیکن عملی طور پر ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جبکہ میری والدہ بدھ مت تھیں اور والد صاحب سے شادی کے وقت مسلمان ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بعد میں آسٹریلیا آ کر آباد ہو گئے تھے۔ میرا پیدائشی نام ٹے نی تھیا Tanidthea تھا۔ میں نے یونیورسٹی آف نیوانگلینڈ، آرمیڈیل سے ایم اے اکنامکس کیا اور بزنس مارکیٹنگ اور ہیومن ریسورسز کے مضامین پڑھے۔ پھر میں بطور ٹیوٹر پڑھانے لگی۔ اسی اثنا میں شادی ہو گئی شادی اسلامی قانون کے مطابق ہوئی۔ میرے شوہر کمپیوٹر گرافکس ڈیزائنر تھے۔ وہ شادی کے وقت مسلمان ہوئے تھے لیکن نام کے مسلمان تھے۔ اسلام پر ہرگز عامل نہیں تھے۔

میرے باپ بھی نام کے مسلمان تھے اور انہیں دین کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا نہ انہوں نے ہمیں کچھ بتایا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم بھی دین سے مکمل طور پر عاری تھے۔ میں کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ اللہ مجھے معاف کرے، میں ملحد تھی۔ میں جب اپنے شوہر کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ گزار چکی تو ایک وقت مجھ پر ایسا آیا کہ دنیا سے میرا دل

Marfat.com

اچاٹ ہو گیا اور میں پریشانی کی حالت میں تھی۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھے نماز پڑھنی چاہیے جیسا کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد صاحب کو کہیں پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن جب میں نے اپنے شوہر کو اس کے بارے میں بتایا تو اس نے اس بات کا بہت برا مانا۔ اس نے کہا نعوذ باللہ کوئی اللہ واللہ نہیں ہے اور نہ نماز وغیرہ کچھ ہے۔ دریں اثنا میرے والدین وفات پا گئے تھے۔

تقریباً سات سال پہلے آسٹریلیا کی نیو ساتھ ویلز سٹیٹ کے شہر آرمیڈیل کی ایک چھوٹی سی مسجد میں گئی جو کہ غیر ملکی مسلم طلبہ کیلئے تعمیر کی گئی تھی۔ وہاں سے میں نے انگلش ترجمے والا قرآن مجید پڑھنے کیلئے مستعار لیا۔ یہ قرآن مجید خادم الحرمین شریفین الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود سعودی عرب کی جانب سے شائع شدہ تھا۔ میں اسے گھر لے جا کر محض اس کی ورق گردانی Flip کر رہی تھی کہ سورہ یاسین کی ان آیات کا ترجمہ میرے سامنے آیا جن میں چاند اور سورج کی حرکت کے بارے میں سائنسی انداز میں بیان کیا گیا ہے: اور سورج اپنی معین راہ پر گردش کر رہا ہے یہ اللہ عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ ہر پھیر پر کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ یہ ترجمہ پڑھنا تھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے جسم میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا کہ نبی علیہ السلام امی تھے۔ یعنی پڑھے لکھے نہ تھے لیکن اتنے بہترین سائنسی انداز میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے تو ضرور ان پر اللہ کی طرف سے وحی ہو سکتی ہے۔

بس اس لمحے میرے دل کی دنیا بدل گئی اور میں نے اللہ کی کتاب قرآن عظیم الشان کا مطالعہ اور اس میں غور و فکر شروع کر دیا۔ میں جب بھی اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتی ہوں پہلے اپنے سابقہ عمل پر اللہ تعالی سے استغفار کرتی ہوں اور پھر ان پر پورا پورا عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں قبول اسلام کے بعد مسجد میں جاتی رہی۔ شروع شروع میں، میں پردہ نہیں کرتی تھی پھر جب نمازیوں نے مجھے بتایا کہ یہ گناہ ہے تو اسی دن سے میں نے اپنے گھر جا کر اسکارف لیا اور پہننا شروع کر دیا، نیز اسلام کا گہرائی سے مطالعہ

Marfat.com

کرنے لگی۔ میں نے خاصی کوشش کی کہ میں اپنے شوہر کو اسلام کے بارے میں قائل کر سکوں لیکن وہ نہ مانا، حالانکہ میری اس سے بیٹی بھی پیدا ہو چکی تھی۔ آخر میں نے اس سے کہا کہ یا اسلام قبول کرلو یا مجھے چھوڑ دو۔

تب اس نے مجھے طلاق دے دی اور مجھ سے اور میری بیٹی سے دستبردار ہو گیا۔

دریں اثنا میں انٹرنیٹ پر اپنے ایک پاکستانی بھائی عبدالصمد سے چیٹنگ کرنے لگی اور ان سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی جو وہ مجھے وقتاً فوقتاً بہم پہنچاتے رہے۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ میں آسٹریلیا سے اسلام کیلئے ہجرت کرلوں۔ میں نے پاکستان کی جانب ہجرت کرنے کو ترجیح دی۔ اسلام لانے سے پہلے میری بیٹی کا نام توان وارث تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے امینہ رکھ دیا۔ میں نے اپنا نام غزوہ بدر کی نسبت سے بدریہ رکھا تھا بیٹی کے حوالے سے میں ام امینہ کہلاتی ہوں۔ میں نے اپنی بیٹی کو آسٹریلیا کے کسی سکول میں بھجوانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہاں تعلیم میں موسیقی اور ان کے پرچم کے آگے ادب واحترام کیلئے مختلف افعال کی ادائیگی شامل تھی جو کہ مجھے پسند نہیں تھی، لہذا میں نے اپنی بیٹی کو اپنے گھر ہی میں اسلام کی ابتدائی تعلیم و تربیت دی ہے۔

آسٹریلیا میں اکثریت عیسائی مذہب پر یقین رکھتی ہے لیکن الحمد للہ اب لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور خاص طور پر خواتین بڑی تیزی سے اسلام کی طرف آ رہی ہیں۔ چند خواتین نے مسلمانوں کے ساتھ شادیاں کی ہیں۔ اکثر خواتین اپنے تحفظ اور احترام کیلئے اسلام کی طرف متوجہ ہو رہی ہے جو کہ صرف اسلام عطا کرتا ہے۔ آسٹریلیا کے مسلمانوں میں اکثریت عمل سے دور ہے لیکن وہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن اور سنت پر مکمل عمل کر رہے ہیں لیکن مجھے بعض اوقات ایسے معلم علما کے رویوں سے بہت دکھ ہوتا ہے جو اللہ کی خاطر حق بات نہیں کہتے بلکہ ایسے بیانات دیتے ہیں جن سے آسٹریلیا کے اہل اقتدار کو خوش کیا جائے۔ مثلاً پچھلے دنوں ایک عالم دین سے انٹرویو کیا گیا تو اس نے یہ کہا کہ عراق میں جو مسلمان مر رہے ہیں وہ شہید نہیں ہیں۔

آج ہم جہاد کے نام سے بھی ڈر رہے ہیں جبکہ عراق کے لوگ کوئی جارحانہ لڑائی

Marfat.com

Offensive نہیں لڑ رہے بلکہ اپنی بقا کی جگہ (De fensive) لڑ رہے ہیں اور یہ ان کا حق ہے کیونکہ ان پر جنگ مسلط کی گئی ہے۔ میں ہر چیز کیلئے اللہ تعالی سے رہنمائی کی دعا کرتی رہتی ہوں کہ اے اللہ تو میری رہنمائی فرما اگر انسان اللہ تعالی سے اخلاص کے ساتھ سیدھے راستے کی درخواست کرے تو اللہ تعالی ضرور اپنے بندے کی رہنمائی فرماتا ہے۔ لہذا میں ہر کام میں صراط مستقیم کے لئے اللہ تعالی سے دعا کرتی رہتی ہوں۔ اللہ تعالی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ میں پاکستانی مسلمان عورتوں سے بھی کہوں گی کہ وہ اپنے دین کی طرف متوجہ ہوں۔

دنیا کی کچھ حیثیت نہیں ہے یہ چند روزہ زندگی ہے اسے گزر ہی جانا ہے، اگر یہ حقیقت سمجھ لی جائے تو مال، جائیداد، پوت، ان سب کی حقیقت انسان پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کو چاہیے کہ صحیح معنوں میں اسلام کو بطور دین قبول کریں اور رسم و رواج سے ہٹ کر اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن میں نے یہاں دیکھا ہے کہ اکثر عورتیں شرعی پردہ نہیں کرتیں۔ صرف رواجی پردہ کرتی ہیں، جب گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہے تو خوب پردہ کر لیتی ہیں لیکن گھروں میں نوکروں، دیوروں اور رشتے داروں کے سامنے پردے کا حق ادا نہیں کرتیں جس کا سارا گناہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے شوہروں کو بھی ہوگا۔ میں ان سے یہی کہوں گی کہ وہ اپنے اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ان شاءاللہ ان کا یہ عمل دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے اجر کا ذریعہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ہسپانوی نومسلم کے قبول اسلام کی کہانی خود اس کی زبانی

ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں بالکل اکیلا سپین کے شہر بالینسیا میں واقع ایک ڈسکو کلب میں شراب پی رہا تھا اور ساتھ ساتھ اپنے نزدیک موجود لوگوں کو غور سے دیکھ رہا تھا، اپنی زندگی کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے ذہن میں یہ بات آ رہی تھی کہ میری اور میرے گرد موجود لوگوں کی زندگی کتنی خشک اور خالی ہے، اور میں اپنی زندگی کا مقصد سوچ رہا تھا۔ میں اکثر زندگی کے دکھوں اور دیگر ذہنی پریشانیوں سے بچنے کے لیے الکوحل اور شراب کے نشے میں پناہ لینے کی کوشش کرتا تھا اور اپنا پیسہ اسی طرح ڈسکو اور نائٹ کلبوں میں خرچ کرتا تھا۔

ہمیں بچپن سے جو بات بتائی جاتی ہے کہ یہ دنیا محض ایک حادثے کا نتیجہ ہے اس بات پر میرا یقین نہیں ٹھہرتا تھا اور میں ہمیشہ سے یہ سوچتا تھا کہ کوئی اور ایسی ذات ضرور موجود ہے جو ہم سب سے اعلی اور بلند ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے کسی اور ایسے راستے کی تلاش کرنی چاہیے جو کہ اس دنیا کے خالق و مالک کا راستہ ہے جس نے اس ساری کائنات میں موجود اشیا کو بالترتیب بنایا ہے اور جس کے حکم سے انسانیت کا وجود ہے اور ہمارے اندر عقل و دماغ موجود ہیں۔

جو مذہب میرے والدین نے مجھے سکھایا تھا وہ میرے روحانی سوالات کا جواب نہیں دیتا تھا اور میں کسی ایسی چیز کو بنیاد نہیں بنا سکتا تھا جو تضادات سے بھرپور ہو، ان تضادات کی وجہ تاریخ انسانیت میں آسمانی صحائف میں ہونے والی تبدیلیاں ہیں، میں کسی ایسی چیز کو بنیاد نہیں بنا سکتا تھا جس کو انسانوں نے بنایا ہو اور اس میں غلطیوں کا امکان بھی موجود ہو،

Marfat.com

خدا کے سامنے عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بنی ہوئی تصاویر کی عبادت کرنے والی بات بھی میری عقل سے بالاتر تھی۔ میرے اندر موجود روحانی خلا کو فل کرنے لیے میں جن چیزوں کا استعمال کرتا تھا ان سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ مجھے مزید خالی و کھوکھلا کرتی جاتی تھیں اور میرے اندر اعتماد کی کمی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا اور ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا کہ میں مزید پریشان اور دکھی ہوتا چلا گیا۔

اپنی نوجوانی کے دوران میرا عربی دوستوں سے بہت واسطہ رہا، وہ سب میرے بہت اچھے دوست تھے لیکن میں نے کبھی ان سے دین اسلام کے بارے میں معلومات نہیں لیں اور نہ ہی یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی۔ میں نے بدھ مت، ہندومت سمیت دنیا کے دیگر مذاہب کے بارے میں تحقیق کی لیکن اسلام کے بارے میں تحقیق کرنے کا کبھی نہیں سوچا اور نہ ہی یہ چیز میرے ذہن میں آئی۔ اسلام کے بارے میں میرے اندر کچھ ایسے خیالات موجود تھے جن کی وجہ سے اسلام کے بارے میں سوچنے کا دور دور تک خیال ہی نہ آیا۔

لیکن ایک دن مجھے ایک مراکشی بھائی ملا تو میرے اندر تجسس پیدا ہوا، کیونکہ اس کی چال چلن اور اس کا زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا ایک مخصوص طریقہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے ایسے سوالات کرنے شروع کر دیے جو عام طور پر ایک جاہل کافر کرتا ہے۔ سوالات کا جواب دیتے وقت میری طرف سے اس کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ مجھ جیسے ضدی اور بے عقیدہ انسان کو منانا آسان کام نہیں تھا۔

میرے اس رویہ کے سامنے اس نے ہمیشہ سکون اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ مجھ سے نہ جیت سکے۔ میں ہمیشہ یہ سمجھتا تھا کہ میری بات صحیح ہے اور میں اگلا سوال کرنے سے پہلے تھوڑا وقفہ چھوڑ دیتا تھا۔ اصل میں میری مزاحمت سچ کے سامنے جھوٹ کے علاوہ کچھ اور نہ تھی، کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ سچ کو پہچاننا اور ماننا کافی مشکل ہے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے، اور اسلام کو صحیح طریقہ سے سمجھانا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تو ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا لیکن ہمیشہ میں نے اپنی مزاحمت کو برقرار رکھا۔ کچھ مہینوں کے بعد میں نے خنزیر کا گوشت کھانا چھوڑ دیا اور شراب پینی بھی

Marfat.com

چھوڑ دی کیونکہ میرے اندر ایک تبدیلی آ چکی تھی اور اب میں ان چیزوں کو اپنا دشمن تصور کرتا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیدائش کے وقت ہم سب کا دین اسلام ہی ہوتا ہے لیکن بعد میں والدین کوئی اور راستہ سکھا دیتے ہیں اور جب میں نے اسلام کو اپنے دل پر اثر انداز ہوتے ہوئے دیکھا تو اس وقت صرف یہ ہوا کہ میں اپنے اصلی دین کی طرف واپس پلٹ آیا جس پر میں پیدا ہوا تھا، میں نے اپنے اسلام کو دوبارہ پا لیا اور اسی وجہ سے ہوش وحواس کے ساتھ میرا جسم ان چیزوں شراب وخنزیر سے نفرت کرنے لگ گیا۔ اس کے علاوہ بہت سارے اسلامی رسم ورواج میرے اندر پہلے سے موجود تھے بیشک میں خنزیر کھاتا تھا لیکن ہمیشہ کوشش ہوتی تھی کہ نہ کھاؤں، خدا کو ہمیشہ میں واحد جانتا تھا تثلیث کے عقیدے پر میرا ایمان نہ تھا، میرا یقین تھا کہ خدا کی کوئی جنس یا تعداد نہیں ہو سکتی، کہ میں خدا کو مذکر یا مونث نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی میں خدا کے بارے میں یہ تصور کرتا تھا کہ وہ کوہ قاف کے کسی اونچے خاندان کی ایک باریش اور قوی ہیکل شخصیت ہے۔

اصل اور سچے اسلام تک پہنچنے کے لیے مجھے ان تمام غلط اور جھوٹے اعتراضات کا رد کرنا پڑا جو عام طور پر اسلام سے منسوب کیے جاتے ہیں اور ان پر میں اپنے بچپن کے معصوم دور سے اب تک یقین کرتا آیا تھا۔ جب میں نے یہ سب کچھ سوچا تو مجھے دلی طور پر گہرا دکھ پہنچا۔ کیونکہ میرے معاشرے نے اتنا عرصہ اسلام کو غلط پیش کیا اور میں سچ تک نہ پہنچ سکا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کا ایک فلسفہ اور مکمل ضابطہ ہے، اور یہ انسان کو اس کی زندگی میں پیش آنے والے ہر کام میں مدد کرتا ہے۔ الغرض اسلام ایک تہذیب کا نام ہے۔ اس مراکشی بھائی سے اتنی لمبی گفتگو کے بعد اب میں نے اس حقیقت کو تسلیم کرنا شروع کر دیا کہ میں اور میرے عزیز واقارب سب غلط تھے۔

مین نے اپنے یقین کو مکمل کرنے کے لیے یکم اگست 1997 کو زندگی میں پہلی مرتبہ ایک مسجد جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اپنے اس مراکشی بھائی کو کہا کہ وہ مجھے ساتھ لے کر جائے تا کہ میں جان سکوں کہ وہاں جا کر میں اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتا ہوں۔ میں

اپنے اس دن کو مکمل تفصیلات کے ساتھ تاحیات یاد رکھوں گا۔ میں اپنے ان جذبات کا اظہار الفاظ میں نہیں کرسکتا جو مسجد میں داخلے کے وقت میرے اندر موجود تھے۔ مجھے میرے مراکشی دوست نے مسجد میں نماز کی جگہ دکھائی اور میں نے اذان بھی سنی اس کے بعد ہم امام مسجد کے حجرہ کی طرف آئے۔ اس وقت نمازِ ظہر کا وقت تھا اور جمعہ کا دن تھا اس لیے امام نے مجھے کہا کہ تم یہاں کمرے میں رہو اور نمازِ جمعہ کے بعد بات کریں گے۔ امام کے کمرے میں اس طرح بیٹھا کہ مجھے ساری مسجد کا منظر نظر آرہا تھا کیونکہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سب لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کو نماز پڑھتے دیکھ کر میرے ایمان میں مکمل مضبوطی آگئی۔ میرے اندر اس وقت جو جذبات تھے ان کو کاغذ پر بیان کرنا ممکن نہیں، خاص کر جب اذان ہوئی تھی اور جب سب لوگ مل کر آمین کہتے تھے ! اس وقت میرے جسم کے اوپر اور اس کے اندر جو محسوس ہوتا تھا اس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس وقت میں سمجھ چکا تھا کہ میں اب مسلمان ہوں۔

بعد میں میری امام سے گفتگو ہوئی۔ میرے ساتھ (Begoa) نامی ہسپانوی لڑکی اور دو مزید ہسپانوی نوجوان موجود تھے جو قبولِ اسلام کے لیے آئے ہوئے تھے۔ امام ہم سب کو اسلام کے بارے میں بتا رہا تھا، بتانے کے بعد امام نے اس لڑکی سے پوچھا کہ وہ اسلام میں داخل ہونا چاہتی ہے تو وہ لڑکی آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیے میرے سامنے اسلام میں داخل ہوئی۔ وہ جذبات سے رو رہی تھی لیکن سچ یہ ہے کہ میں بھی رونے کے بالکل قریب تھا۔ اس لڑکی کا چہرہ نور سے روشن تھا۔ میرے سامنے یہ پرسکون واقعہ میرے لیے بہت ہی مددگار ثابت ہوا اور اس واقعہ نے میرے یقین کو مزید تقویت دی۔

میں نے یہ دیکھا کہ اسلام زندگی میں پیش آنے والے ہر قسم کے سوالات کا جواب دیتا ہے، میں ان میں سے کچھ مثالیں پیش کروں گا۔

اسلام ہماری نہ سمجھ میں آنے والے تمام سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اسلام میں جانوروں اور نباتات کے حقوق کے بارے میں قانون موجود ہیں۔ اسلام سائنس کا ساتھ دیتا ہے جبکہ عیسائیت اس کے خلاف ہے۔ قرآن میں موجود پانی سے زندگی کے وجود میں

Marfat.com

آنے والی بات نے مجھے بہت حیران کیا۔ اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں قرآن میں موجود معلومات جس کو سائنس دانوں نے ابھی دریافت کیا ہے اور اس کا نام BIG BANG THEORY رکھا ہے اس نے بھی مجھے بہت حیران کیا۔ ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی پیدائش کے بارے جو معلومات قرآن کے اندر موجود ہیں اس نے بھی مجھے کافی حیران کیا۔ قرآن میں بچے کی پیدائش کا ہر مرحلہ اور اس کے دنوں کا حساب بھی موجود ہے جن کی موجودہ سائنس نے تحقیق اور توثیق کی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات کو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا۔

اس دن کے علاوہ مزید دو دن میں امام صاحب سے سیکھنے اسی مسجد جاتا رہا، اور وہ وقت آیا جب 4 اگست 1997 کو شام 5 بج کر 50 منٹ پر میں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد بہت سارے مسائل پیدا ہوئے جن کا ہر اسلام قبول کرنے والوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے زیادہ دکھی مسائل عموما گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ ہوتے ہیں، لیکن اگر ہمارے اندر پختہ یقین موجود ہو تو یہ سب کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم پر اللہ تعالی کا کرم ہے۔ یہ مسائل وقت کے ساتھ ساتھ حل ہوتے جوتے ہیں۔

اسلام انسانوں میں اختلاف میں ڈالنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ان کو اتحاد کی دعوت دینے آیا ہے اور یہ اس زمین پر سب سے بڑا رواداری کا سبق دینے والا مذہب ہے ۔ایک دن میں نے اپنے اندر آنے والی عظیم تبدیلی کی اہمیت کے بارے سوچا۔ میرے جیسے نئے مسلمان جو اسلام میں داخل ہوتے ہیں یہ ہم پر اللہ تعالی کا فضلِ خاص ہوتا ہے جو ہمیں کفر وضلالت کے تاریکی راستے سے ہٹا کر ہدایت کے سیدھے اور روشن راستے پر گامزن کرتا ہے۔ ہمیں جہالت سے نکل کر سیدھی راہ پر آنے کا احساس ہونا چاہیے۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ ہمیں اس توفیقِ باری تعالی پر اللہ تعالی کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

ہمیں اس بات کا بھی احساس ہونا چاہیے کہ موجودہ دور اسلام کے لیے بہت سخت ہے۔ مسلمان ممالک میں ہونے والے واقعات سے ہمیں مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور

Marfat.com

ہمیں اپنے ان بھٹکے ہوئے بھائیوں کو دیکھ کر جو اسلام کے نام پر بعض ایسی چیزوں کو اختیار کیے ہوئے ہیں کہ جن کا اسلام سے کوئی واسطہ ہی نہیں اپنے ایمانوں کو کمزور نہیں کرنا چاہیے۔ اکثر اوقات جب ہمیں دوسرے لوگ بتاتے ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں، ہمیں اس طرح کے مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے اپنی تربیت کرنی چاہیئے، ان لوگوں کے پاس جا کر جو صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھتے ہوں مثلاً ایک امام مسجد اور ہمیں کسی بھی ایسے ویسے ایرے غیرے کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔

ہر مکتبہ فکر کی بات کو سنیے ضرور لیکن خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ کہنے والا جو کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط، کیونکہ بدقسمتی سے بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو اعلانیہ کہتے ہیں کہ ہمیں بہت کچھ معلوم ہے لیکن یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ زیادہ تر جہالت ہی ہوتی ہے اور اگر ہم نے اس کو کنٹرول نہ کیا تو یہ جہالت ہمیں بہت نقصان پہنچا سکتی ہے۔ میرے خیال کے مطابق یہ نقصان دو طرح کا ہو سکتا ہے، اس سے ہمارے ایمان میں کمزوری حتی کہ ایمان کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہم بھی گمراہ ہو کر اسی جہالت کی تبلیغ شروع کر دیں اور اس طرح جاہلوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

میری زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو چکی ہے۔ میں اپنے آپ کو ایمان سے لبریز اور مکمل محسوس کرتا ہوں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں از سر نو پیدا ہوا ہوں۔ میرا نام خالد ہے اور میرا خیال ہے کہ ہمیں اسلام کا اصلی چہرہ پیش کرنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور اسلام کے نام پر ہونے والے غلط کام کو روکنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

ایک ایماندار مسلمان کو دیکھ کر پورا مالدیپ نے اسلام قبول کرلیا

گزشتہ روز انسانیت کو شرمسار کر دینے والی خبر نے ماضی کے واقعات کو پھر تازہ کر دیا ہے۔ وسطی ہندوستان میں واقع چھتیس گڑھ کے بیجا پور میں کمسن بچی کے بلی چڑھائے جانے کے واقعے نے مالدیپ جزائر میں لڑکیوں کے بلی چڑھائے جانے کے سانحے کو دوہراتے ہوئے اچھی کھیتی کیلیے 7 سالہ لڑکی کو قربان کر کے اس کا جگر نکال لیا گیا۔ اچھی کھیتی کو یقینی بنانے کے لالچ میں ایک سات لڑکی کو مبینہ طور پر قتل کرنے اور اس کی بلی چڑھانے کیلیے اس کا جگر کاٹنے کے الزام میں دو افراد کو گرفتار کیا گیا۔ سینئر پولیس افسر کے مطابق للیتا تاتی اکتوبر سے لاپتہ تھی اوراس کے باقیات ایک ہفتے بعد ملے جس پر پولیس نے دو اشخاص کو گرفتار کیا۔ یہ دونوں ہی غریب کسان ہیں۔ اپنی گرفتاری کے بعد انہوں نے پولیس کو بتایا کہ اچھی کھیتی حاصل کرنے کیلیے اپنی دیوی کو خوش کرنے کی غرض سے انہوں نے لڑکی کو مار ڈالا۔ اس لڑکی کا جس وقت اغوا کیا گیا تھا تو وہ پڑوس کے گھر میں ٹی وی دیکھنے کے بعد گھر لوٹ رہی تھی۔ دونوں افراد نے ذبح کرنے کے بعد اس کا جگر نکالنے کا بھی اعتراف کیا تا کہ اس عضو کو دیوی پر چڑھایا جاسکے۔ پولیس اہلکار نے یہ بھی بتایا کہ اقبالیہ بیانوں کے علاوہ پولیس نے کئی ثبوت حاصل کئے ہیں۔ اگر وہ قصوروار پائے گئے تو انہیں عمر قید یا موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مشہور مورخ سیاح علامہ ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ نے جزائر مالدیپ میں اسی انداز میں انسانی بلی چڑھائے جانے کے واقعے کو نقل

کیا ہے۔ اس وقت جزیرے میں ہندو حکمراں راجہ دھرم سانت کی حکومت تھی جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ ابن بطوطہ مالدیپ آئے اور یہاں بطور قاضی کام کرتے رہے۔ ان کا مکمل نام ابوعبداللہ محمد ابن بطوطہ ہے جو مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوئے۔ ادب، تاریخ، اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے محض اکیس سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس کے بعد شوق سیاحت نے انھیں افریقہ کے علاوہ روس سے ترکی پہنچا دیا۔ انہوں نے جزائر شرق الہند اور چین کی بھی سیاحت کی۔ عرب، ایران، شام، فلسطین، افغانستان، اور ہندوستان کی سیر کی۔ چار بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ سلطان نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور قاضی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ یہیں سے ایک سفارتی مشن پر چین جانے کا حکم ملا۔ 28 سال کی مدت میں انہوں نے 75 ہزار میل کا سفر کیا۔ آخر میں فارس کے بادشاہ ابوحنان کی دربار میں آئے اور ان کے کہنے پر اپنے سفرنامے کو کتابی شکل دی۔ اس کتاب کا نام عجائب الاسفارنی غرائب الدیار ہے۔ یہ کتاب مختلف ممالک کے تاریخی وجغرافیائی حالات کا مجموعہ ہے۔ ابن بطوطہ کا سفرنامہ مالدیپ کے قدیم احوال کے بارے میں اولین تاریخی دستاویز شمار ہوتی ہے۔

اپنے سفرنامہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ جب وہ جزائر مالدیپ میں سیاحت کرتے ہوئے پہنچے تو دیکھا کہ تمام ملک اذان کی صداوں سے گونج رہا ہے اور ساری زمین سجدہ ہائے نماز کی کثرت سے بھری پڑی ہے۔ انہیں اس سے بہت تعجب ہوا کہ کیوں کہ ان کے علم کے مطابق کوئی مسلمان اس میں فاتحانہ یا تاجرانہ حیثیت سے کبھی نہیں پہنچا تھا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ دور دراز سرزمین اسلام کے نور سے کیسے روشن ہوئی؟ وہاں کے اہل علم نے بتایا کہ عربوں کا کوئی تجارتی جہاز مشرقی اقصی کی طرف جارہا تھا۔ یہ مشرقی جزائر کے قریب تھا کہ سمندر میں سخت طوفان آیا اور جہاز تباہ وبرباد ہوگیا۔ اس کے مسافروں میں سے ایک مسلم تاجر کسی تختہ پر بیٹھ کر بچ گیا۔ اللہ کے فضل سے ہمارے جزیرہ کے ساحل پر آلگا۔ یہ ایک مراکشی عرب تھا۔ چونکہ جزیرہ میں اس کا کوئی یارومددگار نہ تھا۔ اس لئے اس نے ایک بڑھیا کے گھر پناہ لی۔ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا اور انہیں فروخت کرتا تھا۔ ایک عرصہ تک اسی پر گزراوقات کرتا رہا۔ ایک دن جب

Marfat.com

یہ عرب گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ بڑھیا رو پیٹ رہی ہے اور پاس ہی اس کی نوجوان لڑکی سر پیٹ رہی ہے۔ عرب نے پوچھا۔ یہ مصیبت کیسی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ آج یہ میری اکلوتی بچی مرجائے گی۔ عرب نے پوچھا کہ کیسے مرجائے گی؟ یہ تو تندرست ہے اور عالم الغیب تو خدائے تعالیٰ ہی ہے۔ بڑھیا نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے دیکھو موت کھڑی ہے۔ عرب نے حیرت زدہ ہو کر دیکھا تو فوجی سوار سامنے کھڑے تھے۔ اس نے حوصلہ مندی سے دریافت کیا کہ کیا یہ تمہاری لڑکی کو قتل کردیں گے؟ بڑی بی نے کہا کہ یہ بات نہیں دراصل یہ سپاہی میری لڑکی کو لینے آئے ہیں کیونکہ ہمارے اس جزیرہ میں ہر مہینہ کی ایک مقررہ تاریخ کو ایک سمندری بلا نمودار ہوتی ہے جس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس جزیرہ والوں کی طرف سے ایک کنواری لڑکی اسی تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد ایک مندر میں جو سمندر کے کنارے ہے پہنچا دیتے ہیں۔ دوسری صبح کو جب حکومت کے آدمی ساحل سمندر پر جاتے ہیں تو وہ لڑکی مردہ ملتی ہے اور اس کا کنوارہ پن زائل شدہ۔ ہر سال قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون لڑکی بھیجی جائے؟ یہاں تک بیان کرکے بڑھیا زیادہ روئی اور کہنے لگی کہ اس مرتبہ قرعہ میری لڑکی کے نام نکلا ہے جو میری اکلوتی بیٹی ہے اس وجہ سے ہم رو رہے ہیں۔ جب عرب نے یہ دردناک کہانی سنی تو کہا کہ تسلی رکھو میں اس سمندر میں بلا یعنی خبیث جنات کا علاج میں جانتا ہوں۔ آج رات میں خود اس سمندر میں جاؤں گا تاکہ تمہاری اکلوتی لڑکی کی بجائے اپنی جان قربان کردوں۔ تم مجھے اپنی لڑکی کے زنانہ کپڑے پہنا دو تاکہ کوئی شخص مجھے پہچان نہ سکے۔ مراکشی عرب ان لوگوں میں سے تھا جن کے داڑھی مونچھ صفر کے برابر یا بالکل نہیں ہوتی۔ بڑھیا نے عرب کی یہ تجویز منظور کرلی اور اسے زنانہ کپڑے پہنا دئے۔ جب سپاہی آئے تو بڑھیا نے اس کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جو اس کو مندر میں بٹھا کر چلے آئے۔ یہ عرب قرآن پاک کے حافظ تھے۔ ان کا نام ابوالبرکات تھا۔ جب حکومت کے سپاہی دور چلے گئے تو انہوں نے نہایت اطمینان سے وضو کیا۔ عشاء کی نماز پڑھی پھر اپنے سامنے ننگی تلوار ڈال کر سمندر کی موجوں کو دیکھنے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کردی۔

رات نہایت خوفناک، اندھیرا چھایا ہوا اور جزائر مالدیپ کی ساری کائنات نیند کے

Marfat.com

سمندر میں غرق تھی۔ سوائے تین روحوں کے جن کی آنکھوں پر نیند کی لذت حرام تھی۔ ان میں سے ایک بہادر شیر دل عرب تھا جس کی آنکھوں میں پانی کا سمندر تھا اور سینہ میں ایمان کا سمندر دوسری غریب بڑھیا تھی جسے اپنی اکلوتی بیٹی کی زندگی پر شاد ہونا چاہئے تھا لیکن مراکشی غریب الوطن کی شہادت کا غم اس کے دل وجگر کو چھیلے ڈال رہا تھا۔ تیسری روح جزیرہ کی وہ معصوم لڑکی جس کو قرعہ حکومت نے موت اور ذلت کیلئے۔ مگر قسام ازل نے زندگی اور عزت کیلئے منتخب کرلیا تھا۔ وہ شریف اور بہادر عرب کے غم میں نڈھال تھی۔ اور روئے جاتی تھی۔ شریف اور بہادر مراکشی عرب نے دل کش آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی اور اسی عالم میں رات کے بارہ بج گئے۔ ناگہاں افق سمندر سے ایک جہاز جیسی عجیب خوفناک شکل نمودار ہوئی جس میں بے شمار خانے بنے ہوئے تھے۔ یہ شے آہستہ آہستہ کنارے کی طرف آئی اور مندر کے پاس آ کر رک گئی۔ مراکشی غازی اپنی تلاوت میں مصروف رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خوفناک بلا آگے نہ بڑھ سکی اور تھوڑی دیر ٹھہر کر آہستہ آہستہ واپس چلی گئی۔ یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہوگئی۔ صبح کے وقت جب حکومت کے سپاہی۔ لڑکی کی نعش لینے آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں کوئی نعش موجود نہ تھی۔ لڑکی غائب اور اس کی بجائے ایک بہادر جواں مرد مسلمان موجود تھا سپاہی اس غازی اسلام کے پاس آئے اور اس کو راجہ کے پاس لے گئے۔ راجہ نے ساری داستان سنی اطمینان کیلئے جرح کی۔ پھر بڑھیا اور اس کی بیٹی کو بلایا جنہوں نے تمام واقعات کی تصدیق کردی شریف عرب نے راجہ کو بتایا کہ میرا یہ فعل شریعت اسلام کے مطابق اور بوڑھی خاتون کے احسان کا معمولی سا بدلہ ہے۔ راجہ معمولی لفظ سے بے حد متاثر ہوا۔ پھر راجہ نے پوچھا تم اتنی بڑی بلا کے سامنے تن تنہا جا کھڑے ہوئے۔ مراکشی عرب نے کہا کہ میں اکیلا نہیں تھا بلکہ میرا خدا میرے ساتھ تھا۔ راجہ نے پوچھا کہ لیکن تم ڈرے کیوں نہیں؟ مجاہد عرب نے جواب دیا کہ مسلمان خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ راجہ نے جوش سے کہا کہ اگر اس مرتبہ بھی تم اکیلے گئے اور سلامت واپس آگئے تو ہم سب اسلام کی صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کردیں گے۔ تمام اہل دربار نے اس کی تائید کی۔ اس کے بعد جب دوسری تاریخ آئی تو بہادر عرب پھر مندر میں چلا گیا اور صحیح وسلامت واپس آ گیا۔ اس مرتبہ کسی

Marfat.com

بلانے سمندر کا رخ نہیں کیا۔ جب راجہ اور اس کی رعیت کو یہ معلوم ہوا کہ اس مسلمان کے فیض قدم سے اہل جزیرہ کو خوفناک سمندری بلا اور شیاطین سے ہمیشہ کیلئے نجات مل گئی ہے تو تمام ملک میں اسلام کی صداقت کا غلغلہ بلند ہوگیا۔ سب سے پہلے بڑھیا اور اس کی بیٹی مسلمان ہوئی اس کے بعد راجہ اور اس کے درباریوں نے اسلام قبول کیا اور پھر تمام جزائر میں لاالہ الااللہ، محمد الرسول اللہ کی دھوم مچ گئی۔ اس طرح مالدیپ میں اسلام پہلی صدی ہجری میں عرب تاجروں کی وساطت سے آیا۔ یہ واقعہ 1314 کا ہے۔ مالدیپ کے لوگ اسے اب تک روحانی انقلاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس وقت سے اب تک پرتگالیوں کے مختصر اعہد اقتدار کے سوا مالدیپ اسلامی سلطنت چلی آرہی ہے۔ مالدیپ کا شمار بھی قدیم اسلامی سلطنت میں ہوتا ہے۔ 1581 میں ان جزائر پر پرتگالیوں نے قبضہ کرلیا لیکن 70 ویں صدی میں ولندیزیوں کی نگرانی میں آ گیا جو سری لنکا کے بھی حاکم تھے۔ 1887 میں ایک معاہدے کے تحت برطانیہ براعظم پاک وہند کے ساتھ مالدیپ کا بھی حکمران تسلیم ہوا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

تجارت کیلئے سعودی عرب آیا تھا لیکن زندگی کا سب سے بہترین سودا کر چکا ہوں۔ نومسلم کا تاثر

امریکی تاجر پائلٹ رچرڈ پیٹرسن نے سعودی عرب میں صرف ایک ماہ گزارنے کے بعد روحانی ماحول اور بہترین سلوک سے متاثر ہوکر اسلام قبول کر لیا ہے۔ رچرڈسن جن کا اسلامی نام عبدالعزیز ہے نہایت اہم عصری نگہداشت فراہم کرنے والی ایک کمپنی کے مالک ہیں جس کا سرمایہ 50 ملین ڈالر ہے۔ نیز وہ دو طیاروں اور دو ہیلی کاپٹرز کا ایک بیڑہ رکھتے ہیں۔ عبدالعزیز طلبا کو ایرایمرجنسی کی ٹریننگ دینے کیلئے سعودی ہلال احمر کے ساتھ ایک معاہدہ پر مملکت کو آئے اپنے قیام کے دوران وزارت اسلامی امور، اوقاف، رابطہ و رہنمائی کے تین ارکان نے انہیں عشائیہ پر مدعو کیا۔ ''اسلام کیلئے میری رہنمائی کیجئے'' پراجیکٹ پر کام کرنے والے 3 ارکان نے عبدالعزیز سے اسلام اور اس کے حقیقی جوہر پر بات چیت کی۔ عبدالعزیز نے قبول اسلام کی تقریب کے دوران کہا ''میں ایک تجارتی معاملے کیلئے مملکت کو آیا اور یہاں اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی زندگی کا سب سے بہترین سودا کر بیٹھا۔''

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اسلام قبول کر رہا ہوں۔ ''انہوں نے سعودی عرب کے ماحول کی ستائش کی اور اسے خوبصورت اور سہولت بخش قرار دیا۔ عبدالعزیز جب اپنے ملک میں تھے۔ تو وہ ٹی وی چینلوں کے ذریعے اسلام کے بارے میں منفی خیالات سنتے تھے۔ ان چینلز کا مقصد اسلام کی شبیہ کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔'' عبدالعزیز نے کہا ''اسلام کو سمجھنے کیلئے صرف اسلام کا مطالعہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بہترین نمائندگی کرنے والے اور حقیقی

Marfat.com

روح کو اجاگر کرنے والے افراد سے ملاقات کرنی چاہیے۔'' عبدالعزیز خود کو ایک خوش قسمت انسان تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلم دوستوں سے ان کی ملاقات ہوئی اور مملکت میں انہوں نے راستی اور رواداری کی تعلیم دینے والے مذہب کو قبول کرتے ہوئے اپنی زندگی کا سب سے بہترین سودا کیا ہے۔ انہوں نے اپنے تاثرات میں کہا ''مسلمان اور سعودی بہتر مہربان منکسر المزاج اور دوسروں سے تعاون کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔''

انہوں نے مزید کہا انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنے خاندان کے ساتھ ہیں اور کبھی بھی اجنبیت یا سعودیوں کی جانب سے غلط برتاؤ کا تجربہ نہیں کیا'' سعودی معاشرہ میں عبد العزیز کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہاں کا مذہب ہے جو لوگوں کو مذہب کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے میں مدد کرتا ہے'' انہوں نے کہا'' مجھے خوشی ہوگی اگر میں اپنے ساتھیوں کو مملکت میں لے آسکوں تاکہ جو تجربہ انہوں نے کیا ہے اور اسلام کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اس کا تجربہ وہ بھی کرسکیں۔'' عبدالعزیز نے اپنے ساتھی مسلمان تاجروں پر زور دیا کہ وہ غیر ملکی تاجروں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کیلئے کام کریں اور کہا کہ وہ اس عظیم مذہب کو دوسروں کی زندگیوں میں لانے کیلئے سنجیدہ اقدامات نہیں کرتے ہیں۔ انہوں نے کہ'' ہم بزنس میٹنگ کے دوران مندوبین کو اسلام پر کتابیں فراہم کرسکتے ہیں۔ جس سے اسلام کی حقیقی تصویر دوسروں تک پہنچانے میں مدد ملے گی۔''

استاد اور اسکالر عسام نے عبدالعزیز کے تاثرات کی ترجمانی کی اور کہا کہ اہم شخصیتیں مقبول افراد ایک خاص امیج پیش کرنے میں اپنے معاشروں میں اہم رول ادا کرتے ہیں، اور کامیاب افراد کا اپنے معاشرہ کے افراد کے درمیان ایک اعتبار ہوتا ہے۔ جیسا کہ انہیں اہم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کیلئے قبول اسلام کیلئے ایسے افراد کو منتخب کیا جائے تو وہ دوسروں کے اندر تجسس پیدا کرنے کا سبب بنیں گے۔ اس طرح لوگ اسلام کی طرف راغب ہوں گے اور جاننا چاہیں گے کہ اس مذہب کی مزید تعلیمات کیا ہیں۔ اس لئے اب عبدالعزیز کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنے اور جہنم کی آگ سے بچالے۔

سوئیزر لینڈ میں مسجد مخالف تحریک کا بانی مسلمان ہو گیا

سوئیزر لینڈ میں مسجد مخالف تحریک کا بانی مسلمان بن گیا۔سوئس ذرائع ابلاغ کے مطابق سوئزر لینڈ قومی پارٹی کے رکن دانیال ستریش نے اسلام قبول کرلیا ہے واضح رہے یہ وہی شخص ہے جس نے سوئزر لینڈ میں مسجدوں کو بند کرنے اور انکی تعمیر پر پابندی لگانے کے لئے سب سے پہلے آواز اٹھائی تھی۔دانیال کے قبول اسلام سے جہاں مسجدوں کے مخالفین غصہ میں ہیں وہیں ملک کے سیاست دان بھی ناراض ہیں۔ دی سوئس نامی اخبار کے مطابق، لوگوں کے ردعمل سے لاپرواہ دانیال کا کہنا ہے کہ انکی اسلام دشمنی ہی انکے قبول اسلام کا سبب بنی انھوں نے کہا ہے کہ انھوں نے جس قدر اسلام مخالف مہموں میں حصہ لیا انھیں اس پر ندامت ہے نیز دانیال نے یورپ کی سب سے خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔سوئیزر لینڈ کی ایک اسلامی تنظیم کے نمائندہ عبد المجید الدائی نے بتایا کہ دانیال اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن پڑھنا چاہتے ہیں۔

راوٗ لینڈ جارج ایلنسن ہیڈلے کا قبول اسلام

پورانام رائٹ آنریبل سر راوٗ لینڈ جارج ایلنسن ہیڈلے تھا۔ 1855ء میں اسلام لائے اسلامی نام فاروق رحمت اللہ رکھا گیا، اور 1928 کے قریب میں فوت ہوگئے ۔ان کی تصانیف میں سے ''اے وسٹرن اویکننگ ٹو اسلام'' بہت مشہور ہے۔ اسلام لانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''میں کسی کے کہنے پر مسلمان نہیں ہوا ، بلکہ یہ تبدیلی میرے طویل مطالعہ وفکر کا نتیجہ

تھی۔ میں نے میں نے زندگی کے متعلق کچھ اصول ونظریات قائم کئے تھے، جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق نکلے۔ اسلام اور عیسائیت دونوں ملتے جلتے مذہب ہیں، یہ ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں، انکے بنیادی اصول ایک ہیں اگر فرق ہے تو صرف فروع میں، میں ایسے ہزارہا افراد کو جانتا ہوں جو ذہنا مسلمان ہیں لیکن تنقید کے خوف سے اعلان نہیں کر سکتے۔''

ہملٹن کا قبول اسلام

سر چارلس ایڈورڈ آرچی بالڈ ہملٹن انگلستان سے تھا، فوج میں بھی رہا، 1926ء میں اسلام لایا، اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا، یہ لکھتا ہے کہ:

میرے لیے عیسائیت ایک چیستان تھی اور اسلام کی آواز گویا میرے ضمیر کی آواز تھی، عیسائیت انسان کو فطرتاً گنہگار سمجھتی ہے اور اسلام اسے معصوم قرار دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کا یہ فیصلہ زیادہ معقول ہے۔

الیگزینڈر رسل کا قبول اسلام

الیگزینڈر رسل ویب کولمبیا (امریکہ) کے ایک شہر ہڈسن کا رہنے والا تھا۔ 1846ء میں پیدا ہوا، بڑے ہوکر سیاست اور جرنلزم میں نام پایا، 1887ء میں اسلام لایا اور 1916ء میں فوت ہوگیا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے ایک بیان میں کہا:

''میں اس لئے مسلمان ہوا ہوں کہ اسلام ہی انسان کی روحانی ضرورت کو پورا کرسکتا ہے۔ میں بیس سال کی عمر میں کلیسا کے بے جان نظام سے متنفر ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مل، لاک، کانٹ، ہیگل، فشٹے اور اسی قسم کے دیگر علما وحکما سے ملا۔ ان لوگوں نے مجھے نباتی وحیوانی زندگی نیز ایٹم وغیرہ کے متعلق تو بہت کچھ بتایا لیکن یہ نہ سمجھا سکے کہ روح کیا ہے اور بعد از مرگ وہ کہاں چلی جاتی ہے؟ ان سوالات کا جواب اسلام نے فراہم کیا، میرا قبول اسلام فوری جذب کے تحت نہیں بلکہ مسلسل دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا نتیجہ تھا۔ اسلام کا ماحصل اللہ کی مشیت کے سامنے جھک جاتا ہے۔ عبادت اس کا سنگ بنیاد ہے، یہ

عالمگیر محبت، اخوت، مروت، نیز پاکیزگی قول وعمل کی تعلیم دیتا ہے، میرے خیال میں یہ دنیا کا بہترین اور عظیم ترین مذہب ہے۔''

لیمرٹمین

لیمرٹین ایک فرانسیسی مستشرق تھا (اس کی تاریخ ولادت وفات معلوم نہیں ہوسکی) جس نے اپنی کسی کتاب میں پیغمبر اسلام پر بھی کچھ لکھا تھا جس کا ترجمہ جنگ اخبار میں شائع ہوا، چند جملے یہ ہیں:

''پیروان اسلام نے صرف ایک صدی میں ایران، عراق، شام، فلسطین، مراکش، اسپین اور سندھ فتح کرلیا تھا، اگر نصب العین کی بلندی اور نتائج کی درخشندگی، کمال قیادت کا معیار بن سکتی ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں کسی اور رہنما کو قطعا پیش نہیں کیا جاسکتا، آپ ایک عظیم مفکر، بلند پایہ خطیب اور بینظیر مقنن تھے۔ آپ نے شہروں اور قلعوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دلوں کو بھی فتح کیا اور تقریبا بیس ممالک میں آسمانی بادشاہت قائم کی۔ ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو، جن سے انسانی عظمت کو ناپا جاسکتا ہے اور پھر اس سوال کا جواب دو کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا کوئی انسان ہوسکتا ہے؟''

ڈاکٹر لی آن کا قبول اسلام

ڈاکٹر لی آن، ایم اے، پی ایچ ڈی، ایل ایل بی، انگلستان کا ایک سائنس دان تھا اس نے 1886ء میں اسلام قبول کیا اور اسلامی نام ہارون مصطفیٰ رکھا گیا، اس نے ایک موقع پر کہا:

''اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد عقل پر رکھی گئی ہے۔ عقل انسانی دماغ کی ایک اہم قوت ہے، جسے کلیسا قطعا خاطر میں نہیں لاتا، لیکن اسلام کا حکم یہ ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے اسے عقل پہ پرکھو، اسلام اور صداقت مترادف الفاظ اور کوئی شخص عقل کی مدد کے بغیر صداقت تک نہیں پہنچ سکتا۔''

Marfat.com

ڈاکٹر بینائسٹ کا قبول اسلام

پیرس کا یہ ڈاکٹر (طبیب) 1953ء میں اسلام لایا، اس کا اسلامی نام علی سلمان رکھا گیا۔ اس نے قبول اسلام کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''میں پیرس کی ایک کیتھولک فیملی سے تعلق رکھتا ہوں، تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں خدا اور عیسائیت ہر دو سے منکر ہو گیا تھا، کیونکہ عیسائیت اور خصوصاً کیتھولزم کے اصول عقل کی رسائی سے باہر تھے، عیسیٰ اور خدا کو باپ، بیٹا اور روح القدس کا مجموعہ تسلیم کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس میں بعض ایسے سائنسی حقائق پائے جنہیں ماڈرن سائنس نے آج دریافت کیا ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔''

ڈاکٹر جز مینس کا قبول اسلام

ڈاکٹر جز مینس، بوداپسٹ (ہنگری) یونیورسٹی میں پروفیسر تھا، دوسری جنگ سے ذرا پہلے ہندوستان بھی آیا اور کچھ عرصہ ٹیگور کی درسگاہ شانتی نکتین میں رہا۔ پھر دہلی کی جامعہ ملیہ میں چلا گیا اور وہیں مشرف بہ اسلام ہوا اس کا اسلامی نام عبدالکریم تھا۔ اس نے ہنگری زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ 1960 میں زندہ تھا۔ اس نے اپنے ایک خواب کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

ایک رات رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے خواب میں آئے اور فرمایا کہ بے جھجک قدم اٹھاؤ، صراط مستقیم تمہارے سامنے ہے۔ پھر یہ فصیح و بلیغ آیت تلاوت فرمائی:

الم نجعل الارض مهادا و الجبال اوتادا و خلقناكم ازواجا و جعلنا نومكم سباتا و جعلنا الليل لباسا و جعلنا النهار معاشا

''کیا ہم نے زمین کو بستر اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا؟ کیا ہم نے تمہیں مرد و زن کی صورت میں پیدا نہیں کیا؟ کیا ہم نے نیند کو سکون اور رات کو پردہ پوش اور دن کو کسب معاش کے لئے موزوں نہیں بنایا؟''

اس خواب کے بعد مجھ پر اسلام کی صداقت آشکارا ہوگئی میں جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں پہنچا اور وہاں اعلان اسلام کر دیا، اس پر ہر طرف سے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ کئی ہزار انسانوں نے اٹھ کر مجھ سے معانقہ کیا، نیز میرے ہاتھ چومے، میں اخوت ومحبت کے اس منظر سے بے حد متاثر ہوا اور میری روح سے مسرت کی اتنی بڑی لہر اٹھی جس کی لرزشیں زندگی بھر باقی رہیں گی۔

ڈاکٹر مارقس کا قبول اسلام

ڈاکٹر مارقس ایک جرمن صحافی تھا، اسلام لانے کے بعد حامد مارقس کہلانے لگا، لکھتا ہے کہ:

''اولا میں اس اخلاقی و روحانی انقلاب سے متاثر ہوا، جو اسلام نے پیدا کیا تھا، ثانیا اس حقیقت سے کہ اسلامی تعلیمات سائنس کی جدید تحقیقات سے متصادم نہیں۔ ثالثا اس بات سے کہ اسلام ایک فرد کو آزادی سے محروم نہیں کرتا بلکہ آزادی کی جائز حدود متعین کرتا ہے، رابعا یہ وسعت ظرف ونظر کی تعلیم دیتا ہے اور صداقت کو جس ماخذ سے بھی ملے، لے لیتا ہے۔''

ولیم برشل بشیر کا قبول اسلام

کیمبرج سے بی اے اور لندن یونیورسٹی سے ایل ڈی کی ڈگری لینے کے بعد فوج میں بھرتی ہوگیا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں جرمنوں کے خلاف لڑا، زخمی ہوگیا اور جرمنوں نے اسے سوئٹزرلینڈ کے ایک ہسپتال میں بھیج دیا، جب یہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو ایک دن اس نے بازار سے قرآن پاک کا ایک فرانسیسی ترجمہ خریدا اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد۔ اعلان کیا کہ:

''مجھے قرآن کے مطالعہ سے بے اندازہ روحانی مسرت ہوئی ہے میں یوں محسوس کر رہا ہوں گویا لافانی صداقت کا آفتاب مجھ پر تجلیاں برسا رہا ہے، مجھے یقین ہوگیا کہ بہترین لباس اسلام ہے، بہترین کلام ثنائے ایزدی اور بہترین رشتہ خدا سے محبت ہے۔''

Marfat.com

کرنل ڈانلڈ راک ویل کا قبول اسلام

امریکہ کا یہ شاعر، نقاد اور مصنف لکھتا ہے کہ:

''میں اسلام کی سادگی، مساجد کی مقدس فضا اور پانچ وقت کی عبادت سے بہت متاثر ہوا ہوں، اسلام میں کچھ اور خوبیاں بھی ہیں، مثلاً الف: یہ پہلے انبیا وصحاف کا مداح ہے۔ ب: اس نے خواتین کو حق جائیداد دیا۔ ج: انسان کو افراط وتفریط سے بچایا۔ د: شراب، قمار اور سود سے روکا۔ ہ: صحیح جمہوریت کا سبق دیا۔ و: غریب کو امیر کا ہم مرتبہ بنایا، رنگ اور نسل کے امتیازات ختم کیے۔ ز: تمام مابینی واسطے ہٹا کر انسان کا تعلق براہ راست خدا سے قائم کیا۔''

زجرسکی، اسماعیل کا قبول اسلام

پولینڈ کا یہ سماجی کارکن 1900 میں پیدا ہوا۔ اس کا والد رسما عیسائی تھا اور عملاً ملحد۔ دوسری جنگ کی تباہ کاریاں دیکھ کر اسے خیال آیا کہ زندگی کا مقصد پیٹ بھرنا نہیں کچھ اور بھی ہے۔ جب انسان مقصدِ اعلیٰ ترک کر دیتا ہے تو خدا اسے راہ راست پہ لانے کے لئے سزائیں دیتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی یہ سچے مذہب کی تلاش میں نکل پڑا اور اسلام پر ایک پمفلٹ پڑھنے کے بعد 1949ء میں مسلمان ہوگیا۔ اس کے تاثرات یہ ہیں:

''اسلام ہی زندگی کے اصل مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ یہ وہ شاہراہ ہے جو آسمانی بادشاہت تک پہنچاتی ہے میں اسلام کے بعض احکام خصوصاً زکوٰۃ، میراث، امتناع سود، حج اور محدود تعدد ازواج سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اسلام سرمایہ داری اور کمیونزم کے مابین ایک راہ اعتدال ہے رنگ ونسل کے امتیازات سے ماورا۔''

بیٹرس بے۔ عبداللہ

برطانوی فوج کا یہ میجر پہلی جنگ سے کچھ پہلے برما میں متعین تھا اس کا تعلق ملٹری پولیس سے تھا۔ یہ لکھتا ہے کہ:

''مجھے ہر روز ایک کشتی کے ذریعے اِدھر اُدھر جانا پڑتا۔ ملاح کا نام شیخ علی تھا، چٹا گاں کا رہنے والا نہایت صاف ستھرا رہتا تھا اور دن میں کئی بار قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرتا تھا میں اس کی پارسایانہ زندگی کو دیکھ کر اسلام کے متعلق سوچنے لگا اور رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس مذہب نے ایک ناخواندہ ملاح کو اس قدر متقی، دیانتدار، سچا اور مہذب بنایا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ یہ یقین پچیس برس تک ایک راز بن کر میرے سینے میں نہاں رہا، لیکن جب یہ ظہور کے لیے بے تاب ہوگیا تو میں 1938ء میں یروشلم کی ایک مسجد میں چلا گیا اور اسلام کا اعلان کر دیا۔ میں ہر روز ہر نماز کے بعد، اس ملاح کو دعائیں دیتا ہوں جس کے پاکیزہ عمل نے مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا تھا۔ برما میں مجھے بدھ راہبوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن میں اس سے اسی لئے متاثر نہ ہوا کہ ان میں زندگی سے فرار کا پہلو بہت نمایاں تھا اور فعالیت مفقود۔''

جان ایف سی لی

ملایا کا یہ عیسائی کیمبرج سے فارغ التحصیل ہے۔ 1964ء میں اسلام لانے کے بعد اس نے ایک اخباری بیان میں کہا:

''میں اس لئے اسلام لایا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات حکمت و دانش پہ مبنی ہیں۔ یہ مساوات کا قائل اور بددیانتی و بے انصافی کا دشمن ہے۔ یہ ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا گال پیش نہیں کرتا بلکہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ مانگتا ہے۔''

ایچ ایف فیلوز

برطانوی بحریہ کا یہ افسر، جو دونوں لڑائیوں میں جرمنوں کے خلاف لڑتا رہا ایک بیان میں کہتا ہے کہ'' دورانِ ملازمت مجھے بحریہ کی ایک کتاب ہدایات مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں تمام مباحات و ممنوعات کی تفصیل درج تھی۔ جزا و سزا کا ذکر، برطانیہ کی بحری طاقت اس لئے عظیم ہے کہ اس کے ملاح، سپاہی اور افسر کتاب ہدایات کے پابند ہیں۔

Marfat.com

قرآن ویسی ہی ایک کتاب ہدایات زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ اس کا مقصد نوع انسان کو خلیل وجمیل بنانا ہے۔ یہ آسمانی مذاہب کا آخری مکمل ایڈیشن ہے۔''

جے ڈبلیو لوگراف

یہ انگلستان سے تعلق رکھتا ہے اسلام کے متعلق کہتا ہے کہ:

''قرآن وہ واحد کتاب ہے۔ جس الہامی ہونے پر بے شمار تاریخی دلائل موجود ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ واحد رسول ہیں جن کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں۔ اسلام ایک ایسا فطری اور سادہ سا مذہب ہے جو اوہام وخرافات سے پاک ہے، قرآن نے اس مذہب کی تفصیل پیش کی اور رسول ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا، قول وعمل کا یہ حسین امتزج کہیں اور نظر نہیں آتا۔''

ٹی ایچ میکبارکل

آئرلینڈ کا یہ نومسلم کہتا ہے کہ:

''گو میری ولادت ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی تھی۔ لیکن میں جوانی ہی میں عیسائیت کی پیچیدہ تعلیمات سے برگشتہ ہو گیا تھا، جب میں اسکول سے نکل کر یونیورسٹی میں پہنچا تو اپنے لئے ایک مذہب اختراع کیا۔ ایک دن ایک چھوٹی سی کتاب ''اسلام اینڈ سویلیزیشن'' میرے ہاتھ لگ گئی۔ اسے پڑھا تو احساس ہوا کہ مجھے صرف اسلام ہی مطمئن کر سکتا ہے۔ یہ مذہب اتنا وسیع ہے جتنی انسانیت، یہ امیر وغریب، سیاہ وسفید، شرقی و غربی سب کا مذہب ہے اور تمام امتیازات سے بالاتر۔''

☆☆☆☆☆

Marfat.com

دنیا میں ہر چوتھا شخص مسلمان

اہم شخصیات اسلام قبول کر رہی ہیں

اس وقت دنیا میں ہر چوتھا شخص مسلمان ہے جب کہ دنیا بھر کی اہم شخصیات اپنا پرانا مذہب ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں۔ حال ہی میں سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کی سالی نورین بوتھ اسلام قبول کرنے کی پہلی مثال نہیں ہیں بلکہ لورین سے پہلے بھی متعدد نامور شخصیات اسلام قبول کر چکی ہیں۔ عالمی شہرت یافتہ قازقستان کے صدر نور سلطان نذر بائیوف اور گبون کے صدر عمر بونگھ نے بھی اپنا پرانا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا، ان دونوں صدور کی جانب سے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے وہاں اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور لوگ اسلام کو ترجیحی بنیادوں پر سمجھ رہے ہیں۔

ارجنٹائن کے سابق صدر کارلوس مینم کی پرورش بطور مسلمان ہوئی تاہم وہ اپنے سیاسی مقصد کی وجہ سے مسیحی بن گئے اسی طرح بینن کے صدر میتھیو بھی اپنے سیاسی مسائل کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کے بعد منحرف ہو گئے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی دیگر عالمی شخصیات میں ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپئن محمد علی کلے، مائیک ٹائی سن مالک عبدالعزیز، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی دوسری اہلیہ رتن پٹیٹ شامل ہیں، رتن پٹیٹ نے زرتش مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا۔

پاکستانی عیسائی کرکٹر یوسف یوحانہ نے بھی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام محمد یوسف رکھا جبکہ 2005 میں طالبان کی قید سے رہائی پانے والی برطانوی خاتون صحافی

Marfat.com

ایوان رڈلے نے بھی اپنا پرانا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلامی نام مریم ہے۔

معروف شاعر فیض احمد فیض کی اہلیہ ایلس فیض، پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان عمران خان کی اہلیہ جمائما خان، بھارتی فلم اسٹار سیف علی خان اور سوہا علی خان کی والدہ شرمیلا ٹیگور بھی بھارتی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان نواب منصور علی خان سے شادی کے بعد مسلمان ہوئیں۔

بھارت کی فلم اسٹار دیویا بھارتی نے اسلام قبول کر کے ثنا کے اسلامی نام سے پروڈیوسر ساجد سے شادی کر لی، معروف بھارتی گلوکار کشور کمار بھی بالی ووڈ کی اسٹار مدھو بالا سے شادی کے بعد مسلمان ہوئے اور ان کا نام عبدالکریم تھا جبکہ مدھو بالا مسلمان تھیں اور ان کا نام ممتاز بیگم دہلوی تھا۔

آسکر ایوارڈ یافتہ نامور بھارتی موسیقار اے آر رحمٰن بھی 1989 میں ہندو مت ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے جبکہ ان کی والدہ کا تعلق مسلمان گھرانے سے تھا۔

سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر آج کل اسلام کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اسلام امن پسند اور محبت سے بھرا ہوا مذہب ہے جبکہ انہیں مطالعہ سے اسلام کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہو رہی ہے۔

ایک سروے کے مطابق یورپ کے بعض ممالک جرمنی، فرانس، امریکہ، یورپ اور روس سمیت کئی ممالک میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور لوگ بڑی تعداد میں اپنا پرانا مذہب ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

یہودی لڑکیاں عربوں سے شادی نہ کریں۔ اسرائیلی تنظیم کا انتباہ

اسرائیل میں شدت پسند یہودی مذہبی تنظیمیں فلسطینیوں اور عربوں کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں شرمناک نوعیت کی پروپیگنڈہ مہم جاری رکھتی ہیں۔ ان دنوں بیت المقدس میں شدت پسند تنظیم ''لھافا'' نے ایک تازہ مہم شروع کی ہے جس میں یہودی والدین کو اپنے بیٹیوں کی عربوں کے ساتھ شادیوں کے ''سنگین نتائج'' کی آگاہی کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ انتہا پسند تنظیم ''لھافا'' نے بیت المقدس کی شاہراں پر ایک پوسٹر بڑی تعداد میں چسپاں کرنا شروع کیا ہے۔ اشتہار میں ایک ییشال نامی یہودی لڑکی کی محمد نامی ایک عرب شہری کے ساتھ محبت اور بعد ازاں شادی کی جعلی کہانی شائع کرتے ہوئے یہودی والدین کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں اتنے بے فکر نہ رہیں، کہ مبادی ان کی بیٹی بھی کسی عرب کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کے ساتھ شادی نہ کر لے۔ یہودی شدت پسند گروپ ''لھافا'' سخت گیر یہودی تعلیمات کا قائل ہے جو مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں عربوں اور یہودیوں کے مخلوط انداز میں چلنے پھرنے کا بھی مخالف ہے۔ اسرائیل کے سیکولر حلقوں کی جانب سے ''لھافا'' کے تازہ اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے اسے ''نسل پرستی'' کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ اسرائیل کی ایک سیکولر تنظیم کے ترجمان کے مطابق ''لہافا'' کا اشتہار مہذب اسرائیلی قوم کی توہین ہے۔ بیت المقدس میں لگائے گئے اس اشتہار میں ایک یہودی لڑکی ییشال اور مسلمان شہری محمد کے ساتھ شادی کا

Marfat.com

کارڈ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس فرضی کارڈ کے بعد یہودی والدین سے کہا گیا ہے کہ ''متوجہ رہیے! آپ کی بیٹی بھی کل کو کسی دوسرے محمد'' (فلسطینی عرب) کے ساتھ شادی کر سکتی ہے۔ نیز جو یہودی والدین اپنی بچیوں کو عربوں کے ساتھ شادیوں سے منع نہیں کرتے وہ غیر یہودیوں کے خادم تصور کیے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بھارتی جیل سے ایک نومسلم قیدی کی داستان قبول اسلام

یہ خط ایک ایسے غیر مسلم قیدی کا ہے جو جیل سے لکھا گیا ہے۔ ہندوستان کے جیلوں میں بند مسلم وغیر مسلم قیدیوں کو بڑی تعداد میں ہمارا اخبار بھیجا جاتا ہے اورہمیں ان کے تاثرات بھی موصول ہوتے رہتے ہیں۔ کاش امت مسلمہ اس کام کی اہمیت وضرورت اوراسکی حکمت کوسمجھتی اوراس کے لیے اپنی زندگی اور وسائل کو وقف کر دیتی۔

اورنگ آباد جیل سے پون کمار کیوٹ کی طرف سے آپ کی خدمت میں تسلیمات!

ایڈیٹر صاحب! آپکا اخبار اس جیل میں شاہد انصاری بھائی کے پاس آتا ہے،اللہ کے کرم سے مجھے پڑھنے کے لیے شاہد بھائی بھیج دیتے ہیں۔ یہ رسالہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے ۔لوگوں کو دین دنیا کی سچائی کی پہچان کرانے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔اس لیے میں اپنی سچی کہانی لکھ کر بھیج رہا ہوں تاکہ جولوگ سچ جاننے کی کوشش میں لگے ہیں انہیں سچائی کی پہچان ہو سکے۔

میرا نام پون کمار کیوٹ ہے، میں یوپی میں مہارراج گنج ضلع کا رہنے والا ہوں، میری پیدائش ایک کیوٹ خاندان کے ہندودھرم میں ہوئی ہے۔ میں اپنی کہانی جیل سے شروع کرر ہاہوں، میں اپنے دھرم کا کٹر تھا، ہندودھرم کے حساب سے ہر دیوی دیوتا کو بھگوان کے روپ میں مانتا تھالیکن سب سے زیادہ بجرنگ بلی کی پوجا کرتا تھا۔ ہر منگل کو اپواس (روزہ) بھی رکھتا تھا۔ مسلمانوں کے رویے کی وجہ سے مجھے اسلام اور مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ اسکے پہلے میں ہندو یوواواہنی کاممبر بھی تھا۔

2005 میں جیل میں آیا، میرے اوپر ڈکیتی کے کئی کیس تھے۔ایک دن جیل میں اپنے

Marfat.com

دوست وجے کے ساتھ گھوم رہا تھا کہ دیکھا سبھی مسلمان قیدی اکٹھے ہو رہے ہیں، پتہ لگانے پر معلوم ہوا کہ آج ان کی عید کا دن ہے، دل نے کہا تم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ، پھر اپنے دل کی بات اپنے دوست وجے سے بتادی۔ وہ بھی تیار ہو گیا، ہم دونوں وہاں گئے، ان میں سے ایک مسلمان جس کا نام نواب تھا اس سے ہم نے نماز میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کہا: کیوں نہیں ضرور شریک ہو سکتے ہو۔ میں نے کہا: مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔ انہوں نے کہا: پڑھا تو بہت کچھ جاتا ہے، لیکن آپ لوگ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اس کا مطلب بھی بتایا جو اچھا لگا۔ اس طرح ہم ان کے ساتھ شریک ہو گئے، ایک مولانا تقریر کرنے کے لیے آئے تھے، ان کی باتیں سن کر کچھ مسلمان رو بھی رہے تھے۔ ان کی باتیں مجھے بہت اچھی لگ رہی تھیں، اس سے پہلے میں نے ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔

نماز کے بعد سب لوگ شیر خرمہ پینے لگے، ایک کٹوری میں تین تین لوگ جھوٹا کر کے کھاتے تھے، مجھے تھوڑی دیر کے لیے یہ منظر اچھا نہیں لگا پھر دل میں خیال آیا کہ ان میں کتنی محبت ہے کہ اونچ نیچ اور چھوت چھات نہیں دیکھتے چنانچہ میں نے بھی شیر خرمہ پی لیا۔

نواب بھائی سے میں نے سوال کیا کہ مسلمان کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: مسلمان ایک ہی طرح کا ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانتا ہے۔

اب میں زیادہ تر نواب بھائی کے ساتھ گھومتا تھا۔ نواب بھائی نماز پڑھتے تو میں ان کے پاس بیٹھا رہتا تھا اور قرآن پڑھتے تو میں بھی سنتا تھا۔ مجھے نماز اور قرآن پڑھنے کا یہ منظر بڑا اچھا لگتا تھا۔

قریب ایک مہینہ تک میں اسلام سے متعلق جانکاری لیتا رہا۔ ایک دن میں نے نواب بھائی سے کہا: مجھے مسلمان بننا ہے، یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے، میں نے کہا: میرا ختنہ کرا دو، تو بولے: ختنہ کرانے سے کوئی مسلمان نہیں بنتا ہے۔ بلکہ سچے دل سے گواہی دینے سے مسلمان بنتا ہے کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

Marfat.com

نواب بھائی نے مجھے نہلایا پھر کلمہ پڑھا دیا اور میرا نام محمد عمر رکھا اور کہا تمہاری کہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتی جلتی ہے۔ اس لیے تمہارا نام عمر مناسب ہے۔ اسلام قبول کرنے کا وہ دن میری زندگی میں بہت اہم دن ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اسلام کی گرانقدر دولت سے نوازا ہے۔ 2006 میں پھر اورنگ آباد جیل میں آ گیا ۔ اللہ کے کرم سے یہاں نماز پانچوں وقت کی ہوتی تھی۔ میں نے الحمدللہ یہاں پر تین بار قرآن معنی کے ساتھ پڑھا۔ قرآن کے مطالعہ سے مجھے بہت ساری معلومات ہوئیں، بہت ساری سچائیوں کی جانکاری ملی ۔ تاہم اس وقت تک میں داعی نہیں تھا۔ اسلام پر عمل کرتا اور بس۔ لیکن اس وقت میری زندگی میں اہم موڑ آیا جب میں نے محمد صل اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پڑھی، مجھے بہت رونا آیا کہ انھوں نے اسلام پھیلانے کے لیے کتنی تکلیفیں سہیں تب جا کر اسلام پوری دنیا میں پھیلا۔ بالآخر اللہ تعالی اس گنہگار بندے سے بھی اپنے دین کا کام لینے لگا۔ میں نے جیل میں اسلام کی دعوت کھلے عام دینا شروع کر دیا۔ میرا مقصد اتنا تھا کہ میں اپنے رب کا دین لوگوں تک پہنچا دوں۔ ایک دن میں پانچ پانچ چھ چھ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا، پھر شام تک ان سے جواب مانگتا۔ جب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا تو میں اسے صرف اتنا کہتا کہ گواہ رہنا: میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہونچا دیا۔

رفتہ رفتہ میری باتوں کا لوگوں پر اثر ہونے لگا۔ لوگ ایمان لانے لگے، لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے موقع اور وقت مانگتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اسلام قبول کرنا کوئی کھیل نہیں ہے چنانچہ میں ٹائم دینے لگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ 21 لوگوں نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا (تازہ رپورٹ کے مطابق مزید 2 کا اضافہ ہوا ہے)۔ ان 21 لوگوں میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو میرے قبولِ اسلام کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ جب کوئی مجھ سے اسلام کے تعلق سے سوال کرتا ہے تو میں اسے یہی کہتا ہوں کہ اگر تم سچے ہندو ہو تو کم سے کم اپنے دھرم کے ویدوں اور پرانوں کی باتوں کو تو مانو جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ (ایشور) ایک ہے، صرف وہی پوجا کے لائق ہے۔ اسلام دھرم ہمارا بھی دھرم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھی رہبر ہیں۔

Marfat.com

آج بھی میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، لیکن یہاں ایسا ماحول ہو گیا ہے کہ اگر کوئی ہندو میرے ساتھ بیٹھتا یا بات کرتا ہے تو متعصب قسم کے لوگ اس کے ذہن میں طرح طرح کے وساوس ڈالتے ہیں پون کے پاس مت بیٹھو ورنہ وہ تمہیں مسلمان بنا دے گا۔ یہاں تک کی اسلام کی کتابیں بھی پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر پون کے ساتھ دس دن رہا تو ضرور اسلام قبول کر لیگا، متعدد بار ایسا ہوا کہ ان کے منع کرنے کے باوجود بھی کئی لوگ میرے پاس بیٹھتے رہے اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

اسلام سچا دھرم ہے، اس لیے میں اسکے بارے میں بتانے سے کسی سے نہیں ڈرتا اگر میرے دل میں آیا کہ فلاں آدمی کو اسلام کی دعوت دینا ہے تو میں اسے اچھے اخلاق کے ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ میں نے اپنے گھر والوں کو بھی خط کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی ہے۔ میرے گھر والوں کو سمجھ میں آیا ہے۔ میری امی کہتی ہے: تیرے آنے کے بعد ہم سوچیں گے۔ امید ہے کہ میرے گھر والے اسلام قبول کر لیں گے۔اللہ انہیں ہدایت دے۔ (آمین)

میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کی اسلام کوئی نیا دھرم، یا صرف مسلمانوں کا دھرم نہیں ہے۔ بلکہ اسلام ہی سناتن دھرم ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کے پیغمبر نہیں ہیں بلکہ ہر ہندو کے رہنما اور پیغمبر ہیں اس بات کی تصدیق ویدوں اور پرانوں نے کیا ہے۔ اگر میری بات جھوٹ لگ رہی ہو تو ڈاکٹر ایم اے شری واستو کی کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بھارتیہ دھرم گرنتھ پڑھ سکتے ہیں سچائی خود بخود ہر ہندو کے سامنے آجائے گی۔

مجھے اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے زیادہ مسلمانوں سے تکلیف پہونچی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں کو غیروں سے تکلیف پہونچتی تھی لیکن آج مسلمانوں سے تکلیف ہو رہی ہے۔ خیر مجھے صبر اس بات سے ہے کہ جن مسلمانوں سے تکلیف ہو رہی ہے انہیں اسلام کے بارے میں علم نہیں ہے۔ قرآن میں کیا لکھا گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا ہے؟

یہ بھی انہیں پتہ نہیں ہے۔ اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ایسے مسلمان بہت کم ملے ہیں۔ زیادہ تر سچے مسلمان ہی ملتے ہیں۔ انہیں مجھ سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ میری ہر

Marfat.com

مسلمان سے گذارش ہے کہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔قرآن کو ترجمہ وتشریح کے ساتھ سمجھ کر پڑھیں۔اور نبی صلی اللہ علیہ سلم کی حدیثوں کا بھی مطالعہ کریں، غیر مسلموں اور نومسلموں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں، نومسلموں کی مدد کریں۔انہیں پناہ دیں انہیں اپنا بھائی سمجھیں اور اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچائیں

میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اللہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے ۔(آمین)

اللہ حافظ

پون کمار کیوٹ عرف محمد عمر

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسلمانوں کی محبت نے مجھے مسلمان کر دیا۔

ایک ہندو خاتون کی داستان

میرا نام سونیا جین تھا، چاندنی چوک دہلی میں جین مت کے ایک مذہبی گھرانے میں جون   کو میں پیدا ہوئی۔ میری ماں مومنہ خاتون (سابقہ نرملا جین) کا قبول اسلام کے بعد دو سال قبل انتقال ہوا۔ (اللہ تعالی اپنے سایہ رحمت میں ان کو جگہ دے۔ آمین) جب کہ میرے والد پون کمار جین میرے بچپن ہی میں چل بسے تھے۔ میری بہن انورادھا جین جو فی الحال گجرات میں اپنے بال بچوں کے ساتھ مقیم ہیں، ان پر بھی اسلام کی سچائی واضح ہو چکی ہے۔ اس کا وہ بار بار اظہار کر چکی ہیں، لیکن اپنے شوہر کی وجہ سے پس و پیش میں ہیں۔ اللہ تعالی انہیں جلد ہی ہدایت کی توفیق دے۔ آمین ہم سب ان کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ میرا ایک بھائی بھی ہے جس کا نام پہلے پارول کمار گپتا تھا، اب مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد محمد عمران ہے۔ میں نے چاندنی چوک کے جین اسکول میں بارہویں پاس کی۔ اس کے بعد تعلیم ترک کردی، البتہ گھر پر رہ کر کچھ کچھ پڑھ لیا کرتی تھی۔ میں اپنی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ جین مندر بھی جایا کرتی تھی، جہاں ہم سب پاٹھ میں شرکت کرتے، پوجا کرتے، پری کرما کرتے، (پھیرے لگاتے)۔

ہمارا ماحول اس وقت پورا جینی تھا۔ کسی دوسرے ماحول کی ذرا بھی جانکاری نہیں تھی، جین مندروں میں جب ہمارے رشتہ دار بالکل ننگے سادھوں کے چرنوں کو چھوتے تو میں ہمیشہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی۔ میری نگاہیں شرم کے مارے زمین میں گڑ جایا کرتی

Marfat.com

تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کرتا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے رشتے دار ایسا کرتے تھے اور ہم دیکھتے آرہے تھے، اس لیے میں چپ سادھ لیتی۔

اسی طرح زندگی کے دن گزرتے رہے حتی کہ میں جوان ہوگئی۔ میری ماں ان دنوں ایک کمپیوٹر ڈیزائننگ اینڈ پروسیسنگ کمپنی میں کام کرتی تھیں۔ اس کمپنی کے پروپرائٹر محترم عشرت صاحب تھے، جواب میرے رفیق حیات ہیں۔ عشرت صاحب کا رویہ اپنے اسٹاف کے ساتھ مساویانہ تھا۔ وہ سارے اسٹاف کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر لنچ کیا کرتے تھے، جہاں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہوتے تھے۔ ان میں شاکاہاری (سبزی خور) بھی تھے اور مانساہاری (گوشت خور) بھی۔ ہم لوگ شدھ شاکاہاری (خالص سبزی خور) تھے، لیکن میری ماں نے سب کے ساتھ کھانے پر کمپرومائز کرلیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں ایک آسامی نکلی تو میری ماں نے مناسب سمجھا کہ میں بھی ان کے ساتھ کام کروں۔ یہ جنوری کی بات ہے، جب میں پہلے روز وہاں کام کرنے آئی تو میری ماں اس بات پر کافی پریشان تھیں کہ میں کس طرح سب کے ساتھ مل کر لنچ کروں گی ؟ جبکہ وہاں دوسرے اسٹاف مانساہاری (گوشت خور) بھی ہیں، اس لیے انہوں نے سب سے پہلے عشرت صاحب سے بات کی کہ میں تو آپ لوگوں کے ساتھ مل کر کھالیتی ہوں ،لیکن میری بیٹی سونیا جین بڑی مذہبی ہے اور شدھ شاکاہاری (خالص سبزی خور) ہے، وہ ہمارے ساتھ کھانا کھانے کے لیے رضامند نہیں ہے، اس لیے وہ الگ تھلگ کھالیا کرے گی۔ عشرت صاحب نے ان کی بات سن کر مجھے آفس میں طلب کیا اور پوچھا:

آپ کو گوشت یوں ہی ناپسند ہے یا آپ کے نزدیک یہ پاپ ہے؟

یہ تو بہت بڑا پاپ ہے۔ میں نے اپنے علم کے مطابق جواب دیا، جو میں اپنے پرکھوں سے سنتی آئی تھی۔

اگر یہ پاپ دنیا سے ختم ہو جائے اور سارے ہی لوگ سبزی کھانے لگیں تو کیسا رہے گا ؟۔ عشرت صاحب نے پوچھا یہ تو بہت اچھا رہے گا۔ میں نے جواب دیا: انہوں نے کہا: اچھا یہ بتا کہ اس وقت آلو کا کیا بھا ہے؟ میں نے کہا: یہی کوئی چار پانچ روپے کلو۔ انہوں نے کہا: اگر سب لوگ گوشت خوری ترک کردیں اور ساگ سبزی کھانے لگیں تو آلو

Marfat.com

سو روپے کلو ہو جائے گا، کیوں کہ کئی فیصد لوگ مانساہاری (گوشت خور) ہیں، پھر بتایئے کہ سب کے جیون (زندگی) کی گاڑی کیسے چلے گی اور لوگ کس طرح سے اپنا پالن پوسن (گزر بسر) کریں گے؟

ان کی بات سن کر میری عقل کی پرتیں کھل گئیں اور میری سمجھ میں آ گیا کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔ یہی میرا ٹرننگ پوائنٹ تھا جب میں نے عقیدت سے نہیں عقل سے سوچا۔ میں نے اسی دم سب کے ساتھ مل کر کھانے کے لیے حامی بھر لی اور اتنا ہی نہیں، بلکہ جب کھانے پر بیٹھی تو عشرت صاحب کے ٹفن میں سے مرغ کی ٹانگ بھی حلق سے اتر گئی۔

عشرت صاحب اس کے بعد وقتاً فوقتاً مجھے اسلام کے بارے میں بتاتے رہے اور میں ان کی باتوں کو بڑے غور سے سنتی اور اپنی عقل کا استعمال کرتی تو عقل بھی انہیں کی باتوں کی تصدیق کرتی۔ دھیرے دھیرے اسلام کے لیے میری دلچسپی میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دن عشرت صاحب نے دنیا کے نقشے کو سامنے رکھ کر بتایا کہ مکہ دنیا کا مرکز ہے، جہاں سے اسلام کی روشنی برابر دنیا کے کونے کونے میں پہنچتی ہے، جس طرح کمرے کے سنٹر میں بلب روشن ہو تو اس کی روشنی کمرے کے ہر جانب برابر جاتی ہے، اس کے برعکس جین دھرم صرف ہندوستان میں محصور ہے اور اس کا پھیلا ممکن نہیں۔ یہ بات میرے دل کو چھو گئی۔ پھر میرا ضمیر دن بہ دن مجھے کچوکے لگانے لگا کہ میں غلطی پر ہوں اور اسلام ہی اصل سچائی ہے۔
جب بھی عشرت صاحب مجھے کوئی بات بتاتے تو وہ اس سلسلہ میں عقلی اور منطقی استدلال کرتے اور یہی وہ بات تھی، جس کے آگے مجھے ڈھیر ہونا پڑا۔ دوسری بات یہ تھی کہ خود عشرت صاحب کا رویہ اپنے اسٹاف کے ساتھ بڑا نرم تھا۔ وہ سب کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھتے اور ہر ایک کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے۔ ان کا اخلاق بڑا کریمانہ تھا۔ انہوں نے جین دھرم میں مہاویر سوامی کی پرتیما (مورتی) کی جو تشریح کی میں اس سے بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ان کا خود کا پہناوا ننگ (عریانیت) تھا اور وہ دوسرے لوگوں کو کپڑے پہننے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ یہ قول وعمل کا تضاد میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ان سب وجوہات کی بنا پر میرا دل اسلام کی طرف مائل ہونے لگا۔

مارچ میری زندگی کا وہ مبارک دن تھا، جب میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ عشرت صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ کو آفس بند کر کے سورۂ کہف کی تلاوت کرتے تھے۔ میرے اندر تجسس ابھرا کہ وہ اتنے اہتمام سے کیا پڑھتے ہیں؟ جب میں نے ان کو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے سنا تو میرے دل کی اندرونی کیفیت کچھ عجیب سی ہوگئی۔ ایک طرح کی بیداری پیدا ہوگئی۔ پھر عشرت صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم آگ کا ایندھن بننے سے کب بچوگی؟ میں نے از خود رفتگی میں کہا کہ بہت جلد انہوں نے کہا کہ کیا خبر، یہ سانس جو تم لے رہی ہو، آخری ہو؟ پھر اچانک میں بڑے جوش میں بولی کہ ابھی اور اسی وقت! پھر عشرت صاحب نے مجھے کلمہ پڑھایا اور میں مسلمان ہوگئی۔ میں نے اسی دم یہ دعا کی اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے آگ سے بچایا ہے، اسی طرح میری ماں اور میرے بھائی کو بھی بچالے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ دعا بھی قبول ہوگئی۔ شروع میں تو میری ماں اور بھائی دونوں نے میری مخالفت کی۔ میرا بھائی تو عشرت صاحب کا جانی دشمن ہوگیا، لیکن جب میں نے ان کو خود اسلام کے بارے میں کچھ معلومات دیں اور بتایا کہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے، پھر ان کے سامنے نماز وغیرہ پڑھنے لگی تو وہ بہت متاثر ہوئے اور دونوں نے ہی اللہ کے فضل سے اسلام قبول کرلیا۔

میری ماں نے میری شادی عشرت صاحب سے کردی، جن کی بیوی کا کینسر کے مرض میں شادی کے تین چار سال بعد انتقال ہوگیا تھا۔ ان کے تین بچے تھے۔ ان بچوں سے مجھے جو پیار ملا اور کہیں نہیں ملا۔ میرا ان سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ میں اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کرتی ہوں کم ہے۔ میری ابھی ایک بچی ہے، جس کا نام ناز ہے اور میں اسے اسلام کی اشاعت کے لیے تیار کر رہی ہوں، کیونکہ جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو اب ایک بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کیا ہے اور اپنے اوپر اسلام کی تبلیغ کو فرض کرلیا ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ لوگ حلقہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ آئیں۔ ہم اپنے اخلاق سے، اپنے کردار سے قرآن کا مکمل نمونہ بنیں تا کہ لوگوں میں اسلام کی سچائی جاگزیں ہو۔ میں اسلام سے متعلق مختلف کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ قرآن مجید کو میں نے سمجھ کر پڑھا اور مجھے لگا کہ حقوق العباد پر اسلام کا بہت زور ہے اور یہی حقوق العباد اسلام کا دائرہ وسیع کرنے میں

Marfat.com

بھی بہت معین ہے۔ ہمیں اپنی دعوت میں خوش اخلاقی کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اب تک اللہ کے فضل سے میری ماں اور بھائی کے علاوہ تین اور لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یہ میمونہ خاتون (سنینا کپور) محمد یوسف (راجن کپور) اور محمد زید (ستیش کمار) ہیں۔ میری اپنی کوشش ہے اور تمام لوگوں سے استدعا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص داعی بنے اور دعوت کو جاری رکھے، اپنے بچوں کی اسلامی نہج پر تربیت کرے تا کہ وہ اسلام کے داعی بن کر ابھریں۔

☆☆☆☆☆☆

نیپالی فوج کا افسر کیسے مسلمان ہوا؟

ایک ایمان افروز داستان

میرا تعلق نیپال کے ترائی علاقے کے ضلع بارا سے ہے، پیدائشی نام کدار ناتھ کھریل ہے، برہمن طبقہ کے کھریل خاندان میں پیدا ہوا، خاندانی روایات کے مطابق مذہبی طور طریقے پر میری پرورش ہوئی، سترہ سال کی عمر میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا کہ نیپالی فوج میں ملازمت مل گئی، چنانچہ میں نے نوکری کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی، اسی بیچ میں میٹرک کیا، آئی اے کیا اور سترہ سال تک محکمہ افواج میں ملازمت کرتا رہا۔ وہاں سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ایک سال تک ذاتی کاروبار کیا، پھر مجھے 2004 کے اوائل میں ملازمت کے لیے کویت آنے کا موقع ملا جہاں مجھے قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔

میرے قبول اسلام کا قصہ بڑا عجیب ہے، میرا ایک بنگلا دیشی ساتھی تھا جو تلاوتِ قرآن کی بیحد پابندی کرتا تھا اور گاہے بگاہے مجھے بھی بٹھا کر قرآن سنایا کرتا تھا، میں نے ایک دن اس سے پوچھا: تم لوگ کس کی پوجا کرتے ہو؟ اس نے مجھے مختصر لفظوں میں بتایا۔ کہ ہم مسلمان ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں کسی مورتی کی پوجا نہیں کرتے۔ یہ محض اس کا جواب نہیں تھا بلکہ میری زندگی کے لیے پہلا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی نیک صفت بزرگ مجھے کہہ رہے ہیں: تم اسلام میں آجا، میں نے جواب دیا: میں ہندو ہوں اور میرے گھر والے اس سے راضی نہیں

Marfat.com

ہوسکتے ، اس نے کہا: تم پہلے اپنی فکر کرو اور سچائی قبول کرلو۔ اسی کے بعد میرے اندر ایک طرح کا تجسس پیدا ہوگیا ، مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا میری کوئی شے کھوچکی ہے ، میں بار بار مسلم دوستوں سے اسلام کے بارے میں پوچھتا رہتا ، جب مجھے اسلام کے تئیں بالکل اطمینان ہونے لگا تو ایک دن میں نے ایک کویتی سے کہا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں ، اس نے بلا تاخیر مجھے ipc پہنچا دیا ، یہاں میری ملاقات مولانا صفات عالم محمد زبیر تیمی صاحب سے ہوئی ، ان سے میں نے اپنا پورا قصہ سنا دیا ، اولا تو انہوں نے مجھ سے عرض کیا کہ محض خواب کی بنیاد پر اسلام قبول کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ، بلکہ پہلی فرصت میں آپ کو اسلام کی کھوج کرنی چاہیے کیونکہ اسلام ہی آپ کا دھرم ہے جسے آپ کے خالق و مالک نے آپ کے لیے اور ساری انسانیت کی رہبری کے لیے آخری شکل میں اتارا ہے ، اسلام قبول کرنا دھرم بدلنا نہیں بلکہ اپنے پیدائشی دھرم کو پانا ہے۔

پھر انہوں نے سنہرے انداز میں میرے سامنے اسلام کا تعارف کرایا ، ان کی ایک ایک بات میرے دل میں اترتی گئی بالآخر میں نے ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد اسی وقت اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کے بعد میں ہمیشہ مولانا صفات عالم صاحب سے استفادہ کرتا رہا ، ہفتہ واری دروس میں حاضر ہوتا اور دیگر اوقات میں کبھی کسی طرح کا اشکال پیدا ہوتا فوراً مولانا سے رابطہ کرکے تشفی بخش جواب حاصل کرلیتا ۔ جب مولانا کرم اللہ تیمی صاحب ipc میں بحیثیت نیپالی داعی تشریف لائے تو ایک عرصہ تک ان سے بھی استفادہ کرنے کا موقع ملا ، میں آئے دن اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہا ، میری دعوتی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ipc کے ذمہ داران نے مجھے ipc میں کام کرنے کا زریں موقع فراہم کیا ، چنانچہ میں نے کمپنی چھوڑ دی اور تقریبا تین سال سے ipc میں بحیثیت داعی کام کررہا ہوں ۔ فللہ الحمد والمن اس اثنا میں نے اپنی اہلیہ کو متعدد بار اسلام کی دعوت دی ، بالخصوص جب دو سال قبل دو ماہ کے لیے گھر گیا تو پہلی فرصت میں میں نے ان کو اسلام بتایا اور انہوں نے اسلام قبول بھی کرلیا لیکن جب دو مہینہ گزرنے کے بعد کویت آیا تو میرے سسر نے اس پر دباؤ ڈالا اور قسم کھالی کہ جب تک وہ اسلام سے نہ پھرے گی تب تک میں اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتا ، حتیٰ

Marfat.com

کہ وہ میرا مردہ منہ بھی نہیں دیکھ سکتی ۔ اب کیا تھا، وہ اپنے شیطان باپ کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے مرتد ہوگئی، اس بیچ میں نے بارہا کوشش کی کہ وہ اسلام کو اپنالے لیکن اب وہ ماننے کو تیار نہ تھی حالانکہ میں اس سے بیحد محبت کرتا تھا۔ میرے پاس ایک سترہ سال کی لڑکی ہے جو نرسنگ کی تعلیم حاصل کررہی ہے، ایک بیٹا آٹھویں جماعت میں زیرِ تعلیم ہے جبکہ دوسرا بیٹا ابتدائیہ میں پڑھتا ہے، میری ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ میرے گھر والے اسلام کو گلے لگالیں لیکن ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کوشش کے باوجود ناکام رہا۔

ایک ماہ قبل میں سفر پر گیا اس امید کے ساتھ کہ میرے اہل خانہ اسلام قبول کرلیں گے کیونکہ ان کی باتوں سے مجھے توقع بندھنے لگی تھی، حالانکہ انہوں نے منظم پلاننگ کے ساتھ مجھے بلایا تھا تاکہ دوبارہ کویت نہ لوٹ سکوں۔ جس روز گھر پہنچا، بیوی اور بچوں کو بٹھا کر دو گھنٹہ تک سمجھایا لیکن بیوی اپنی بات پر مصر رہی کہ وہ اسلام میں نہیں آے گی بالآخر میں نے اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ رات گذاری، صبح میں بھی میں نے اہلیہ کو سمجھایا اور تاکید کی کہ اسلام نے ہم دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی ہے، ازدواجی زندگی گذارنا اسی وقت ممکن ہے جب تم اسلام میں آجا، میں دو مہینہ کی فرصت لے کر گیا تھا لیکن معاملہ اس قدر پیچیدہ ہوا کہ تقریباً ہفتہ عشرہ کے بعد ہی مجھے گھر سے نکلنا پڑا۔ پہلے ہی دن میری سترہ سالہ بچی نے اپنی ماں کے اشارے پر میرے موبائل سے کویت کے سارے نمبرات ڈیلیٹ کردیئے، میری بیوی خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، اس کے ایک بھائی امریکہ میں اور ایک بھائی بلجیم میں رہتے ہیں، میرے سسرال والوں کی پلاننگ تھی کہ کسی طرح میں ان کے دھرم میں لوٹ آؤں اور دوبارہ کویت نہ آسکوں، امریکہ میں مقیم میرے نسبتی برادر نے مجھے سبز باغ دکھانے کی کوشش کی کہ چند سالوں تک گھر پر آرام کروں اور وہ مجھے اس اثنا کویت کی میری سالانہ آمدنی سے کہیں زیادہ رقم مہیا کریں گے، پھر اس کے بعد مجھے امریکہ بلالیں گے ،لیکن میں نے ان کی بات کو خاطر میں لائے بغیر دوٹوک جواب دیا کہ ایسا قطعاً ممکن نہیں ہے، میں نے اسلام کو گلے لگایا ہے تو تادم حیات اس پر قائم رہوں گا اور کوئی طاقت مجھے اسلام سے پھیر نہیں سکتی۔

اسی بیچ دسہرہ کا تہوار آگیا اور میرے گھر والے مجھ پر زور ڈالنے لگے کہ میں بھی ان

کے تہوار میں شرکت کروں، میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کسی صورت میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا، اِدھر بیوی رو رہی تھی تو ادھر بچے رو رہے تھے، بلکہ سب نے کھانا تک نہیں کھایا لیکن میں اپنی بات پر اٹل رہا بالآخر تھک ہار کر سب نے دوسرے دن کھانا کھایا۔

ہفتہ عشرہ تک میں نے دسیوں بار اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی، اپنی محبت کا واسطہ دیا اور علیحدگی کی صورت میں معاشرتی بگاڑ اور بچوں کے مستقبل کی بربادی سے ڈرایا لیکن میری بیوی اپنے بھائیوں اور باپ کے بہکاوے میں آکر دین میں میرا ساتھ نہ دے سکی، جب مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ میرے خلاف یہ لوگ سازشیں کر رہے ہیں کیونکہ دو سال قبل مجھے اس کا تجربہ ہو چکا تھا کہ چند شرارت پسندوں نے میری بیوی کی بیوقوفی سے مجھے جسمانی اذیت پہنچانی چاہی تھی لیکن اسی وقت میرا ایک دیرینہ دوست پہنچ گیا جس سے میں بال بال بچ گیا، اس بار بھی اس طرح کے آثار دکھائی دینے لگے تو میں ایک دن خفیہ طور پر استعمال کے کپڑے لیے، گھر سے نکل پڑا اور چند کلو میٹر دور میرے ایک دوست کا گھر ہے جہاں ایک ہفتہ چھپا رہا، اس بیچ ٹکٹ کا انتظام کیا اور دوبارہ کویت آ گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ میرے سسرال والوں نے ہی سارا معاملہ خراب کیا ہے جن کی میرے اہل خانہ کو پوری پشت پناہی حاصل ہے۔ مجھے اس بات کا کوئی افسوس نہیں کہ میں اپنے اہل خانہ اور اولاد سے بچھڑ گیا ہوں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ اسلام سے محروم رہ گئے ہیں۔ اخیر میں قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالی سے میرے اہل خانہ کی ہدایت کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سی آئی اے کے نئے سربراہ نے اسلام قبول کرلیا۔امریکی ایجنٹ کا دعوی

امریکا کے وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف بی آئی) کے ایک سابق ایجنٹ کا کہنا ہے کہ صدر براک اوباما کے مرکزی خفیہ ادارے سی آئی اے کے نامزد سربراہ جان برینان اسلام قبول کر چکے ہیں اور انھوں نے 1996 سے 1999 تک سعودی دارالحکومت ریاض میں تعیناتی کے دوران اسلام قبول کیا تھا۔ایف بی آئی کے سابق ایجنٹ جان گوانڈ ولو نے امریکا کے ٹرینٹو ریڈیو کے ایک شو کے دوران جان برینان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا انکشاف کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ جان برینان ریاض میں جب سی آئی اے کے اسٹیشن چیف تھے تو وہ سعودی حکام کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ گئے تھے اور سعودی حکام نے جان برینان کو دین اسلام کی جانب راغب کیا تھا۔ریڈیو شو میں سکائپ ویڈیو کے ذریعے انٹرویو دیتے ہوئے مسٹر گوانڈ ولو نے دعویٰ کیا کہ برینان مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ گئے تھے اور وہاں خاص طور پر حج کے دنوں میں غیر مسلموں کو جانے کی بالکل بھی اجازت نہیں ہوتی اور وہ عام دنوں میں بھی ان دونوں مقدس شہروں میں نہیں جا سکتے ہیں۔ان کا کہنا تھا:''ویڈیو سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جان برینان اسلام قبول کر چکے ہیں''۔ستاون سالہ جان برینان سی آئی اے کے سابقہ ملازم رہے ہیں اور امریکا کی اس خفیہ ایجنسی میں مختلف عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔وہ حال ہی میں صدر اوباما کے ہوم لینڈ سکیورٹی اور انسداد دہشت گردی کے لیے نائب مشیر تھے۔امریکی صدر نے انھیں 7 جنوری

کو سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے عہدے کے لیے نامزد کیا تھا۔ وہ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کی جگہ لیں گے جو اپنی سوانح نگار خاتون کے ساتھ ماورائے شادی تعلقات منظر عام پر آنے کے بعد اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے تھے۔ ایف بی آئی کے سابق ایجنٹ کو ایم ایس این بی سی نے اسلام مخالف کارکن قرار دیا ہے اور مذکورہ انٹرویو میں ان صاحب کا کہنا تھا کہ جان برینان سی آئی اے کے سربراہ کے عہدے کے لیے ان فٹ ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ''جان برینان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تصدیق اس وقت سعودی عرب میں تعینات امریکی حکومت کے حکام بھی کر سکتے ہیں کیونکہ انھوں نے سی آئی اے کے نامزد سربراہ کے سعودی حکومت کے ملازمین کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات اور اسلام قبول کرنے کا بہ چشم خود مشاہدہ کیا تھا''۔ مسٹر گوانڈولو نے اپنے انٹرویو میں جان برینان کی 2010 میں نیویارک یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے کی گئی ایک تقریر کا بھی حوالہ دیا۔ اس میں انھوں نے حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانے کا اعتراف کیا تھا۔ وہ طلبہ سے چند منٹ کے لیے عربی زبان میں بھی مخاطب ہوئے تھے اور انھوں نے اسلام کے موضوع پر گفتگو کی تھی۔ وہ مشرق وسطی کے ممالک میں چھے سال تک تعینات رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

معروف یہودی مصنفہ پاکستان آ کر مسلمان کیسے ہوئیں؟

مریم جمیلہ (پیدائشی نام: مارگریٹ مارکس) معروف مصنفہ، صحافی، شاعرہ اور مضمون نگار ہیں جو 23 مئی 1934 کو نیو یارک کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئی۔ جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن سے شائع ہونے والے مسلم ڈائجسٹ کے لیے تحریر لکھنے کے بعد انہوں نے 24 مئی 1961ء کو اسلام قبول کر لیا۔ جمیلہ اسلام کے حوالے سے دو درجن سے زائد کتب کی مصنفہ ہیں۔ وہ پاکستان کے سید ابو الاعلی مودودی کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھیں۔ اس لیے اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے پاکستان میں سکونت اختیار کی۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ مسلم ڈائجسٹ میں سید مودودی کا چھپنے والا مضمون حیات بعد الموت تھا جس کے بعد انہوں نے 5 دسمبر 1960ء کو سید ابو الاعلی مودودی سے بذریعہ خط پہلا رابطہ کیا۔ مودودی اور جمیلہ کے درمیان خط و کتابت کا یہ سلسلہ 1962ء تک جاری رہا۔ ان خطوط کا موضوع اسلام اور مغرب ہوتا تھا۔ دونوں کے خطوط بعد ازاں مولانا مودودی اور مریم جمیلہ کی خط و کتابت نامی ایک کتاب کے ذریعے شائع کیے گئے۔

1962ء میں وہ لاہور پہنچیں جہاں انہوں نے مودودی اور ان کے اہل خانہ سے ملاقات کی۔ بعد ازاں انہوں نے پاکستان میں ہی محمد یوسف خان نامی شخص سے شادی کی۔ اس زمانے کے کرشن نگر، لاہور (اب اسلام پورہ) کے جماعت اسلامی کے کونسلر یوسف خان کے ساتھ قرار پائی۔ اور یاد رکھیے مریم جمیلہ یوسف خان صاحب کی دوسری بیوی بنی، وہ محمد پکتھال کے ترجمہ قرآن اور محمد اسد کی یہودیت چھوڑ کر اسلام کی کہانی سے بے حد متاثر تھیں۔ وہ گزشتہ ماہ لاہور میں ہی انتقال کر گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ ان کی

Marfat.com

کہانی انہی کی زبانی پڑھیے:

میرا سابقہ نام مارگریٹ مارکیوس ہے۔ مجھے بچپن ہی سے موسیقی سے گہرا شغف تھا، خاص طور پر کلاسیکل اوپیرا اور سم فونی (Somphony) بہت پسند تھے جو کہ مغرب میں اعلیٰ نفاست کا معیار سمجھے جاتے ہیں۔ اسکول میں موسیقی میرا پسندیدہ مضمون تھا اور میں نے ہمیشہ اس میں اچھے نمبر لیے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ایک مرتبہ میں نے ریڈیو پر عربی موسیقی سنی، یہ موسیقی مجھے بھا گئی۔ اس تجربے نے مجھے مزید عربی موسیقی سننے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنے والدین کو اس وقت تک چین نہیں لینے دیا جب تک کہ میرے والد صاحب نے مجھے نیویارک سے عرب موسیقی کا ایک ذخیرہ نہ خرید کر دے دیا۔ میرے والدین، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے لیے عربی اور عرب موسیقی اس قدر تکلیف دہ ثابت ہوئی کہ جب بھی میں عرب موسیقی سنتی تو یہ سب مطالبہ کرتے کہ میں اپنے کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے بند کرلوں تا کہ وہ کم سے کم متاثر ہوں۔ 1961ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد نیویارک کی مسجد میں گھنٹوں بیٹھ کر مشہور مصری قاری عبدالباسط کی تلاوت کی ریکارڈنگ سنتی۔ ایک دن ہم مسجد میں مہمانِ خصوصی کے طور پر مدعو تھے۔ چھوٹے قد، دبلے جسم اور سادہ لباس میں ملبوس ایک سیاہ فام نوجوان نے اپنا تعارف زنجبار (افریقہ) کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کروایا اور سورِ رحمٰن کی تلاوت کی۔ میں نے اس قدر خوش الحان تلاوت نہیں سنی تھی، حتیٰ کہ قاری عبدالباسط کی بھی نہیں۔ اس افریقی نوجوان کی تلاوت سن کر مجھے ایسا لگا کہ شاید حضرت بلال کی آواز بھی اسی طرح کی ہوگی۔ اسلام میں میری دلچسپی کا آغاز دس سال کی عمر سے ہوتا ہے جب میں یہودیوں کے سنڈے اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ مجھے یہودیوں اور عربوں کے مابین تاریخی روابط سے بے انتہا دلچسپی پیدا ہوگئی۔ مجھے اپنی نصابی کتب کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم عربوں اور یہودیوں کے جدِ امجد ہیں، میں نے یہ بھی پڑھا کہ کس طرح قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں عیسائیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی زندگی عذاب بنادی گئی، جب کہ مسلم اسپین میں یہودیوں کو خوش آمدید کہا گیا۔ یہ اسلامی ثقافت کی برتر سخاوت تھی جس کی بدولت عبرانی زبان و ثقافت اپنے اعلیٰ ترین

Marfat.com

معیار تک جا پہنچی۔ صہیونیت کی اصل فطرت سے ناواقف ہونے کی بناپر میرے ذہن میں یہ معصومانہ خیال آیا تھا کہ یہودی فلسطین واپس پلٹ کر اپنے سامی بھائیوں (عربوں) سے اپنے ان تعلقات کو مضبوط کریں گے جو حضرت ابراہیم کے توسط سے دونوں کے درمیان موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ یہودی اور عرب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ذریعے مشرق وسطی میں ثقافت کے ایک نئے عہد کا آغاز کریں گے۔ یہودیت کی تاریخ سے اپنی انتہائی دل چسپی کے باوجود میں سنڈے اسکول میں خوش نہ تھی۔ اس تاریخی مطالعہ کے دوران میری تمام تر ہمدردیاں یورپی یہودیوں کے ساتھ رہیں جنہیں نازی دور میں شدید مصائب سے گزرنا پڑا، مگر یہ دیکھ کر مجھے شدید ذہنی دھچکا لگا کہ میرے نا صرف ہم جماعت بلکہ ان کے والدین بھی اپنے مذہب کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ یہودی عبادت گاہ میں بچے اپنی مذہبی کتابوں میں مزاحیہ کہانیاں رکھ کر پڑھتے رہتے اور اپنی مذہبی رسوم پر ہنستے رہتے۔ سنڈے اسکول میں تعلیم کے دوران بچے اس قدر شور مچاتے کہ اساتذہ کے لیے انہیں نظم وضبط میں لانا اور تدریس جاری رکھنا بے حد مشکل ثابت ہوتا۔ دینی تعلیمات پر عمل کے سلسلے میں ہمارے گھر کا ماحول بھی کوئی خوش گوار نہ تھا۔ میری بڑی بہن سنڈے اسکول سے شدید نفرت کرتی تھی، حتی کہ اتوار کے دن میری والدہ کے سخت الفاظ اور آنسوں کے بعد ہی اسے بستر سے نکال کر اسکول بھیجنا ممکن ہو پاتا تھا۔ بالآخر میرے والدین نے تھک ہار کر اسے سنڈے اسکول چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ یہودیوں کے انتہائی مقدس دنوں میں معبد میں جاکر عبادت کرنے یا یوم کپور کا روزہ رکھنے کے بجائے میں اور میری بڑی بہن اپنے خاندان کے ساتھ تفریح اور بہترین ہوٹلوں میں تقریبات سے لطف اندوز ہوتے۔ جب ہم دونوں نے والدین کو قائل کرلیا کہ سنڈے اسکول کی تعلیمی حالت ناگفتہ بہ ہے تو انہوں نے ہم دونوں کو ایک الحادی اور انسان پرست تنظیم کے تعلیمی ادارے میں داخل کرادیا جو ایتھیکل کلچر موومنٹ کہلاتی تھی۔ یہ تنظیم انیسویں صدی میں فیلکس ایلڈر نے قائم کی۔ یہودیت کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے آہستہ آہستہ فیلکس اس بات کے قائل ہوتے گئے کہ اخلاقی تعلیمات اضافی اور انسان کی تخلیق کردہ ہیں۔ اس سلسلے میں روحانیت کے مکتبہ فکر اور مذاہب غیر ضروری ہیں۔ ان نتائج پر

Marfat.com

پہنچنے کے بعد فیلکس نے ایک ایسا مذہب تشکیل دیا جو جدید دنیا سے زبردست مطابقت رکھتا تھا۔ اس تحریک کے سنڈے اسکول میں، میں نے گیارہ سال کی عمر سے پندرہ سال کی عمر تک پڑھا۔ اس اسکول کے زیر سایہ میرے خیالات بھی اس نہج پر ڈھلتے چلے گئے اور میں تمام روایات اور مذاہب کو فضول سمجھنے لگی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں، میں نے صہیونی نوجوانوں کی مقامی تنظیم میزرا کی ہزائر میں شمولیت اختیار کرلی، مگر جب مجھے احساس ہوا کہ صہیونیت کی فطرت ہی وہ چیز ہے جس نے یہودیوں اور عربوں کے درمیان حائل خلیج کو ناقابل عبور بنادیا ہے تو یہ تنظیم میں نے ازخود بے اطمینانی کے ساتھ چھوڑ دی۔ بیس سال کی عمر میں، میں نے نیویارک یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم اسلام میں یہودیت کو اختیاری مضمون کے طور پر لیا۔ میرے استاد پروفیسر ربی ابراہام کاش تھے جو شعبہ عبرانیات کے سربراہ بھی تھے۔ پروفیسر صاحب اپنے تمام یہودی طلبہ کو یہ بات ذہن نشین کروانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے کہ اسلام یہودیت سے اخذ شدہ ہے۔ ہماری درسی کتاب جو مذکورہ پروفیسر صاحب کی تصنیف تھی، اس میں یکے بعد دیگرے قرآنی آیات کو انتہائی جاں فشانی سے یہودی کتب سے اخذ کردہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اس طرح پروفیسر صاحب کا حقیقی مقصد اسلام پر یہودیت کی برتری ثابت کرنا ہوتا تھا۔ مگر ہوا یوں کہ ان کی اس کوشش کے نتیجے میں، میں قرآن کی حقانیت کی قائل ہوتی چلی گئی۔ جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ صہیونیت، یہودیت کا ایک نسلی اور قبائلی پہلو ہے۔ جدید سیکولر قوم پرستانہ صہیونیت میری نگاہوں میں اس وقت گر گئی جب مجھے علم ہوا کہ صہیونی قائدین میں شاید ہی کوئی ایک یہودیت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، اور راسخ العقیدہ یہودی تو ان میں کوئی بھی نہیں۔ اس طرح روایتی یہودیت کو اسرائیل میں بھی شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ امریکہ کے تمام اہم یہودی رہنما صہیونیت کے نہ صرف حمایتی ہیں بلکہ وہ اسرائیل کے ہاتھوں فلسطینیوں پر ہونے والی زیادتیوں پر ذرا سا دکھ بھی محسوس نہیں کرتے تو میں نے قلبی طور پر اپنے آپ کو یہودی سمجھنا چھوڑ دیا۔ نومبر 1954ء کی ایک صبح پروفیسر کاش نے اپنے خطاب میں منطقی دلائل سے پر نظریہ پیش کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ توحید اور ان پر نازل شدہ خدائی قوانین ہی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بنیاد ہیں۔ اگر

Marfat.com

اخلاقیات کو انسانی ساختہ مانا جائے جیسا کہ اس تحریک اور دیگر اس طرح کے ملحدانہ فلسفوں کا ماننا ہے تو اخلاقیات کو محض ارادہ انسانی، فوری ضرورت، سہولت اور حالات کے مطابق تبدیل ہو جانا چاہیے۔ مگر اس سب کا نتیجہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں ابتری اور تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ عقیدہ آخرت پر یقین (جیسا کہ ربی تلمود پڑھاتے ہوئے بتاتے ہیں) کے بارے میں پروفیسر کاش نے کہا کہ یہ محض خوش کن خیال نہیں بلکہ ایک اخلاقی ضرورت بھی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو شخص روزِ آخرت جواب دہی کا حقیقی احساس رکھتا ہی، دراصل وہ اپنی تمام زندگی، اس کی عارضی خوشیوں کی قربانی کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایسا شخص مشکلات کو آسانی سے برداشت کرتا ہے اور ابدی جنت کے حصول کے لیے قربانیاں دیتا ہے۔ یہ پروفیسر کاش کی جماعت تھی جہاں میں ایک انتہائی غیر معمولی اور حد درجہ شوق رکھنے والی لڑکی زینیٹا سے ملی۔ پہلی مرتبہ جب میں پروفیسر کاش کے کمرہ جماعت میں داخل ہوئی تو میں نے دو عدد خالی کرسیاں پائیں، ان میں سے ایک کرسی پر یوسف علی کے ترجمہ وتفسیر کی تین عدد خوب صورت جلدیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں بھی وہیں بیٹھ گئی۔ میرے دل میں اس تفسیر کے مالک کے بارے میں تجسس کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ پروفیسر کاش کی آمد سے تھوڑی دیر قبل طویل قد، سفید رنگت اور سرخی مائل بھورے بالوں والی ایک لڑکی میرے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا یہ ترکی، شام وغیرہ سے آنے والی کوئی غیر ملکی لڑکی ہوگی۔ زیادہ تر طلبہ جو راسخ العقیدہ یہودی سیاہ ٹوپی پہنے ایسے لڑکے تھے جو یہودی ربی بننا چاہتے تھے۔ کمرہ جماعت میں صرف ہم دو لڑکیاں تھیں۔ ایک دن جب ہم کافی دیر کے بعد دارالمطالعہ سے باہر نکل رہے تھے تو اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس کا تعلق ایک راسخ العقیدہ یہودی خاندان سے ہے۔ اس کے والدین 1917ء کے اشتراکی انقلاب سے چند سال قبل روس سے فرار ہو کر امریکہ پہنچے۔

میں نے محسوس کیا کہ میری نئی دوست غیر ملکیوں کی طرح انتہائی نپے تلے انداز میں انگریزی بولتی ہی، میرے اندازوں کی تصدیق اس نے یہ بتا کر کی کہ اس کے خاندان کے افراد اور دوست احباب آپس میں صرف ییڈش (جرمن یہودیوں کی زبان) میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس لیے وہ اسکول جا کر ہی انگریزی سے واقف ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ

اس کا نام زینیٹا لیبرمین تھا مگر حال ہی میں، زیادہ سے زیادہ امریکی بننے کے لیی، اس کے والدین نے اپنے خاندانی نام کو مختصر کر کے لیبرمین کے بجائے لین کر دیا ہے۔ اس کے باوجود کہ اس کے والد نے ہمیشہ اسے عبرانی کی تعلیم دی، زینیٹا نے اپنا زیادہ تر وقت عربی پڑھنے میں لگادیا۔ بہر حال، بغیر کسی پیشگی اطلاع کے زینیٹا نے کلاس چھوڑ دی اور نصاب کے اختتام تک کبھی پلٹ کر واپس نہ آئی۔ کئی مہینے گزر گئے اور میں اسے بھول چکی تھی کہ اچانک مجھے اس کا پیغام ملا جس میں اس نے مجھ سے میٹرو پولیٹن میوزیم میں ملنے اور عربی خطاطی اور قرآن کے قدیم قلمی نسخوں کی نمائش میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ اس نمائش کو دیکھتے ہوئے زینیٹا نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے دو فلسطینی دوستوں کے سامنے اسلام قبول کر چکی ہے۔ میں نے پوچھا تم نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا؟ اس نے بتایا کہ گردے میں انفیکشن کی وجہ سے اس نے پروفیسر کاش کی کلاس ترک کر دی تھی۔ زینیٹا کی حالت اس قدر دگرگوں تھی کہ اس کے والدین اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ایک دن جب میں بخار سے جل رہی تھی کہ مجھے اپنے برابر والے بستر کے سرہانے قرآن مجید ملا، میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآنی آیات نے میرے دل کو اتنا متاثر کیا کہ میں رونے لگی۔ اسی لمحے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید میں ٹھیک ہو جاں گی۔ اس وقت میرے اندر اتنی ہمت پیدا ہوگئی کہ میں نے بستر سے اتر کر اپنے دو مسلم دوستوں کو بلایا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ زینیٹا اور میں شامی ریستورانوں میں کھانا کھانے لگے۔ جب بھی ہمارے پاس رقم ہوتی ہم اس ریستوران میں آ کر بھنے ہوئے دنبے کے گوشت اور چاول یا دیگر عرب کھانوں سے لطف اندوز ہوتے۔ جب پروفیسر کاش ہمیں پڑھا رہے ہوتے، تو میں اپنے ذہن میں عہدنامہ قدیم اور تلمود کا قرآنی آیات اور احادیث سے تقابل کرتی تو یہودیت کو مسخ شدہ پاتی، نتیجتاً میں نے اسلام قبول کر لیا۔

بہر حال اسلام اور اسلامی نظریات کے لیے میری بڑھتی ہوئی ہمدردی نے میرے اردگرد موجود یہودیوں کو مشتعل کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں انہیں گمراہ کر رہی ہوں۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ تمہاری یہ شہرت تمہارے آباو اجداد کے لیے شرم کا باعث اور تمہارے خاندان کے لیے نفرت کا سبب بنے گی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اگر تم نے اسلام قبول کرنے

Marfat.com

کی کوشش کی تو تمہیں مسلمانوں کے ہاں کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ خدشات میرے قبولِ اسلام کے بعد یکسر بے بنیاد ثابت ہوئے کیونکہ کسی مسلمان کی طرف سے مجھے میری یہودی وراثت سے کبھی وابستہ نہیں کیا گیا۔ قبولیتِ اسلام کے فورا بعد مجھے اسلامی برادری نے انتہائی جوش وخروش سے خوش آمدید کہا۔

میں 1954ء ہی سے اسلام قبول کرنا چاہتی تھی مگر میرے خاندان نے مجھے اس سے باز رکھا۔ مجھے تنبیہ کی گئی کہ اسلام میری زندگی کو الجھا کر رکھ دے گا۔ کیوں کہ اسلام عیسائیت اور یہودیت کی طرح امریکی منظرنامے کا حصہ نہیں، مزید یہ کہ اسلام مجھے اپنے خاندان اور برادری سے الگ تھلگ کر دے گا۔ اس وقت میرا عقیدہ اس قدر پختہ نہ تھا کہ میں یہ دباؤ برداشت کرسکتی۔ بہرحال کچھ دیگر وجوہات اور کچھ اندرونی کش مکش کے نتیجے میں، میں اس قدر بیمار ہوگئی کہ مجھے کالج کو خیر باد کہنا پڑا۔ اگلے دو سال تک میں اپنے گھر میں زیرِ علاج رہی اور میری حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ 1957 سے 1959 تک، انتہائی مایوسی کے عالم میں میرے والدین مختلف نجی اور حکومتی ہسپتالوں میں میرا علاج کرواتے رہی، جہاں میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ اگر صحت یاب ہوگئی تو باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلوں گی۔ جیسے ہی میں صحت یاب ہوکر گھر پہنچی، میں نے نیویارک کے مسلمانوں سے ملنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خوش قسمتی سے میری ملاقات چند بہترین مسلم خواتین و حضرات سے ہوئی اور میں نے مسلم جریدوں میں مضامین و مقالات تحریر کرنا شروع کردیے۔

میں نے اسلام قبول کیا تو میرے والدین، رشتے داروں اور دوستوں نے اسے جنون سمجھا، کیوں کہ میں اسلام کے علاوہ کسی موضوع پر بات کرنے اور سوچنے کو تیار نہ تھی۔ لیکن تبدیلی مذہب ان کے خیال میں خالصتاً ذاتی معاملہ تھا۔ اسے وہ ایک ایسا معاملہ سمجھتے تھے جسے مشغلے کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مگر جیسے جیسے میں نے قرآن کا مطالعہ کیا یہ بات عیاں ہوتی گئی کہ اسلام کوئی مشغلہ نہیں بلکہ خود ایک زندگی ہے۔

ایک شام میں جب عجیب سی اکتاہٹ اور بے خوابی محسوس کر رہی تھی تو میری والدہ نے میرے کمرے میں داخل ہوکر پوچھا کہ وہ لائبریری جارہی ہیں اگر مجھے کوئی کتاب منگوانی ہو تو بتادوں۔ میں نے کہا کہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تلاش کریں، اگر مل جائے

تو لے آئیں۔ ذرا سوچیں! مجھے کئی سال سے عربوں کے بارے میں جاننے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور میں نے کتب خانے میں موجود عربوں سے متعلق ہر کتاب پڑھ ڈالی تھی، مگر یہ سوچا تک نہ تھا کہ قرآن مجید میں کیا لکھا ہے۔ بہر حال میری والدہ میرے لیے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ لے آئیں۔ قرآن کے لیے میں اس قدر بے چین تھی کہ میں نے یہ نسخہ ان کے ہاتھ سے تقریباً جھپٹ لیا اور اسے ایک رات میں ختم کرلیا۔ قرآن میں مجھے وہ قصص بھی ملے جو میں بچپن سے بائبل میں پڑھ چکی تھی۔ اپنی آٹھ سالہ ابتدائی مدرسے اور چار سالہ ثانوی مدرسے کی تعلیم اور ایک سالہ کالج کے زمانہ طالب علمی کے دوران میں نے انگریزی قواعد وانشاء، فرانسیسی، ہسپانوی، لاطینی، یونانی، حساب، جیومیٹری، الجبرا، یورپی وامریکی تاریخ، ابتدائی سائنس، حیاتیات، موسیقی اور فنون لطیفہ غرض کیا کیا نہیں پڑھا .... مگر نہیں پڑھا تو خدا کے متعلق کچھ نہ پڑھا۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ میں اس معاملے میں کس قدر لاعلم تھی کہ میں نے پاکستان میں اپنی ایک قلمی دوست کو لکھا کہ میں اس لیے ملحدانہ خیالات رکھتی ہوں کہ میں اس بات پر یقین نہیں لاسکتی کہ خدا ایک باریش اور بزرگ آدمی ہے جو جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔ جب دوست نے پوچھا کہ یہ فضول معلومات تمہیں کہاں سے حاصل ہوئیں؟ تو میں نے سسٹین چیپل اول کا حوالہ دیا جو میں نے مائیکل اینجلو کے رسالیلائف میں تخلیق اور حقیقی گناہ کے ضمن میں پڑھا تھا، لیکن جب میں نے قرآن پڑھا تو معلوم ہوا) یہاں دونوں حوالوں کا اردو ترجمہ لگائیں (۔ قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد جو سب سے پہلا خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ یہ سچا دین ہی .... مکمل طور پر خالص .... جو گھٹیا مصلحتوں اور منافقت سے بالاتر ہے۔ 1959 کا سال میں نے اپنا بیشتر فارغ وقت نیویارک پبلک لائبریری میں اسلام کے بارے میں پڑھتے ہوئے گزارا۔ وہیں میں نے مشکوٰ المصابیح کی چار بھاری جلدوں کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعے کے نتیجے میں، میں نے جانا کہ قرآن کا حقیقی و تفصیلی مطالعہ متعلقہ حدیث کے جانے بغیر ناممکن ہے۔ قرآنِ مقدس کی تشریح آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کیسے کی جاسکتی ہے جب کہ قرآن نازل ہی آپ پر ہوا۔ جب مشکوٰ کا مطالعہ کیا تو میں نے مانا کہ قرآن ایک الہامی کلام ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ مجھے یہ یقین کیسے ہوا کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ

ہے نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریر کردہ (نعوذ باللہ) تو میں کہوں گی کہ کائنات کے بنیادی سوالات کے بارے میں اس کے اطمینان بخش جوابات سے۔ یہ جوابات مجھے کہیں اور سے کبھی نہ مل سکے۔ بچپن میں، میں ہمیشہ موت سے خوف زدہ رہتی تھی، خاص طور پر اپنی موت کے بارے میں۔ موت سے متعلق ڈرانے خواب دیکھنے کے بعد کبھی کبھی میں اپنے والدین کو چیختے ہوئے جگا دیتی اور ان سے پوچھتی کہ میں کیوں مروں گی اور مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ وہ محض یہی بتاتے کہ موت ناگزیر ہے اور تمہیں اس کو قبول کرنا ہوا۔ مگر یہ صبر آزما سوال ہے۔ طبی علوم اس قدر حیرت انگیز طور پر ترقی یافتہ ہو چکے ہیں کہ ہوسکتا ہے میں سو سال کی عمر تک زندہ رہوں! میرے والدین، خاندان، ہمارے تمام دوست احباب موت کے بعد زندگی کو محض وہم سمجھ کر ٹھکرا چکے ہیں۔ ان کے خیال میں روزِ قیامت اور جنت و دوزخ کی جزا و سزا دور گزشتہ کے تصورات ہیں۔ اپنی لاحاصل کوشش کے دوران میں نے عہد نامہ قدیم کے تمام اسباق کا مطالعہ کیا تا کہ حیات بعد الممات کا کوئی واضح جواب پاسکوں، مگر ندارد۔ بائبل میں مذکورہ تمام انبیا علیہم السلام کو جزا و سزا اسی دنیا میں ملی۔ خاص طور پر حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جائداد اور پیارے سب مشیتِ الٰہی سے تباہ ہو گئے اور خود انہیں اذیت ناک بیماری لاحق ہوئی تا کہ ان کے ایمان کی آزمائش کی جائے۔ حضرت ایوب (بائبل کے مطابق) سخت تکلیف میں خدا سے سوال کرتے ہیں کہ آخر ایک صالح شخص کو اتنی تکلیف اور صعوبت سے کیوں گزارا گیا؟ بالآخر خدا، ایوب کے تمام نقصانات کا ازالہ کر دیتا ہے، مگر پورے قصے میں آخرت میں جزا کا خانہ مکمل طور پر غائب ہے۔ بہر حال حیات بعد الممات کے متعلق میں جو کچھ بائبل کی عہد نامہ جدید میں پاسکی وہ قرآن میں اس موضوع پر موجود آیات کے مقابلے میں ایک مبہم اور الجھا دینے والا مواد تھا۔ مجھے یہودیت کی روایتی اور راسخ العقیدہ تعلیمات میں بھی حیات بعد الممات کے متعلق کوئی مواد نہ مل سکا بلکہ اس کے برعکس تلمود کی تعلیمات کے مطابق بدترین زندگی کو بھی موت کے مقابلے میں بہتر کہا گیا۔ میرے والدین کے فلسفے کے مطابق ہر شخص کو موت کے سوال سے بچتے ہوئے زندگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہیے کیونکہ زندگی کا دورانیہ مختصر ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ زندگی کا مقصد خوشیوں کا

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ حصول ہی، اور یہ مقصد اپنی صلاحیت کے زیادہ سے زیادہ اظہار، اپنے خاندان سے محبت، بہترین دوستوں کے ساتھ، بہترین معیار زندگی اور مختلف قسم کی تفریحات سے حاصل ہوتا ہے جن سے امریکہ بھرا پڑا ہے۔ میرے والدین زندگی کے بارے میں اپنی اس سطحی سوچ کا مسلسل اور دانستہ اظہار کرتے رہتے تھے، گویا یہ نظریہ ان کے نزدیک ان کے بہترین مستقبل اور ابدی خوشیوں کی ضمانت تھا۔ زندگی کے تلخ تجربے کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ عیش وعشرت کا طرز عمل درماندگی اور خستہ حالی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بجائے تکمیل ذات کا مقصد بغیر جدوجہد اور قربانی کے ناقابلِ حصول ہے۔ بچپن ہی سے میں اہم اور نمایاں ترین اہداف کو سامنے رکھتی تھی اور اپنی موت سے قبل بھی میں صرف یہ اطمینان اور ضمانت چاہوں گی کہ میں نے اپنی زندگی گناہوں اور فضول مقاصد کے حصول میں ضائع نہیں کی۔ میں نے اپنی پوری زندگی انتہائی سنجیدگی سے بسر کی ہے۔ غیر سنجیدگی اور سطحیت جو جدید دور کی ثقافت کا خاصہ ہی، میرے لیے ہمیشہ ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت رہی ہے۔ ایک مرتبہ میرے والد نے اپنے غیر تسلی بخش دلائل کے ذریعے مجھے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ دنیا میں دیرپا اور دائمی اقدار نام کی کوئی چیز نہیں، اور جدید دور کے تمام لوگ نئے رجحانات کو لازمی سمجھ کر قبول کر چکے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی انہی کے مطابق ڈھل جانا چاہیے۔ میں تو بہرحال دائمی اور ابدی اہمیت کے حامل مقاصد اور خوشیوں کی پیاسی رہی ہوں۔ یہ صرف قرآن ہے جہاں سے مجھے اس مقصد کا حصول ممکن نظر آیا۔ ہر وہ صالح عمل جو رب کی خوشنودی کے لیے کیا جائے کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ ایسا شخص جو دکھاوے کا طلب گار نہ ہو، اس کا صلہ آخرت میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس قرآن بتاتا ہے کہ جو لوگ محض دنیاوی فائدے کے حصول، نمود ونمائش اور آزادی کی خواہش سے ہٹ کر کوئی اخلاقی مقصد سامنے نہیں رکھتے وہ روزِ جزا خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے خواہ انہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں کتنی ہی کامیابیاں کیوں نہ حاصل کر لی ہوں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہمیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف اپنی توجہ مبذول کر لینی چاہیے اور ایسی تمام بے مقصد سرگرمیوں کو ترک کر دینا چاہیے جو اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوں۔ قرآن مجید کی یہ تعلیمات جن کی موثر وضاحت احادیث

Marfat.com

مبارکہ کے ذریعے ہوتی ہی، میرے مزاج سے مماثلت رکھتی ہیں۔

ماہ وسال گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت درجہ بدرجہ مجھ پر منکشف ہوتی گئی کہ یہ عرب نہ تھے جنہوں نے اسلام کو عظمت بخشی بلکہ یہ اسلام ہی تھا جس نے عربوں کو عظمت اور وقار عطا کیا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

جدید دنیا کے مشہور ترین نومسلم افراد

سیاست دان

اپسائی تورا: فجی کے سیاست دان

ڈیوڈ موسی پڈکوک: برطانوی، عیسائیت سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلامک پارٹی آف برٹن کے رہنما ہیں۔

الحاج ملک الشہباز (المعروف میلکم ایکس، میلکم لٹل): امریکہ میں حقوق انسانی کے مشہور علمبردار، عیسائیت سے نیشن آف اسلام میں داخل ہوئے اور مشہور حج کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابراہیم ہوپر (ڈوگلس ہوپر)

عیدی امین: یوگنڈا کے سابق صدر، کیتھولک عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا

ایاسو پنجم: ایتھوپیا کے سابق شہنشاہ

یوہان وون لیئرز: محمد نجیب کے مشیر

خالد ایڈورڈ بلیئر: انگریز وکیل، اردن کی شہزادی بدیہ سے شادی کی

عمر بونگو: گیبون کے صدر

سبرینا ویرونی: اطالوی، اٹلی کے شہر ڈریزو میں برقعہ پہننے پر لگائے گئے 80 یورو کے جرمانے پر دنیا بھر میں مشہور ہوئیں، اس واقعے نے اطالوی سیاست میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔

ٹورکونیٹو کیرڈیلی: سعودی عرب کے لیے سابق اطالوی سفیر

تھامس ہیڈون: نیوزی لینڈ سے تعلق رکھنے والے وکیل اور حکومتی مشیر یوسف الخطاب (یوسف کوہن): یہودیت کو چھوڑ کر بیوی اور بچوں سمیت مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مراد ہوف مین: عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا، سابق نیٹو عہدیدار۔

کھیل

عبدالکریم عبدالجبار (شیر مون شاہ): امریکی سابق فٹ بال کھلاڑی

احمد سانتوس: سابق امریکی باکسر

انتھونی منڈائن: آسٹریلیا کے باکسر اور سابق رگبی کھلاڑی

برنارڈ ہوپکنز: باکسر

برونو میٹسو: 2002 فٹ بال ورلڈ کپ میں سینیگال کی کوچنگ کرنے والے فرانسیسی

کرس یوبینک: باکسر

ڈینی ولیمز: برطانوی باکسر

ڈیوائٹ محمد قوی: باکسر

فرینک ریبری: مشہور فرانسیسی فٹ بالر

کریم عبدالجبار (لیو ایلسنڈر): امریکی ریٹائر باسکٹ بال کھلاڑی اور (این بی اے) کی تاریخ کے سب سے کامیاب کھلاڑی

محمود عبدالرف (کرس جیکسن): امریکی ریٹائر باسکٹ بال کھلاڑی

میتھیو سعد محمد: سابق باکسر

محمد یوسف (یوسف یوحنا): پاکستان کے کرکٹر، عیسائیت چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوئے

محمد علی کلے (کیسیئس کلے): امریکی عیسائیت سے نیشن آف اسلام اور پھر سنی اسلام میں داخل ہوئے

مصطفیٰ ہمشو: باکسر

نکولس اینلکا: فرانسیسی فٹ بالر

فلپ ٹروزیئر: فرانس، سابق فٹ بال کھلاڑی اور جاپانی فٹ بال ٹیم کے ٹرینر

رشید والس: امریکی باسکٹ بال کھلاڑی

Marfat.com

طارق عبدالواحد: فرانسیسی باسکٹ بال کھلاڑی

مذہبی دانشور

عبدالاحد داد (ڈیوڈ بنجمن کیلڈانی): سابق رومن کیتھولک مبلغ

عبدالاحد عمر (گیری ملر): کمیٹی آن ریلیشنز ود پبلک ایسوسی ایشنز کے سابق مبلغ اور منتظم

ابو یحیی (جیرالڈ ایف ڈرکس): سابق عیسائی

عمر فاروق عبداللہ: اسلامی عالم

یوسف ایسٹس: سابق عیسائی مبلغ

اینہ اسلمی: عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا، دانشور اور ڈائریکٹر انٹرنیشنل یونین آف مسلم ویمن

بلال فلپس: سابق عیسائی، اسلامی دانشور اور مصنف

حامد الگر: جامعہ کیلی فورنیا، برکلے میں برطانوی پروفیسر، جعفری مکتبہ فکر اور ایرانی تہذیب کے ماہر

محمد عبدالرحمٰن بارکر: اردو کے پروفیسر، جامعہ منیسوٹا کے شعبہ جنوبی ایشیائی تعلیمات کے سابق سربراہ

محمد پکتھال: سابق عیسائی، قرآن مجید کا معروف انگریزی ترجمہ انہوں نے کیا

عبدالحکیم مراد (ٹموتھی جے ونٹر): جامعہ کیمبرج میں مطالع اسلام کے لیکچرار

خالد یاسین: امریکی سابق عیسائی، اسلامی ٹیچنگ انسٹیٹیوٹ (آئی ٹی آئی) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر

حمزہ یوسف: سابق عیسائی، مشہور اسلامی دانشور

فن وثقافت، فنون لطیفہ

سمیتا دیوی (نیلوفر بیگم): بنگلہ دیشی اداکارہ، ہندومت کو خیر باد کہا

کملا داس ثریا ہندومت کو 1999 میں خیر باد کہا

Marfat.com

تھامس جے ایبر کرومبے: فوٹو گرافر

محمد اسد: یہودیت سے اسلام کی جانب آئے، معروف مصنف

ڈیانا حداد: لبنانی گلوکارہ، عیسائیت سے اسلام کی جانب آئیں

جرمین جیکسن (محمد عبدالعزیز): مشہور گلوکار اور معروف پاپ گلوکار مائیکل اور گلوکارہ جینٹ جیکسن کے بھائی، اس وقت بحرین میں رہائش پذیر

مریم جمیلہ: یہودیت سے اسلام میں داخل ہوئیں، مضمون نگار، شاعرہ، صحافی اور مصنفہ

سارہ جوزف: ایمل (emel) میگزین کی مدیر

رقیہ وارث مقصود: برطانوی، عیسائیت چھوڑی، مصنفہ

پریچر موس: امریکی مزاحیہ اداکار اور مصنف

اللہ رکھا رحمان: اے ایس دلیپ کمار، بھارتی معروف موسیقار اور ہدایت کار، ہندو مت کو خیر باد کہا

یووون رڈلے: برطانوی صحافی، طالبان کے ہاتھوں اغوا ہوئیں، رہائی کے بعد عیسائیت کو خیر باد کہہ کر مشرف بہ اسلام ہوئیں

عمر شریف: مصری اداکار

یوسف اسلام (کیٹ اسٹیونز): مشہور برطانوی عیسائی گلوکار و موسیقار

داد ڈبلیو علی: کینیڈا کے گلوکار، شاعر، عیسائیت کو چھوڑا

ایلس فیض: شاعرہ، فیض احمد فیض کی اہلیہ

نادرہ: بھارتی فلمی صنعت کی مشہور ہیروئن

دیگر شخصیات

جمائما گولڈ اسمتھ (سابقہ جمائما خان): برطانوی، یہودیت کو چھوڑ کر معروف پاکستانی کرکٹر اور موجودہ سیاستدان عمران خان سے شادی کی

ملکہ نور: اردن کی ملکہ

عائشہ سلطانہ (شرمیلا ٹیگور): بنگلہ دیشی۔ بھارتی اداکارہ، ہندو مت کو خیر باد کہا، نواب منصور علی خان پٹودی سے شادی کی

Marfat.com

سلطانہ فریمین: نومسلم امریکی خاتون، ڈرائیونگ لائسنس پر نقاب میں تصویر کے باعث امریکی ریاست فلوریڈا کی میں داخلے کی اجازت نہ ملنے پر مشہور ہوئیں۔

☆☆☆☆☆☆

امریکی عدالت میں ایک پاکستانی کی تقریر جس نے بہت سے لوگوں کو رلا دیا

طارق مہنا ایک پاکستانی مصری امریکن ہیں ان کے والدین پاکستان اور مصر سے امریکہ ہجرت کر گئے تھے اور طارق وہیں پیدا ہوئے اور پیدائش سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ انہیں کچھ ہفتے قبل ہی امریکی حکومت نے انٹرنیٹ پر جہادیوں کی حمایت کرنے کے الزام میں کئی سال کے لئے جیل بھیج دیا ہے۔ جس وقت جج انہیں سزا سنا رہا تھا انہوں نے بھری عدالت میں ایک بیان دیا تھا۔ اس جذباتی بیان نے عدالت میں موجود بہت سے لوگوں کو مبہوت کر دیا تھا اور کئی لوگ اپنی آنکھیں پونچھتے دیکھے گئے۔ اس تقریر کے بعد جج نے افسردہ لہجے میں کہا کہ عدالت صرف قانون کے دائرے میں رہ کر فیصلہ دیتی ہے قانون بناتی نہیں اور امریکی قانون یہی کہتا ہے کہ آپ مجرم ہیں۔ ذیل میں دی گئی تحریر دراصل وہ تقریر ہے جو طارق مہنا نے اپریل کو سزا سنائے جانے پر امریکی جج کے سامنے کی۔ آپ ابو سابایا کے نام سے انٹرنیٹ پر جانے جاتے تھے اور بہت موثر مقرر ہیں۔ ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج سے چار سال قبل یہی اپریل کا مہینہ تھا جب میں ایک مقامی ہسپتال میں اپنا کام ختم کر کے گاڑی کی طرف جا رہا تھا کہ میرے پاس امریکی حکومت کے دو ایجنٹ آئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے دو راہوں میں ایک کا انتخاب کرنا ہوگا، ایک راستہ آسان تھا اور دوسرا مشکل۔

Marfat.com

آسان راستہ ان کے مطابق یہ تھا کہ امریکی حکومت کا مخبر بن جاؤں اور یوں کبھی عدالت یا قید خانے کی صورت نہ دیکھنی پڑے گی اور دشوار راستہ، سو وہ آپ کے سامنے ہے۔تب سے اب تک ان چار سالوں کا اکثر حصہ میں نے قید تنہائی میں ایک ایسے کمرے میں گزارا ہے جس کا حجم ایک چھوٹی سی الماری جتنا ہے اور مجھے دن کے تئیس گھنٹے اسی میں بند رکھا جاتا ہے۔ایف بی آئی اور ان وکلا نے بہت محنت کی، حکومت نے مجھے اس کوٹھری میں ڈالنے، اس میں رکھنے، مقدمہ چلانے اور بالآخر یہاں آپ کے سامنے پیش ہونے اور اس کوٹھری میں مزید وقت گزارنے کی سزا سننے کے لئے لوگوں کے ادا کردہ ٹیکسوں کے سینکڑوں ڈالرخرچ کیے۔

اس دن سے ماقبل ہفتوں میں لوگوں نے مجھے بہت سے مشورے دیئے کہ مجھے آپ کے سامنے کیا کہنا چاہئے۔ کچھ نے کہا کہ مجھے رحم کی اپیل کرنی چاہئے کہ شاید کچھ سزا میں تخفیف ہوجائے، جبکہ دوسروں کی رائے تھی کہ کچھ بھی کرلوں میرے ساتھ سختی ہی کا معاملہ کیا جائے گا۔تاہم میں بس یہ چاہتا ہوں کہ چند منٹ اپنے بارے میں گفتگو کروں۔

جب میں نے مخبر بننے سے انکار کردیا تو حکومت نے ردعمل کے طور پر مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے دنیا بھر میں مسلم ممالک پر قبضے کے خلاف لڑنے والے افراد کی حمایت کا جرم کیا ہے۔یا دہشتگردوں کی جیسا کہ وہ انہیں کہنا پسند کرتے ہیں۔حالانکہ میں کسی مسلمان ملک میں بھی پیدا نہیں ہوا۔ میں یہیں امریکہ میں پلا بڑھا ہوں اور یہی بات بہت سے لوگوں کو غضبناک کرتی ہے۔ایسا کیسے ممکن ہے کہ میں امریکی ہونے کے باوجود ان باتوں پر یقین رکھوں جن پر میں رکھتا ہوں اور وہ موقف اختیار کروں جو میں نے کر رکھا ہے؟ آدمی اپنے ماحول میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ ایک جز بن جاتا ہے جو اس کا نقطہ نظر تشکیل کرتا ہے، اور یہی حال میرا بھی ہے۔لہذا، ایک نہیں بلکہ بہت سی وجوہات کے سبب میں جو کچھ ہوں امریکہ ہی کی وجہ سے ہوں۔

چھ سال کی عمر میں میں نے comic books کا ذخیرہ جمع کرنا شروع کردیا۔بیٹ مین نے میرے ذہن میں ایک تصور بویا، میرے سامنے ایک نمونہ رکھا کہ کس طرح دنیا کا نظام چل رہا ہے، بعض ظالم ہوتے ہیں، بعض مظلوم ہوتے ہیں اور بعض وہ جو مظلومین کی حمایت کے لئے آگے آتے ہیں۔یہ چیز میرے ذہن میں اس طرح پیوست رہی کہ اپنے بچپن کے پورے دور کے اندر میں ہر اس کتاب کی طرف کھنچا چلا جاتا جس میں یہ نمونہ پیش کیا جارہا ہو

Marfat.com

مثلاً Uncle Tom's Cabin, TheAutobiography of Malcolm اور مجھے توThe Catcher in the Rye میں بھی ایک اخلاقی پہلو نظر آتا تھا۔

پھر میں ہائی اسکول پہنچ گیا اور تاریخ کے اسباق پڑھے، اور مجھ پر یہ واضح تر ہو گیا کہ دنیا کا یہ اصول کتنا حقیقی ہے۔ میں نے امریکہ کے اصل باشندوں اور یورپی آبادکاروں کے ہاتھوں ان پر ہونے والے ظلم کے بارے میں پڑھا۔ میں نے پڑھا کہ پھر ان یورپی آبادکاروں کی نسلوں کو کس طرح کنگ جارج سوم کی جابرانہ حکومت کے دوران ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ میں نے پال ریور اور ٹام پین کے بارے میں پڑھا اور یہ کہ کس طرح امریکیوں نے برطانوی فوج کے خلاف مسلح بغاوت کی، وہ بغاوت جس کا اب ہم امریکہ کی انقلابی جنگ کی حیثیت سے جشن مناتے ہیں۔ آج جہاں ہم بیٹھے ہیں بچپن میں اس سے کچھ دور ہی اسکول کی فیلڈ ٹرپ پر جایا کرتے تھے۔ میں نے ہیریئٹ ٹب مین، نیٹ ٹرنر، جان بران اور اس ملک میں غلامی کے خلاف جنگ کے بارے میں پڑھا۔ میں نے ایما گولڈ مین، یوجین ڈیبز، مزدوروں کی انجمنوں، ورکنگ کلاس اور غربا کی جدوجہدوں کے بارے میں پڑھا۔ میں نے این فرینک اور نازیوں کے بارے میں پڑھا کہ وہ کس طرح اقلیتوں کو اذیتیں دیتے تھے اور مخالفین کو قید کر دیتے تھے۔ میں نے روزا پارکس، میلکم ایکس، مارٹن لیوتھر کنگ اور شہری حقوق کی جدوجہد کے بارے میں پڑھا۔ میں نے ہوچی منہ کے بارے میں پڑھا کہ کس طرح ویت نام کے باشندگان نے کئی دہائیاں یکے بعد دیگرے آنے والے غاصبین کے خلاف لڑنے میں گزار دیں۔ میں نے نیلسن منڈیلا اور جنوبی افریقہ میں نسلی عصبیت کے خلاف جنگ کے بارے میں پڑھا۔ میں نے ان سالوں میں جو کچھ پڑھا وہ چھ سال کی عمر میں سیکھی گئی بات کی مزید تصدیق کر رہا تھا، کہ پوری تاریخ میں ظالم اور مظلوم کے درمیان ایک مستقل جنگ جاری رہی ہے۔ میں نے جس بھی جدوجہد کے بارے میں پڑھا، میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مظلوم کا طرفدار پایا، اور ان کی حمایت میں کھڑے ہونے والوں کو میں نے ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا، خواہ وہ کسی بھی ملک سے ہوں، کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے کبھی بھی اپنی کلاسوں کے نوٹس نہیں پھینکے۔ آج بھی جبکہ میں یہاں کھڑا ہوں وہ میرے کمرے کی الماری میں سلیقے سے رکھے ہیں۔

جتنی بھی تاریخی شخصیات کے بارے میں میں نے پڑھا ان میں سے ایک سب میں

Marfat.com

ممتاز تھی۔ ملیکم ایکس کے بارے میں بہت سی چیزوں نے مجھے متاثر کیا لیکن جس چیز نے سب سے زیادہ دلچسپی بڑھائی وہ کایا پلٹ تھی، ان کی کایا پلٹ۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے سپائک لی کی فلم دیکھی ہے یا نہیں، یہ تقریبا ساڑھے تین گھنٹے کی ہے، اور ابتدا میں نظر آنے والا میلکم آخر میں نظر آنے والے میلکم سے بہت مختلف ہے۔ وہ ایک ان پڑھ مجرم ہوتا ہے جو بعدازاں ایک شوہر، ایک باپ، اپنے لوگوں کا محافظ اور فصیح البیاں لیڈر بن جاتا ہے، ایک اصولی مسلمان جو مکہ میں حج کا فریضہ ادا کرتا ہے اور بالآخر شہید ہوجاتا ہے۔ میلکم کی زندگی نے مجھے یہ سبق دیا کہ اسلام کوئی وراثتی دین نہیں ہے؛ یہ کسی نسل یا تہذیب کا نام نہیں ہے۔ یہ تو طریقہ زندگی ہے، ایک فکری حالت ہے جو کوئی بھی اپنا سکتا ہے چاہے وہ کہیں سے بھی تعلق رکھتا ہو اور کسی بھی ماحول میں پلا بڑھا ہو۔ اس چیز نے مجھے اسلام کو بنظر غائر دیکھنے کی ترغیب دی اور بس پھر میں اس کا دلدادہ ہوگیا۔ میں تو صرف ایک نوجوان تھا اور اسلام اس سوال کا جواب پیش کرتا تھا جو بڑے بڑے سائنسی ذہن دینے سے قاصر ہیں۔ اور جس کا جواب نہ پاکر امرا اور مشہور و معروف لوگ ڈیپریشن اور خودکشیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس کائنات میں ہمارا وجود کیوں ہے؟ اسلام نے جوابا بتایا کہ کس طرح ہمیں زندگی گزارنی ہے۔ کیونکہ اسلام ہمیں کسی پیشوا یا راہب کا محتاج نہیں کرتا لہذا میں نے براہ راست قرآن اور سنت کی گہرائیوں میں جانا شروع کردیا، تاکہ اس فہم کے سفر کا آغاز کرسکوں کہ اسلام کیا ہے، بحیثیت انسان اسلام میرے لئے کیا پیش کرتا ہے، ایک فرد کی حیثیت سے، میرے اردگرد کے لوگوں کے لئے، ساری دنیا کے لئے، اور جتنا جتنا میں سیکھتا گیا، مجھے اسلام کی قدر و قیمت کا اتنا ہی احساس ہونے لگا گویا وہ کوئی ہیرا ہے۔ یہ میرے عنفوان شباب کی بات ہے، لیکن آج بھی پچھلے چند سالوں کے دباؤ کے باوجود، میں یہاں آپ کے اور اس کمرہ عدالت میں موجود تمام لوگوں کے سامنے ایک مسلمان کی حیثیت سے کھڑا ہوں، الحمدللہ۔

اس کے ساتھ ہی میری توجہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے حالات کی طرف گئی۔ اور جدھر بھی میں نے نگاہ ڈالی میں نے دیکھا کہ نام نہاد طاقتیں میری محبوب شے کے درپے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ سویت نے افغانستان کے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ سربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں پر کیا قیامت ڈھائی۔ مجھے روسیوں کے ہاتھوں چیچن مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے متعلق پتہ چلا۔ مجھے پتہ چلا کہ اسرائیل نے لبنان میں کیا کیا تھا، اور اب امریکہ کی مکمل

آپ کے گھر میں گھس کر چوری کرنا چاہے اور آپ کے اہل و عیال کو نقصان پہنچانا چاہے تو عقل یہی کہے گی کہ اس جارح کو باہر نکالنے کے لئے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کیا جائے۔ لیکن جب وہ گھر کوئی مسلم سرزمین ہو، اور وہ جارح امریکی فوج ہو، تو کسی وجہ سے یہ اصول بدل جاتے ہیں۔عقل کا نام دہشت گردی رکھ دیا جاتا ہے، اور جو لوگ سمندر پار سے آئے قاتلوں کے خلاف اپنا دفاع کرتے ہیں وہ دہشت گرد بن جاتے ہیں جو امریکیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ ڈھائی صدی پہلے امریکہ جس ذہنیت کا شکار تھا جب برطانوی ان سڑکوں پر چل رہے تھے وہی ہے جس کا شکار آج مسلمان ہیں جن کی سڑکوں پر امریکی فوجی مٹر گشت کر رہے ہیں۔ یہ استعماریت کی ذہنیت ہے۔ جب سرجنٹ بیلز نے پچھلے مہینے ان افغانوں کو قتل کیا تو ذرائع ابلاغ کا سارا زور اس کی ذات پر تھا، اس کی زندگی، اس کی پریشانی، اس کے گھر کا گروی ہونا، گویا وہی ظلم کا نشانہ بنا ہے۔اور جن لوگوں کو اس نے مارا تھا ان کے لئے کم ہی ہمدردی دکھائی گئی، گویا وہ حقیقی لوگ نہیں تھے، انسان نہیں تھے۔ بدقسمتی سے یہی ذہنیت معاشرے کے ہر فرد میں راسخ ہو چکی ہے، چاہے اسے اس بات کا احساس ہو یا نہ ہو۔ حتی کہ میرے وکلا بھی، دو سال گفتگو کرنے، سمجھانے اور وضاحتیں پیش کرنے میں لگے اور پھر کہیں جا کر وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے خول سے باہر جھانک سکیں اور کم از کم میری بات میں موجود منطق و عقل کو بناوٹی طور پر ہی قبول کر سکیں۔ دو سال! اگر اتنے ذہین لوگوں کو اتنا وقت لگا، جن کا کام میرا دفاع کرنا تھا، اپنی ذہنیت تبدیل کرنا تھا، اور پھر مجھے یونہی کسی جیوری کے سامنے پیش کر دیا گیا اس بات کے تحت کہ وہ میرے غیر جانبدار موکل ہیں، مطلب یہ کہ مجھے اپنے ساتھیوں کی جیوری کے سامنے نہیں پیش کیا گیا کیونکہ جو ذہنیت امریکہ پر چھائی ہوئی ہے اس کی وجہ سے میرے کوئی ساتھی ہی نہیں۔ اسی حقیقت کو بنیاد بناتے ہوئے حکومت نے مجھ پر مقدمہ چلایا، اس لئے نہیں کہ انہیں کوئی حاجت تھی، بس صرف اس لئے کیونکہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔

میں نے تاریخ کی کلاسوں میں ایک اور بات بھی سیکھی تھی۔ امریکہ نے تاریخ میں ہمیشہ اپنی اقلیتوں کے خلاف غیر منصفانہ ترین حکمت عملیاں اپنائی ہیں، ایسے افعال جنہیں قانون کا تحفظ بھی حاصل تھا، اور پھر بعد میں پیچھے دیکھ کر یہی کہا گیا آخر ہم کیا سوچ رہے تھے؟ غلامی، جم کرو، جنگ عظیم دوئم میں جاپانیوں کی نظر بندی، یہ سب امریکی معاشرے میں بالکل قابل قبول تھا، اور سپریم کورٹ کی پشت پناہی کے ساتھ تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور امریکہ

Marfat.com

بدل گیا، عوام اور عدلیہ دونوں نے پیچھے دیکھ کر یہی کہا کہ آخر ہم کیا سوچ رہے تھے؟ جنوبی افریقہ کی حکومت نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد سمجھتی تھی، اور اسے قید حیات کی سزا سنائی گئی تھی۔ لیکن وقت گزر گیا اور دنیا بدل گئی، انہیں احساس ہوا کہ ان کی پالیسی کتنی ظالمانہ تھی، کہ دراصل وہ دہشت گرد نہیں تھا، اور اسے قید سے آزاد کر دیا گیا۔ وہ صدر بھی بن گیا۔ لہذا ہر چیز ذہنیت سے تعلق رکھتی ہے، یہ دہشت گردی کا سارا معاملہ بھی اور یہ کہ کون دہشت گرد ہے۔ یہ سب تو وقت اور مقام پر منحصر ہے اور یہ کہ کون اس وقت عالمی قوت ہے۔

آپ کی نظروں میں میں دہشت گرد ہوں، صرف ایک میں ہی یہاں پر ایک زرد لباس میں کھڑا ہوں اور میرا یہاں زرد لباس میں کھڑا ہونا بالکل معقول ہے۔ لیکن ایک دن امریکہ بدل جائے گا اور لوگوں کو اس دن کی حقیقت کا احساس ہوگا۔ وہ دیکھیں گے کہ کس طرح ہزاروں لاکھوں مسلمان غیر ممالک میں امریکی فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے اور اپاہج ہوئے۔ تاہم کسی طریقے سے آج میں ہوں جسے ان ممالک میں قتل اور اپاہج کرنے کی سازش کی وجہ سے قید میں بھیجا جا رہا ہے، کیونکہ میں ان لوگوں کا دفاع کرنے والے مجاہدین کی حمایت کرتا ہوں۔ لوگ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے کہ کس طرح حکومت نے مجھے دہشتگرد کی حیثیت سے قید کرنے کے لئے لاکھوں ڈالر خرچ کئے، لیکن اگر ہم کسی طرح امیر الجنبی کو اس موقع پر زندہ کر کے لا کھڑا کریں جب وہ آپ کے فوجیوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہی تھی، اسے اس گواہی کے کٹہرے میں کھڑا کریں اور اس سے پوچھیں کہ دہشت گرد کون ہیں، تو یقیناً اس کا اشارہ میری طرف نہیں ہوگا۔

حکومت کا کہنا ہے کہ مجھ پر شدت کا بھوت سوار ہے، امریکیوں کے قتل کا بھوت سوار ہے۔ لیکن اس دور میں رہنے والے مسلمان کی حیثیت سے، میں اس سے زیادہ طعن آمیز جھوٹ سوچ بھی نہیں سکتا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

دس برس کی ایک حیرت انگیز داستان جس میں ہر طرف خدا نظر آتا ہے

دوران جنگ اور جنگ کے بعد دشمن کی اصل آواز شاید ہی کبھی سنائی دیتی ہے۔ شیخی بگھارنے کیلئے پروپیگنڈہ تو بہت زیادہ کیا جاتا ہے جیسا کہ افغانستان میں امریکی اور اتحادی کرتے رہے مگر دوسری طرف تلخ حقیقت یہ ہے کہ طالبان اس وقت تیزی سے جدید جنگی مہارت حاصل کر رہے ہیں۔ معمولی جنگجوؤں کے اندھے ایمان اور اولوالعزمی نے نئی اور جدید جنگی تھیوریز کو شکست کے ملبے تلے دبا دیا ہے۔ اس بات کی سچائی عراق اور افغانستان میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ افغانستان میں 8 برس کی طویل جنگ کے بعد فوجی اس حد تک تھک چکے ہیں کہ امریکیوں اور ان کے اتحادیوں کو یہ تک نہیں پتا کہ ان کے دشمن کون ہیں اور ان کی جنگ کس کے ساتھ ہے۔ افغانستان کی جدید جنگ اور طالبان کی امریکہ کے ہاتھوں پہلے ہولناک شکست اور پھر بے مثال فتح کی یہ حیرت انگیز کہانی طالبان کے چند موجودہ کمانڈروں کی زبانی بیان کردہ ہے۔ ان طالبان کمانڈروں سے امریکی جریدے نیوز ویک کے نمائندوں نے علیحدہ علیحدہ انٹرویوز کیئے، انہوں نے تفصیل سے بتایا ہے کہ امریکہ کے حملے کے وقت طالبان کے ساتھ کیا ہوا اور پھر اس کے بعد کا خوفناک عرصہ کیسے گزرا۔ دوبارہ سے ہمت یکجا کر کے امریکہ کے خلاف جنگ شروع کرنے سے لے کر کامیابی حاصل کرنے تک کی کہانی جس طرح طالبان کمانڈروں نے سنائی، اسی طرح قارئین کے لئے پیش ہے۔ یہ انٹرویوز سمیع یوسف زئی نے کئے جو نیوز ویک نامی مشہور ترین امریکی جریدے کے لئے 2001 سے افغانستان میں رپورٹنگ کر رہے ہیں اور بہت سے طالبان کمانڈروں کو ذاتی

طور پر جانتے ہیں۔

نیوز ویک کے نمائندے رون مورییے کے ساتھ کام کرتے ہوئے یوسف زئی نے ایک ماہ سے زیادہ کا وقت پاک افغان بارڈر کے نزدیک افغانستان میں کئی ایسے لوگوں سے ملاقات کی جو بعد میں طالبان سے رابطے کا ذریعہ بنے، ان میں سے کچھ لوگوں کو یوسف زئی پہلے سے جانتا تھا اور یہ قابل بھروسہ لوگ تھے۔ طالبان کی یہ کہانیاں عام لوگوں کو ایک غیر معمولی ہمت دیتی ہیں جس سے آپ ان افغان جنگجوؤں کو سمجھ سکتے ہیں۔ طالبان کے زوال سے لے کر عروج تک کی یہ کہانی اس وقت سامنے آرہی ہے جب وہ افغانستان میں دوبارہ عروج حاصل کر چکے ہیں اور امریکہ اور اتحادیوں نے شکست تسلیم کر لی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

طالبان کا زوال:

مولوی عبدالرحمٰن آخوند زادہ اس وقت طالبان کے ایک کمانڈر تھے جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا۔ ان کا کہنا ہے بم ہمارے آدمیوں کو اس طرح کاٹ رہے تھے جیسے کوئی کسان پکی ہوئی گندم کی فصل کاٹتا ہے، ہم بے بسی سے دیکھ رہے تھے کہ بم آتا کہاں سے ہے اور اس سے کیسے بچا جائے۔

افغانستان پر امریکی حملے کے وقت حقانی بھی ایک طالبان کمانڈر تھا۔ اس کا کہنا ہے 11 ستمبر کو امریکہ میں حملوں سے دو دن قبل ہم لوگ شمالی اتحاد کے کمانڈر احمد شاہ مسعود کی موت کا جشن منا رہے تھے جس کو القاعدہ کے ایجنٹ نے ٹی وی رپورٹر کے روپ میں جا کر قتل کر دیا تھا۔ اس کی فوج بھی مسلسل شکست کا شکار تھی اور اس کے مرنے کے بعد اس بات کا امکان تھا کہ افغانستان میں طالبان کو مکمل فتح مل جائے گی۔ مگر ایک اور آفت اب ہمارے سر پر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہمیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ امریکی بدلہ لینے کیلئے ہم پر ضرور حملہ کریں گے۔ خطرے کو بھانپتے ہوئے میں نے جلد از جلد اپنی بیوی اور بچوں کو پاکستان بھیج دیا۔ طالبان حکومت بھی گرنا شروع ہو گئی تھی۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ طالبان حکومت اتنی جلدی امریکی بم حملوں کے نتیجے میں ڈھیر ہو جائے گی۔ ہر کوئی اپنی اور اپنے پیاروں کی جان بچانے کی کوشش میں تھا۔ جس وقت بمباری شروع ہوئی میں نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور ایک پرانے شلوار قمیص میں ملبوس ہو کر پاکستان کی طرف نکل گیا۔ میں نے پیدل پہاڑوں

کو سر کیا اور چوٹی پر پہنچ کر افغانستان کی طرف پلٹ کر کہا، اے افغانستان اب تیرا اللہ ہی حافظ ہے۔ شاید اب میں زندگی بھر دوبارہ تجھے نہ دیکھ سکوں، اب میں اسی وقت لوٹوں گا جب یہاں دوبارہ اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

☆☆☆☆☆

طالبان کا ایک اور کمانڈر، آخوند زادہ بتاتا ہے کہ جس وقت بمباری شروع ہوئی میں 400 جنگجوؤں کی کمانڈ کر رہا تھا اور ہم مزار شریف کے محاذ پر لڑ رہے تھے۔ بم ہمارے آدمیوں کو اس طرح کاٹ رہے تھے جیسے کوئی کسان پکی ہوئی گندم کی فصل کاٹتا ہے۔ بم پھٹنے کی وجہ سے مجاہدین طالبان کے ناک اور کان سے خون جاری تھا۔ ہم مرنے والوں کو دفنا بھی نہیں سکے کیونکہ جو کوئی خندقوں میں چھپا ہوا تھا وہ وہیں دب کر مر گیا۔ میں نے اپنے آپ کو سرنڈر نہیں کیا، میں اپنے بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے پریشانی کی حالت میں نکلا۔ اس علاقے میں ہر شخص ہمارے خلاف ہو چکا تھا۔ کابل کے جنوب میں جانے والی سڑک پر واقع سالانگ سرنگ بند کر دی گئی تھی، ہم مسلسل 4 دن برف میں بغیر کچھ کھائے پیے چلتے رہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے دشمن قبیلوں کے بچے تک جانوروں کی طرح ہمارا شکار کرنے لگے۔ مسلسل چلتے رہنے کے بعد پانچویں دن میں نے اپنے ہتھیار چھپائے اور ایک گاؤں میں جا کر ان کو بتایا کہ میں مسافر ہوں اور راستہ بھٹک گیا ہوں، انہوں نے مجھے کچھ کھانا دیا مگر جب میں دوبارہ اس جگہ آیا جہاں اپنے ساتھیوں کو بٹھا کر گیا تھا تو وہ لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔ میں نے اس گاؤں سے آگے چلنا شروع کیا تو کچھ دور جا کر ایک سڑک پر مجھے ایک منی بس آتی دکھائی دی۔ میں نے ڈرائیور پر بندوق تانی اور بس رکوائی۔ بس طالبان سے بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ بس میں بلکل بھی جگہ نہیں ہے لہذا وہ مجھے نہیں بٹھا سکتے یہ سب وہ طالبان تھے جو جان بچا کر فرار ہو رہے تھے۔ میں نے ان کو دھمکی دی کہ اگر مجھے بس میں نہیں بٹھایا تو میں بس کے ٹائر کو گولی مار کر پنکچر کر دوں گا۔ اس دھمکی پر انہوں نے مجھے بس میں سوار کر لیا۔ مجھے بس کے فرش پر لیٹنا پڑا کیوں کہ بس میں کہیں اور جگہ ہی نہیں تھی۔ اس طرح باقی لوگوں کی ٹانگیں میرے اوپر تھیں۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ سفر تھا، مگر میں اس سارے سفر میں قدرے گرم ماحول میں رہا۔ اگلی صبح کابل قندھار ہائی وے کی ایک چیک پوسٹ پر ہمیں مقامی جنگجوؤں نے دھر لیا۔ ہم مرنے کے بلکل قریب تھے ہمارے گلے پیاس سے سوکھنے اور

Marfat.com

ہونٹوں پر پپڑیاں جمنے کی وجہ سے خون جاری تھا اور مجھے لگتا تھا کہ قیامت بپا ہوگئی ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں ایک جیل میں بھیج دیا میں ان کی غلیظ جیل میں ایک ماہ تک مقید رہا، پھر ایک پشتون کمانڈر نے مجھے عید سے پہلے رہا کر دیا اور کہ تم میرے پشتون بھائی ہو اس لئے رہا کر رہا ہوں۔ میرے اندر جتنی بھی قوت تھی اس کے سہارے میں پشاور تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ ہماری اسلامی ریاست 40دن کی امریکی بمباری سے ختم ہو چکی تھی، مجھے کبھی اس پر یقین نہیں آیا حالانکہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوا تھا مگر پھر بھی میں سوچتا تھا کہ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں اور یہ سچ نہیں ہے۔ لیکن یہ سچ تھا، پھر میں اپنے دل کو تسلی دیتا تھا کہ اللہ ہمیں دوبارہ سے عروج بخشے گا صرف اس وجہ سے کہ ہم نے اس کی راہ میں اپنا بہت خون بہایا ہے۔ مگر کیسے؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

☆☆☆☆☆

خان نامی شخص، افغانستان پر امریکی حملے کے وقت طالبان نہیں تھا، وہ افغان صوبے غزنی کے ایک گاؤں کی مسجد کے پیش امام کا بیٹا تھا جس نے کبھی جہاد میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس کا کہنا ہے امریکی حملے اور طالبان کی پسپائی کے بعد عرب، چیچن اور طالبان نے اپنے گھروں اور مسجدوں سے کاروں، ٹرکوں اور پک اپس میں وزیرستان کی طرف بھاگنا شروع کردیا اور اس کے ساتھ ہی ان پر امریکیوں نے بمباری شروع کردی تو انہوں نے گاڑیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں پیدل سفر شروع کردیا۔ ان کے ساتھ زخمی بھی تھے۔ کچھ زخمی طالبان اور عربوں نے، جن کے ساتھ ان کے خاندان، عورتیں اور بچے بھی تھے، انہوں نے غزنی کے قریب ہماری مسجد میں قیام کیا۔ دوسرے گاؤں والوں نے امریکہ کے ڈر سے ان کی مدد سے انکار کردیا تھا اور ان سے لوٹ مار کرنا چاہتے تھے مگر میری غیرت نے مجھے للکارا اور میں اپنی بندوق لے کر ان کی حفاظت کے لئے کھڑا ہوگیا۔ صرف میں اور میرے والد نے ان کے طعام کا بندوبست کیا اور انہیں کھانا بھی کھلایا۔

☆☆☆☆☆

اسی طرح ایک اور افغان باشندے، یونس کا کہنا ہے کہ جب میں بچہ تھا تو میرے والد مجاہدین کے کمانڈر تھے اور انہوں نے روس کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا، ہماری حفاظت کیلئے انہوں نے مجھے اور میرے خاندان کو وانا میں قائم افغان مہاجر کیمپ میں بھیج دیا تھا۔ 1996 میں روس کی شکست کے بعد میرے والد طالبان حکومت میں کابل میں کسی سرکاری

Marfat.com

عہدے پر فائز ہوگئے تھے مگر میں اور میرے گھر والے وانا میں ہی تھے۔ ہم لوگ مدرسے اور اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ اکثر چھٹیوں میں وانا سے ان کو ملنے کیلئے کابل جاتا تھا۔ امریکی حملے کے بعد طالبان کی اسلامی حکومت کا ختم ہونا کسی خوفناک خواب سے کم نہیں تھا، اس وقت میں وزیرستان کے شہر وانا میں ہی تھا۔ افغانستان سے بھاگ کر جان بچا کر بہت سے طالبان یہاں چلے آئے تھے، ان میں زخمی اور معذور بھی تھے۔ میں معذور، زخمی اور شکست خوردہ طالبان کو ہر روز سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے دیکھتا تھا ان میں عرب، چیچن اور ازبک بھی شامل تھے، ان کے پاس نہ تو رہائش تھی اور نا ہی کھانے کو کچھ تھا، کچھ کے ساتھ تو ان کے بیوی اور بچے بھی تھے۔ ہر صبح اسکول جاتے ہوئے میں ان کو آبادی کے آس پاس بے گھر بھکاریوں کی طرح پھرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہ لوگ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے بس بے بسی سے ہر ایک کو دیکھتے رہتے تھے۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں نے ان کی مدد کرنا شروع کی اور انہیں کھانا دینا شروع کیا۔ کچھ لوگ تو ان کو اپنے گھروں میں بھی لے گئے اور انہیں مہمان بنا کر اپنے گھر میں ٹھہرا لیا اور اپنا نصف گھر ان کے حوالے کردیا اور انہیں اپنا بھائی قرار دیدیا۔ اس سے یہ تاثر ملا کہ ابھی جہادی زندہ ہیں۔ اس وقت وزیرستان میں عرب مجاہدین طالبان سے بہت ناراض تھے کیونکہ اب وہ جنگ میں شامل ہونے کیلئے تیار نہیں تھے، طالبان کا کہنا تھا کہ امریکہ کے ساتھ لڑنا ممکن نہیں ہے اور جب یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ بم آیا کہاں سے، اور دشمن ہے کہاں تو کیسے لڑا جائے؟ عرب مجاہدین کہتے تھے کہ بیوی اور بچوں کو وزیرستان میں اللہ کے سپرد کر کے خود اپنے ہتھیار جمع کرو اور دوبارہ افغانستان میں امریکیوں پر حملے کرنے چلو اب وہ زمین پر آگئے ہیں۔ عربوں کا کہنا تھا کہ وہ اپنی آخری سانس تک لڑنا چاہتے ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ افغان طالبان بہت پریشان اور مایوس تھے، ان کے دل ٹوٹ چکے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنے خون سے سیراب کر کے ایک اسلامی مملکت بنائی تھی جو اس طرح آسانی سے ختم ہوگئی۔ حالانکہ ہم نے پوری ایمانداری سے اپنا خون بہایا مگر شاید اللہ نے اسے قبول نہیں کیا، طالبان کا کہنا تھا کہ انہوں نے تو اپنا ملک ہی کھو دیا ہے جب کہ عربوں کا کہنا تھا کہ ٹھیک ہے، ہم ایک جنگ ہار گئے ہیں مگر اب نئی جنگ کی تیاری کرو اور پچھلی جنگ کی شکست کو ہی نہ روتے رہو۔ ہم جب تک زندہ ہیں روز ایک نئی جنگ لڑنے کی تیاری کریں گے اور اس پر عمل کریں گے، یہاں تک کہ ہم مر جائیں اور ہمارے بعد والے اس پر عمل کریں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مسیح الدین بھی طالبان کے زوال کا عینی شاہد تھا، اس کا کہنا ہے کہ جب طالبان زوال پذیر ہوئے تو میں نورستان میں ایک مدرسے میں پڑھتا تھا۔ طالبان حکومت ختم ہونے کے بعد میں نے اپنی پڑھائی پاکستان میں جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ مگر 2002 میں پاکستانی صدر پرویز مشرف نے ایک نیا قانون متعارف کرایا جس کے تحت مدرسوں میں غیر ملکی طالب علموں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ میں نے پشاور کے نزدیک ایک مسجد میں قیام کیا اور صورتحال بہتر ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ میرے ساتھ 10 طالبعلم اور بھی تھے۔ ہم مسجد کے ساتھ بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتے تھے جہاں بجلی نہیں تھی۔ ہمیں پڑھنے اور خاص کر سونے کیلئے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کھانے کیلئے بھی ہمیں باہر جانا پڑتا تھا مگر کوئی بھی گاؤں والا ہمیں کھانا کھلانے پر تیار نہیں ہوتا تھا۔ آئے دن پولیس ہمیں ہراساں کرتی رہتی تھی۔ ہم نے طالبان کی واپسی کی دعائیں مانگنا شروع کر دیں، ہمیں طالبان کی فتح کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی مگر ہم پھر بھی ان کی واپسی کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔

☆☆☆☆☆

طالبان کی شکست کے بعد جب کمانڈر حقانی فرار ہو کر پاکستان پہنچا تو اس کے والد، بھائی اور باقی خاندان والے مانسہرہ میں تھے۔ یہاں اور بھی افغان خاندان مہاجر کیمپوں میں مقیم تھے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے سوچا کہ اگر ان کے ساتھ میں بھی جا کر مہاجر کیمپ میں رہنا شروع کر دوں تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا کیونکہ اکثر لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ کئی لوگ مجھے اچھی طرح سے جانتے ہیں اور کئی کے دلوں میں طالبان کیلئے کوئی اچھے جذبات نہیں ہیں وہ مجھے گرفتار کرا دیں گے۔ میں وہاں قریب میں ایک مسجد میں جا کر چھپ گیا۔ آدھی رات کے وقت چوروں کی طرح مجھے کیمپ میں جا کر اپنے بیوی بچوں سے ملنا پڑتا تھا۔ ایک رات میں اپنی بیٹی سے ملنے کیمپ میں گیا تو اس نے کابل والے گھر کے بارے میں پوچھا اور کہنے لگی کہ ہمارے پاس گاڑی کیوں نہیں ہے۔ مجھ سے شکایت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہاں کیمپ میں بہت گرمی ہے اور وہ واپس کابل کے ٹھنڈے ماحول میں جانا چاہتی ہے۔ مگر وہ میری آنکھوں سے میرے درد کا اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ میں اندر سے بری طرح سے ٹوٹ چکا تھا اور اس کیلئے کتنا پریشان تھا۔

☆☆☆☆☆

طالبان کمانڈر آخندزادہ کا کہنا ہے کہ طالبان ملاؤں اور جنگجوؤں نے جب اپنے لباس

Marfat.com

تبدیل کیے تو وہ کسی کی پہچان میں نہیں آئے۔ کوئی بھی طالبان کے طور پر پہچان نہیں کرانا چاہتا تھا۔ وہ دوست اور رشتہ دار جو میرے کمانڈر ہونے پر میری عزت کرتے تھے انہوں نے بھی مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میرے پاس نا تو پیسے تھے اور نا ہی کرنے کیلئے کوئی کام اور میں بلکل ہار چکا تھا۔ میں نے اپنے خاندان کو افغانستان سے دور پنجاب میں لا کر بسا دیا۔ میں نے جب کام ڈھونڈنا شروع کیا تو مجھے کوئی کام پر رکھنے پر راضی نہیں تھا کیونکہ کسی کو میری زبان نہیں آتی تھی، میں واپس پشاور آ گیا اور یہاں آ کر میں نے سبزی بیچنا شروع کر دی۔ میرے پاس کچھ پیسے جمع ہونا شروع ہو گئے مگر میں اب تک جنگ ہارنے کے صدمے سے نہیں نکل پایا تھا، میری بیوی نے مجھے بتایا کہ میں سوتے میں روتا رہتا ہوں اور اپنے ساتھیوں کو پکارتا رہتا ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے مجھے کچھ دوائیاں لکھ کر دے دیں۔ میں اس حد تک آپے سے باہر ہو گیا تھا کہ اکثر گاہک کو ٹماٹر کے بجائے آلو دے دیتا تھا، اکثر دن کو بیٹھے بیٹھے رونا شروع کر دیتا، مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ملا آغا خان محمد کا کہنا ہے کہ طالبان کا زوال میرے جہادی طرز زندگی کا سبب بنا۔ دوسرے ملاؤں کی طرح میرے والد بھی خاصے پریشان تھے۔ طالبان کے دور میں میرے والد صاحب با اختیار تھے مگر طالبان کے جانے کے بعد ان کی طرف بہت کم لوگ ہی توجہ کرتے تھے۔ میرے والد اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ ان کو فالج کا اٹیک ہو گیا جس سے ان کا آدھا جسم مفلوج ہو گیا۔ 2002 کے آخر میں افغان پولیس نے غزنی میں ہماری مسجد پر ریڈ کی، وہ میرے والد کو گھسیٹ کر گاؤں والوں کے سامنے لے گئے اور طالبان کا ساتھ دینے پر برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے میرے والد پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ طالبان کے ہتھیاروں کے ٹھکانوں کا بتائیں۔ ان کی بہت بے عزتی کی گئی اور جیل میں ڈال دیا گیا جس وقت ان کو جیل میں لے جایا گیا ان کی عمر 70 برس تھی۔ اس بے عزتی پر ہمارے دشمن بھی ہمارے ہمدرد بن گئے اور کہنے لگے کہ اب زندہ رہنے سے مرنا بہتر ہے۔ ہمارے کچھ خیر خواہوں نے پولیس میں جا کر رپورٹ درج کرا دی۔ جو لوگ کچھ مہینے پہلے ہمارے خلاف تھے وہ اب ہمیں سپورٹ کر رہے تھے۔ انہوں نے پولیس میں شکایت کی کہ افغان اہکاروں نے مسجد کی حرمت کو پامال کیا اور جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو گئے، ایک بوڑھے اور کمزور سے شخص پکڑ کر جیل میں ڈال دیا، جو کہ مسجد کا امام ہے۔ پھر 2003 کے شروع میں میرے والد وفات پا گئے۔ مرتے وقت

Marfat.com

ان کے آخری الفاظ تھے ہائے طالبان۔ ہائے اسلامی حکومت۔

میں اس وقت کافی چھوٹا تھا تب بھی پولیس نے مجھے دو مرتبہ گرفتار کیا ایک دفعہ میرے گھر سے اور دوسری مرتبہ مسجد میں سے، وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرتے تھے اور اتنے بے وقوفی والے سوالات پوچھتے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ وہ مجھ پوچھتے تھے کہ طالبان کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنا اسلحہ کہاں چھپایا ہے؟ میرے گھر والوں نے موٹر بائیک بیچ کر میری ضمانت کرائی۔ پولیس نے میرے بھائی کو بھی گرفتار کیا جو کہ ایک اسکول ٹیچر تھا۔ حتا کہ پولیس نے میرے ڈسٹرکٹ کے ایک 90 برس کے پیش امام کو بھی گرفتار کر کے ان کے ساتھ بدتمیزی کی۔ ان واقعات کی وجہ سے لوگوں کے رویوں میں تبدیلی آ رہی تھی اور اس کا ایک ... بد اور ملاؤں کے ساتھ براسلوک بھی تھا۔

☆☆☆☆☆

وزیرستان کے شہر وانا کے یونس کا کہنا تھا کہ پہلے پہل میں نے افغانیوں سے کبھی یہ نہیں سنا کہ وہ دوبارہ جنگ کیلئے تیار ہیں بلکہ عرب خود تو اس بارے میں مستعد تھے اور وہ افغانیوں اور مقامی قبائلیوں کو بھی غیرت دلاتے رہتے تھے۔ شروع کے ایک دو برسوں میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور طالبان اور دیگر قبائلی اپنی شکست تسلیم کر کے خاموش ہو کر بیٹھ گئے ان کا خیال تھا کہ اب قیامت قریب ہے کیونکہ امریکہ کا مقابلہ کرنا ممکن ہی نہیں اور اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق فرشتے بھی نہیں بھیجے، ان کے پاس جان اور خون تھا جس کے دریا انہوں نے بہا دئے مگر کچھ نہیں ہوا اس لئے اب قیامت کا انتظار کیا جائے تا کہ اللہ خود انصاف کردے۔ پھر اس کے بعد کچھ عربوں نے مل کر ٹریننگ کیمپس کو فعال کرنا شروع کیا۔ پہلا ٹریننگ کیمپ جس کے بارے میں سنا گیا وہ وانا کے نزدیک شن ورسک گاؤں کے قریب تھا۔ میں طالبان کی شکست کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کر سکا تھا، جب میں نے سنا کہ عربوں نے کوئی ٹریننگ کیمپ قائم کیا ہے اور وہ امریکہ سے لڑنے کے لئے دوبارہ تیاری کر رہے ہیں، اس وقت تک سب لوگ جہاد اور طالبان کو ماضی خیال کر کے صبر کر چکے تھے مگر میں نے فیصلہ کرلیا کہ اسکول کی چھٹیوں میں خود وہاں جا کر دیکھوں گا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ وہاں ایک نہیں دو تین کیمپ چل رہے تھے جن میں سے ایک عرب مجاہدین کا تھا جبکہ باقی چیچن اور ازبک مجاہدین چلا رہے تھے۔ ان کیمپوں میں لوگ تھے اور وہ پر جوش تھے کہ اپنی زندگی میں ایک بار پھر امریکیوں پر حملے کرنے جائیں گے، میں یہ دیکھ کر خوشی سے رو پڑا کہ اب بھی ایسے کچھ لوگ

Marfat.com

ہیں جو امریکہ سے دوبارہ جنگ لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ میری جان بھی حاضر ہے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں۔ میرے مدرسے کے استادوں کا شکریہ کہ جن کی وجہ سے میں نے عربی سیکھی جس سے کیمپ میں تربیت کے دوران میں نے مصری، یمنی، لبنانی اور سعودی لڑکوں سے دوستی کر لی۔ کمانڈر نیک محمد وزیر جو کہ ایک پاکستانی قبیلے کہ فرد تھے اور طالبان کے لیڈر تھے ان کو 2004 میں ایک ڈرون حملے میں شہید کر دیا گیا تھا انہوں نے عربوں کو اپنے علاقے میں پناہ دی اور ان کو اتنا بہادر بنا دیا کہ وہ بغیر کسی سکیورٹی کے مختلف گاؤں میں گھومتے پھرتے رہتے اور جہاں کوئی اسلحے کی سپلائی دکھائی دیتی اس کو لوٹ لیتے تا کہ امریکیوں پر حملے میں اسے استعمال کرسکیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی تعلیم چھوڑ کر طالبان میں شامل ہو جاؤں۔

☆☆☆☆☆

ملا آغا محمد بھی ایک افغان ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میرے والد 1994 میں وفات پا گئے اور مجھے میری ماں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری سونپ گئے۔ میرے پاس ملا عمر موومنٹ میں شامل ہونے کا وقت نہیں تھا۔ کئی برسوں تک مجھے اس بات کا افسوس رہا کہ میں جہاد میں شامل نہیں ہو سکا۔ 2001 میں طالبان کے زوال کے بعد پشاور کی جس مسجد میں، میں پیش امام تھا وہاں بہت سے زخمی آئے۔ مجھ سے اکثر نمازی پوچھتے تھے کہ میں نے جہاد میں حصہ کیوں نہیں لیا۔ میں نے اپنے جواب سے ان کو خاموش کرادیا، میں ان سے اکثر یہی سوال کرتا تھا کہ اب کون سے مجاہدین لڑ رہے ہیں جن کا ساتھ دیا جائے، کوئی بھی میرے اس سوال کا خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا۔ مگر دل میں اپنے آپ کو ضرور لعن طعن کرتا تھا کہ میں کیوں جہاد میں شریک نہیں ہوا۔ پھر ایک دن میں نے ایک نوجوان افغان کا نام سنا، عزیز اللہ جو کہ اس وقت افغانستان کی بگرام جیل میں مقید ہے۔ میں اس کے گھر گیا اور اس سے امریکیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر وہ مجھ سے جھوٹ بولنے لگا اور کہنے لگا کہ اس کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں وہ تو ایک غریب لڑکا ہے۔ ایک دن میں نے اس کو مسجد جاتے ہوئے دیکھا تو اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ اب بھی گھبرایا ہوا لگ رہا تھا مگر آخر کار وہ میری مدد کرنے پر راضی ہو گیا۔ اس نے مجھے وزیرستان کے قریب ایک تربیتی کیمپ میں بھیجا اور ساتھ میں ایک تعارفی خط بھی دیا جس سے مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور میں ان مجاہدین تک پہنچ گیا جو امریکیوں پر حملوں کی تیاری کر رہے تھے۔

Marfat.com

☆☆☆☆☆

حقانی کا کہنا ہے کہ 2003 کے شروع میں، میں اور میرے خاندان نے پشاور کے نزدیک ایک کرائے کے گھر میں رہائش اختیار کر لی۔ یہ 2001 میں طالبان کی شکست کے بعد سے پہلا موقع تھا کہ میں باقاعدہ کسی گھر میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے اپنا خاص طالبان کا لباس بھی پہننا چھوڑ دیا تھا، پھر اچانک طالبان کے وزیر دفاع ملا عبیداللہ میرے گھر تشریف لائے۔ وہ عجیب شکل میں تھے، داڑھی چھوٹی کر لی تھی اور فیشن والے کپڑے پہن رکھے تھے۔ 2001 کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ طالبان کے کسی بڑے عہدیدار سے میری ملاقات ہو رہی تھی، انہیں زندہ اور اپنے سامنے دیکھ کر میں رو پڑا۔ وہ ان دنوں پورے پاکستان میں طالبان کے بکھرے شیرازوں کو اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ ان کی محنت کی وجہ سے طالبان کی آدھی سے زیادہ لیڈرشپ دوبارہ فعال ہو چکی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہم لوگ دوبارہ سے جہاد کیلئے افغانستان میں جا رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ ناممکن ہے اور ہم امریکیوں سے نہیں لڑ سکتے، روس کی بات اور تھی مگر اب امریکی بم تو نظر بھی نہیں آتے۔ پھر بھی انہوں نے مجھے یقین دلایا اور اپنی مدد کرنے کیلئے راضی کر لیا۔ انہوں نے مجھے دو ہفتے بعد اپنی بتائی ہوئی جگہ پر ملنے کو کہا۔ دو ہفتے بعد میں جب مقررہ جگہ پر پہنچا تو حیران رہ گیا کہ میٹنگ میں افغان جہاد کے مرکزی کردار موجود تھے۔ سابق طالبان وزیر اور فوجی کمانڈر سب ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور آپس کے سب جھگڑوں کو بھلا کر امریکیوں سے لڑنے کو تیار تھے، یہ سب لوگ شرمندہ تھے کہ آخر وہ کیوں زندہ بچ گئے، اگر وہ بھی امریکی بموں سے مارے جاتے تو کم از کم یہ ذلت تو نہ دیکھنے کو ملتی، اب یہ سب لوگ ایک بار پھر ہمت اور ہتھیار جمع کر کے افغانستان جانے کو تیار تھے۔ ملا عبیداللہ نے مجھے بتایا کہ ہمیں آپ کی بیوروکریٹ اور وزیر کی حیثیت سے کوئی ضرورت نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ سے جتنا ہو سکے مجاہدین کو تیار کر کے میدان جنگ افغانستان میں لے کر آئیں۔

☆☆☆☆☆

آخند زادہ اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ ایک دن ایک شخص سبزی خریدنے کیلئے آیا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ وہ ایک طالبان کمانڈر تھا اور شمالی افغانستان میں کئی سالوں تک برسرپیکار رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اسی طرح سبزیاں فروخت کرتے رہو گے یہ پھر سے جہاد پر چلنے کا ارادہ ہے۔ میں اس وقت

Marfat.com

2000 روپے روزانہ کمارہا تھا مگر دل انتہائی غمگین تھا اور ہر روز طالبان حکومت اور شرمناک شکست کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اگر دوبارہ سے جہاد شروع ہو تو میں پھر سے شامل ہو جاؤں۔ جب اس کمانڈر نے مجھے بتایا کہ میں دوبارہ سے جہاد میں شامل ہو سکتا ہوں تو میں فوری طور پر راضی ہو گیا۔ اسی رات میں ایک میٹنگ میں شرکت کیلئے گیا جو کہ پشاور کے نزدیک کسی مقام پر منعقد کی گئی تھی۔ میری اس وقت حیرت کی انتہا نہیں رہی جب میں نے اپنے بڑے بڑے کمانڈروں کو وہاں زندہ پایا۔ ملا داداللہ جو کہ میرے لئے ایک مثالی کردار تھے اور ان کا نام ہی فتح کیلئے کافی تھا وہ اپنی ایک ٹانگ کے ساتھ وہاں موجود تھے اور امریکیوں کو حیرت انگیز قسم کی گندی گالیاں دیتے ہوئے سب کو شرم دلا رہے تھے کہ ہم جان بچا کر فرار ہو گئے اور اسلامی حکومت ختم ہو گئی مگر ہم نے بدلہ نہیں لیا۔ میرا سبزی فروشی میں سارا دھیان یک دم ختم ہو گیا اور میں وہیں پر زور زور سے رونے لگا مگر یہ غم کا رونا نہیں تھا بلکہ خوشی کا رونا تھا کہ خدا نے مجھے ایک موقع دے دیا کہ میں دوبارہ افغانستان جاؤں اور امریکہ سے بدلہ لوں۔ اس میٹنگ کے چھ مہینے بعد مجھے میران شاہ بلایا گیا، جہاں ملا داداللہ پہلے سے موجود تھے ان کو 2007 میں شہید کر دیا گیا، ملا اختر محمد عثمانی، ان کو دسمبر 2006 میں شہید کیا گیا اور ملا عبیداللہ)، ان کو مارچ 2007 میں پاکستانی فورسز نے گرفتار کر لیا تھا، بھی یہاں موجود تھے۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر کمانڈر اپنے ساتھیوں کو تلاش کر کے ان کو دوبارہ تیار کرے گا، انہیں کیمپ میں لے جا کر تربیت دلائے گا اور پھر جہاد میں شامل ہو جائے گا۔ مجھے کوئٹہ بھیجا گیا جہاں میرے یونٹ کے طالبان نے پناہ لے رکھی تھی۔ میری کمانڈ میں کل 400 جنگجو تھے۔ کوئٹہ میں مجھے ان میں سے صرف 15 جنگجو ملے، باقی سب مارے جا چکے تھے، ان کو میں نے افغانستان میں جہاد کے بارے میں غیرت دلائی تو وہ میرے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئے۔ یہ سب لوگ پہلے سے کافی شرمندہ تھے اور اسلامی حکومت کے خاتمے پر سخت بے چین بھی تھے مگر انہیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ شمالی وزیرستان میں ہم نے مزید ٹریننگ لی، نیا اسلحہ لیا اور نئے بندوں کو ساتھ لے کر کے افغانستان لوٹ گئے، اس وقت ہمارے دل انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور ہر آدمی مرنے پر تیار تھا۔

☆☆☆☆☆

محمد آغا کا کہنا ہے: میں اپنے گھر والوں کو چھوٹے بھائی کے سپرد کر کے خود جنوبی وزیرستان چلا گیا۔ میرا سفر ایک مسجد پر ختم ہوا جو کہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں بنی ہوئی تھی

جہاں ایک ملا نے عزیز اللہ کا دیا ہوا خط پڑھا اور مجھے اور اندر پہاڑوں پر کسی خفیہ مقام پر لے جانا شروع کردیا جو کہ پوری طرح سے پہاڑوں، جھاڑیوں اور درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں جگہ جگہ چیک پوائنٹس بنے ہوئے تھے جن پر مسلح مجاہدین تعینات تھے جو کسی مقامی شخص کو بھی وہاں سے گزرنے نہیں دے رہے تھے۔ تھوڑا آگے جا کر ہمیں 30 کے قریب مسلح افراد نے روک لیا جن میں سعودی، یمنی اور مصری افراد شامل تھے۔ انہوں نے بہت سخت اور شک والے انداز میں مجھ سے سوالات کیے۔ ایک اور سینئر عرب نے میرا تفصیلی انٹرویو لیا، اس کا اصرار اس بات پر تھا کہ میں نے ملا عمر کی تحریک میں شامل ہوکر جہاد کیوں نہیں کیا۔ کچھ گھنٹوں بعد مجھے سب سے بڑے لیڈر کے پاس لے جایا گیا۔ ابو خباب المصری، یہ ایک سینئر القائدہ لیڈر اور بم بنانے کے ماہر تھے جو کہ جولائی 2008 میں ڈرون اٹیک میں شہید ہوگئے تھے، یہبہت ہی خوش اخلاق تھے دوسرے لیڈروں کی طرح خشک مزاج نہیں تھے۔ وہ میرے برابر میں زمین پر بیٹھ گئے اور مجھ سے اس جہاد کا حصہ بننے کا سبب پوچھنے لگے اور پوچھا کہ میں ان کی کس طرح سے مدد کرسکتا ہوں۔

بہت کم عرب اور دوسرے جہادیوں کو اس پہاڑی پر آنے کی اجازت تھی۔ یہاں پوری طالبان قیادت رہتی تھی۔ جو بڑے بڑے جہادی ستارے وہاں رہائش پذیر تھے، ان میں ابو لیث الیبی، ایک گوریلا وار ایکسپرٹ جنہیں جنوری 2008 میں ڈرون اٹیک کے دوران شہید کیا گیا، ابو ہمزہ رابیہ ان کا شمار بھی القائدہ کے سینئر رہنماؤں میں ہوتا ہے، انہیں 2005 کے آخر میں شہید کیا گیا، شامل تھے۔ وہاں پر خوراک اور پیسے اتنے نہیں تھے۔ مجھے یہی لگتا تھا کہ مجاہدین اس وقت مایوسی کا شکار ہیں مگر تھوڑے دنوں میں عرب، مقامی مجاہدین سے گھل مل گئے اور بہت جلد مقامی قبائلیوں کو کیمپ میں آنے کی اجازت مل گئی جس سے ہمیں وافر مقدار میں کھانا، پیسے اور دوسری ضروریات کا سامان ملنے لگا اور کچھ قبائلیوں نے تو ہمارے لئے اپنے گھروں سے مشین گنیں اور راکٹ لانچر تک لا کر دئے، وہ اس بات پر خوش تھے کہ عرب مجاہدین امریکیوں سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں اور ہمت ہارے نہیں۔

☆☆☆☆☆

یونس اپنی کہانی آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارے کیمپ میں 150 کے قریب عرب اور تھوڑے افغان، چیچن اور مقامی قبائلی تھے۔ عرب مجاہدین ہمیں سکھاتے تھے کہ کلاشنکوف کیسے چلاتے ہیں، خاص کر کم فاصلے پر مار، کس طرح کرنی ہے۔ عرب استاد ہمیں

دشمن کے بارے میں انٹیلی جنس جمع کرنا سکھاتے تھے اور مارٹرز اور راکٹ بھی چلانا سکھاتے تھے۔ یہاں ایک دوستانہ ماحول بن گیا تھا اور ہمارے درمیان ایثار کا جذبہ اس قدر تھا کہ ہم ایک دوسرے کیلئے اپنی جان نچھاور کرتے تھے۔ 2003 کے شروع میں موسم تبدیل ہوگیا اور سخت سردی پڑنے لگی جس کی وجہ سے کیمپ بند کرنا پڑا۔ مگر مجھے کمانڈر نے مارچ میں دوبارہ بلالیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مقامی قبائلی کمانڈر نیک محمد کے ساتھ کام کر رہے ہیں جس میں وہ پہلی دفعہ بارڈر پار جاکر امریکیوں پر حملہ کریں گے۔ نیک محمد کی مدد کے باوجود ہمارے پاس صرف 50 ہتھیار تھے جبکہ مجاہدین کی تعداد 200 کے قریب تھی جنہوں نے ٹرینگ لی تھی۔ اس لئے صرف پچاس مجاہدین، جن میں 2 درجن کے قریب عرب، تین چار افغان اور کچھ وزیری اور محسود قبائلی تھا اور ایک میں، ہم سب کو اسلحہ دے کر بارڈر پار، امریکیوں پر پہلے حملے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

محمد نے اپنی کہانی آگے بڑھاتے ہوئے بتایا کہ کیمپ میں، میں نے جو سب سے پہلی چیز سیکھی وہ گولی چلانا اور کلاشنکوف کی دیکھ بھال تھی۔ اس کے بعد ہمیں گوریلا جنگ اور گھات لگا کر حملے کی پہاڑوں پر دن رات مشق کراتے رہے۔ عربوں نے ہمیں کھاد اور ڈیزل فیول کی مدد سے دھماکہ خیز مواد بنانا سکھایا اور پھر اس کو ایک مکمل بم کی شکل میں لانا سکھایا، بم کے ساتھ ڈیٹونیٹرز اور موبائل فون کے ساتھ اس کو پھاڑنے کا طریقہ بھی سکھایا گیا۔ اس کے علاوہ ہمیں اس بم کو اندھیرے میں چھپانا بھی سکھایا گیا۔ وہاں کے اصول بہت سخت تھے اور جو ،ان کی پیروی نہیں کرتا تھا اس کے ساتھ سختی برتی جاتی تھی۔ ہمیں صبح صادق سے پہلے جسمانی ورزش کیلئے جگا دیا جاتا تھا۔ ہمیں رات کو جاگنے کی بھی تربیت دی جاتی تھی تاکہ کسی حملے کی صورت میں ہم فوری تیار ہو جائیں۔ میں نے اس طرح کے اصول وضوابط افغان ٹرینگ کیمپوں میں نہیں دیکھے تھے۔ عرب کہتے تھے کہ اگر ہم سخت تربیت نہیں لیں گے تو اللہ بھی ہماری مدد نہیں کرے گا جیسا کہ امریکہ کے ساتھ مقابلے میں ہوا۔ دو ماہ کی سخت ترین ٹرینگ کے بعد ہمیں محاذ کیلئے اجازت دے دی گئی۔ ہمارے ساتھ کل 200 لڑکے تھے جن میں 40 کے قریب افغان، 160 مقامی قبائلی اور کچھ پنجابی لڑکے شامل تھے۔ ہم سب کو 10 گروپس میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر گروپ کے ساتھ تین چار عربوں کو استاد کے طور پر ساتھ کر کے ہماری کمان سونپ دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہم پورے افغانستان میں پھیل گئے کچھ خوست

Marfat.com

اور پکتیا صوبے میں چلے گئے اور کچھ کو غزنی اور قندہار بھیجا گیا۔ ہمارے تین گروپ باڈر کراس کرتے ہوئے امریکی بمباری کا شکار ہو گئے اور وہاں سے واپسی بھی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ہمیں جلدی سے بھاگنا تھا اور لوگوں کی نظروں سے چھپنا تھا، ہمیں ہدایت دی گئی تھی کہ کسی گاؤں کے قریب نہیں جانا کیونکہ اس وقت سارے گاؤں دیہات امریکہ کے اتحادی بنے ہوئے تھے اور ہر جگہ امریکہ کے مخبر پھیلے ہوئے تھے۔ ہمیں سورج نکلنے سے پہلے پہلے پہاڑیوں میں جا کر چھپنا تھا۔

☆☆☆☆☆

قاری یونس نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: اپریل 2003 کی ایک رات ہم نے 5 پک اپ اور ایک بڑے ٹرک میں بارڈر کراس کیا، ان گاڑیوں میں ہم بارڈر کراس کر کے گاڑیاں واپس بھیج دیتے تھے تاکہ پیچھے آنے والے ان گاڑیوں کی مدد سے آجائیں۔ اس دفعہ ہمارا ٹارگٹ ایک امریکی فوجی اڈہ تھا جو کہ بارڈر سے تھوڑی دور پکتیکا صوبے میں واقع تھا۔ ہم نے صبح صادق کے وقت حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے 30 منٹ تک مسلسل بیس پر 122 ملی میٹر کے راکٹ اور مارٹر برسائے مگر ہم پھر بھی ہم بیس کے قریب جانے میں ناکام رہے تاکہ ان پر کلاشنکوف سے حملہ کرتے، کیونکہ تھوڑی دیر میں ہی امریکی ہیلی کاپٹروں نے آ کر ہم پر راکٹوں کی برسات کر دی۔ قیامت کا منظر تھا، جس وقت ہم پر بمباری ہو رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے اپنی جان ایک گڑھے میں چھپ کر بچائی، ہمارے 6 ساتھی شہید ہو چکے تھے جن میں دو عرب ایک افغان اور تین قبائلی تھے۔ میری سانس کافی دیر تک بحال نہیں ہوئی تھی۔ مگر ہمارے عرب استادوں نے کہا کہ بھاگنا مت، ایک بار پھر امریکیوں پر حملہ کرو تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ ان کی بمباری سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا، جو شہید ہو گیا، وہ بہتر جگہ چلا گیا، اس کی فکر مت کرو۔ ہم نے ایک بار اپنی ہمت جمع کی اور ایک بار پھر بھرپور حملہ کیا اور امریکی اڈے پر راکٹ برسائے پھر ہم نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کی کٹی پھٹی لاشوں کو اٹھا کر واپس وانا، پاکستان آ گئے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ طالبان امریکیوں پر حملہ کر کے آئے ہیں تو ہر طرف ایک دھوم مچ گئی اور سب ہمیں دیکھنے جمع ہونے لگے، کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ امریکیوں پر حملہ کرنے کے بعد ہم زندہ واپس آ گئے ہیں، لوگ آ آ کر ہمیں چومتے تھے اور ہر کوئی ہماری دعوت کرنا چاہتا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں مقامی قبائلیوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور مجھے ایک اعزاز ملا کہ میں اتنے بڑے بڑے مجاہدین کی آخری رسومات میں

Marfat.com

شریک ہوا۔ لوگ اپنے ساتھ پھول، ربن اور رنگ برنگے کپڑے لے کر آرہے تھے جس سے وہ ان شہیدوں کی قبروں کو سجا رہے تھے۔ جیسے ہی افغانستان میں امریکی اڈے پر ہمارے پہلے اور کامیاب حملے اور کچھ مجاہدین کی شہادت کی خبر پھیلی ہمارے وہ ساتھی جواب تک نہیں آسکے تھے، وہ سب جمع ہو گئے اور ہمارے ساتھ افغانستان جانے کی تیاری کرنے لگے۔

☆☆☆☆☆

حقانی نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: جب افغانستان میں ہم نے دوبارہ جہاد شروع کر دیا تو عرب اور عراقی مجاہدین بھی ہمارے پاس آنے لگے جن سے ہم انٹیلی جنس کا تبادلہ کرتے تھے اور وہ ہمیں جدید ہتھیار اور دھماکہ خیز مواد مہیا کرتے اور بنانا بھی سکھاتے تھے۔ انہوں نے خودکش جیکٹ بنانے کی بھی ہمیں تربیت دی جو وہ عراق میں امریکی افواج کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ امریکیوں کا عراق پر حملہ ہمارے لئے بہت کام کا ثابت ہوا کیونکہ اس سے امریکی افواج کی توجہ بٹ گئی۔ 2004 سے پہلے ہم لوگ روایتی ہتھیار استعمال کر رہے تھے مثلاً کلاشنکوف اور راکٹ لانچر جو ہم روس کے خلاف بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ مگر 2004 کے بعد ہماری مزاحمت اور بھی خطرناک صورت اختیار کر گئی جو کہ نئے ہتھیاروں اور تیکنیکس کا نتیجہ تھا۔ یہ تربیت ہمیں عرب اور عراقی مجاہدین نے دی تھی، ان کا کہنا تھا کہ اب دنیا میں ہمیں کہیں سے ہتھیار نہیں ملیں گے کیوں کہ پوری دنیا ہم سے لڑنے آگئی ہے، اس لئے ہمیں اپنے ہتھیار خود بنانا پڑیں گے اور ہمیں خطرناک اور بڑے بم بنانے ہوں گے۔ یہ بڑے اور بہتر دھماکہ خیز بم جو کہ سڑک کنارے رکھ کر ہم امریکی قافلوں کو اڑا دیتے تھے یا پھر خودکش حملے میں کام آتے تھے۔

☆☆☆☆☆

خان نامی طالبان نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: 2004 میں ہم نے سنا کہ غزنی کا کنٹرول دوبارہ طالبان کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ میرے دوستوں اور رشتہ داروں نے بتایا کہ رات کے وقت گاؤں میں مسلح طالبان موٹر بائیکوں پر گشت کرتے ہیں۔ اس وقت تک لوگ طالبان کو دیکھنے کو ترس گئے تھے اور امریکی مظالم پر عورتیں جھولیاں پھیلا کر طالبان کو یاد کرتی تھیں۔ جب ہمیں اطلاع ملی کہ رات کو طالبان آتے ہیں تو کئی لوگ تو صرف طالبان کی ایک جھلک دیکھنے اس علاقے میں گئے۔ تھوڑے عرصے بعد مسلح طالبان ہر جگہ نظر آنے لگے۔ پھر ہمیں پہلی دفعہ طالبان نے شب نامہ دیا، یہ ایک کوڈ سوال ہوتا ہے جس کا جواب

Marfat.com

آپ کو آنا چاہیے۔ رات کے وقت اگر آپ گھر سے باہر نکلیں اور طالبان سے سامنا ہو جائے تو وہ آپ سے شب نامہ سوال پوچھیں گے اور جواب نہیں دینے پر آپ کو دشمن کے شبے میں قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ طالبان کے خطوط مختلف مساجد، اسکول اور دفتروں میں دیئے گئے جس میں امریکیوں کی مدد کرنے والے کو سخت سزا دینے کا لکھا ہوا تھا۔ طالبان نے پولیس آفسروں، سرکاری آفسروں، مخبروں اور ان نوجوانوں کو ٹارگٹ کرنا شروع کر دیا تھا جو کسی طرح سے بھی افغان حکومت یا امریکی فوج سے منسلک تھے۔ پھر ایک دن آدھی رات کو ہمارے گھر کا دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ میرے گھر والے پریشان ہو گئے کہ کہیں افغان فوجی دوبارہ مجھے اور بھائی کو گرفتار کرنے آگئے ہیں مگر میں نے ہمت کر کے دروازہ کھولا تو سامنے اپنے والد کے ایک شاگرد کو کھڑا پایا جس کے کندھے پر کلاشنکوف لٹکی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے دو اور لڑکے تھے جن کے جسم پر ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ یہ 2001 کے بعد سے پہلا موقع تھا جب میں طالبان کو آمنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ خوشی سے میں رونے لگا اور انہیں چومنے لگا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ ہمارے گھر پر رات گزاری صبح کو میں ان کو ساتھ لے کر مسجد چلا گیا جہاں انہوں نے ان لوگوں کے نام لئے جو کسی بھی حوالے سے کرزئی حکومت اور امریکی افواج کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور ان کو خبردار کیا کہ وہ ان سب کاموں کو چھوڑ دیں۔ اس نے ان سب لوگوں کو ایک ہفتے کا الٹی میٹم دیا اور اگلے ہفتے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

محمد نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: شکست کے بعد جب دوبارہ مجاہدین کے دستے افغانستان میں جانا شروع ہوئے تو وہ پوری طرح سے تربیت یافتہ اور ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان کی کمانڈ بھی عرب مجاہدین کر رہے تھے۔ جبکہ افغان مجاہدین کمزور اور بدانتظامی کا شکار تھے۔ مگر آہستہ آہستہ صورتحال بہتر ہونا شروع ہو گئی۔ امریکیوں کی بے رحمانہ بمباری اور کرزئی کرپٹ حکومت کی وجہ سے لوگ دوبارہ سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور ہماری مقبولیت میں اضافہ ہو رہا تھا، اس لئے اب ہمیں مزید چھپنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ نے ہمیں معاف کر دیا تھا اور ہمارا خون قبول کر لیا تھا، فرشتے ہماری مدد کو اتر آئے تھے اور مشکل وقت گزر گیا تھا۔ اب ہم نے لوگوں کے سامنے آ کر امریکیوں پر حملے کرنے شروع کر دیے تھے۔ جب بھی کسی گاؤں والے کی ہم پر نظر پڑتی وہ ہمارے لئے سبز چائے اور کھانے کا انتظام کرنا شروع کر دیتا تھا۔ لوگ ہمیں کھانا کھلائے بغیر اپنے گاؤں سے آگے نہیں جانے دیتے تھے اور ہمیں

Marfat.com

اس طرح عزت دیتے تھے کہ جیسے ہم فرشتے ہوں۔ کرزئی حکومت اور پولیس قیدیوں کی طرح چھپ گئی تھی۔ جب ہم پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے تو پھر رونا شروع ہو جاتے کہ اللہ نے ہم سے کیا سخت امتحان لیا اور ہم نجانے کیسے اسے پاس کر کے دوبارہ اچھے دور میں داخل ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆

یونس نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: پہلے کچھ حملوں کے بعد ہمیں لگا کہ اللہ نے ہمارے اوپر انعامات، پیسوں کی بارش کر دی ہے، مجھے بتایا گیا کہ گلف اور عرب سے پیسہ پانی کی طرح بہہ کر ہم تک پہنچ رہا ہے۔ لوگ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لئے بے تاب تھے اور مال دولت حد سے زیادہ ہو گیا تھا. ہمارا اصل جہاد 2005 میں شروع ہوا۔ جلال الدین حقانی کے قبائلی جنگجو ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے کیونکہ امریکی اور پاکستانی فوجوں نے مل کر ان کے بھائی اور رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا تھا۔ حقانی نے اپنے بیٹے سراج الدین کو مزاحمت کا حصہ بنایا اور یہیں سے افغان جہاد نے ایک نیا موڑ کاٹا۔ افغانستان کے صوبے پکتیکا، پکتیا اور خوست کے اکثر گاؤں میں سمجھا جا رہا تھا کہ طالبان کو شکست ہو چکی ہے اور وہاں کے نوجوان امریکی ملیشیا اور مقامی وار لارڈز میں شامل ہو رہے تھے اور ہماری مخبری کرتے اور ہمارے خلاف لڑتے تھے۔ حقانی کی مدد سے ہم نے کچھ افغانوں کو پکڑا جو امریکی ملیشیا میں کام کر رہے تھے، ان کے گھر والوں کو ڈرا دھمکا کر گاؤں چھوڑنے کی ہدایت کی اور آہستہ آہستہ ہمارا کنٹرول بحال ہونا شروع ہو گیا۔ اللہ نے امتحان کے بعد دوبارہ ہمیں فتح دے دی تھی اور علاقے میں دوبارہ طالبان کا پرچم لہرانے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆

غزنی کے خان نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: میرے والد کا شاگرد اپنے وعدے کے مطابق ٹھیک ایک ہفتے بعد واپس آیا۔ میں نے اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا اور میں نے اس کو امریکی اتحادیوں کی نشاندہی بھی کر دی۔ میرا ان لوگوں کو مروانا مقصد نہیں تھا، بلکہ میں دوبارہ سے اسلامی ریاست کا قیام، امریکیوں ان کے اتحادیوں اور غداروں سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ 2005 کے آخر تک غزنی میں طالبان کا مورال بڑھ گیا تھا۔ میری طرح اور بھی مقامی افغان لڑکے اور پاکستانی ہم سے آکر مل رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں ہتھیاروں کی کھیپ ملنا شروع ہو گئی تھی۔ جن میں RPGs، راکٹس، مائنز اور بم شامل تھے مگر وہ اتنے پرانے اور زنگ آلود تھے کہ استعمال نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ وہ اسلحہ تھا جو کمانڈروں نے

Marfat.com

روسی دور سے غاروں میں چھپا کر رکھا تھا اور اب اسے نکال رہے تھے۔ میرے گروپ کے پاس تین RPG لانچر تھے اور ایک مارٹر گن تھی، ہر کسی کے پاس بہت کم مقدار میں گولیاں تھیں، ہمارے پاس کچھ روسی مائنز تھیں جو وقت پر صرف 30 فیصد کارآمد تھیں اور ابھی تک ہمارا گروپ بم بنانا نہیں سیکھ سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم امریکی کانوائے پر بہت کم حملہ کرتے تھے، پہلے پہل ہمیں اتنی کامیابی نہیں ملتی تھی کیونکہ ہمارے فائر کیے گئے مارٹر نشانے پر نہیں لگتے تھے مگر ایک فائدہ یہ ہوگیا تھا کہ امریکیوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ ان کا مقابلہ کرنے والے ابھی باقی ہیں۔ امریکی اور ان کے اتحادی عام لوگوں کو گرفتار کر کے ان پر تشدد اور ہلاک کر کے غلطیاں کر رہے تھے۔ غزنی شہر میں ایک گاؤں ہے جس کے رہائشی روس کے دور سے کمیونسٹ ذہن رکھتے ہیں اور امریکیوں سے بغض کے نتیجے میں ہمیں سپورٹ کرتے ہیں۔ پولیس نے اس گاؤں میں ریڈ کردی، مسجد میں گھس کر بزرگوں کو مارا پیٹا اور گرفتار کر کے لے گئے اور الزام یہ لگایا کہ وہ طالبان ہیں۔ پھر ان کو بھاری رقم دے کر پولیس سے چھڑایا گیا۔ اس واقعے کے بعد وہاں کے بزرگوں نے ہمیں خط لکھا جس میں روسی دور حکومت میں مجاہدین کے خلاف کام کرنے پر معافی مانگی گئی تھی اور اب جہاد میں شریک ہونے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

آخندزادہ نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: افغان مجاہدین اور طالبان پر بہت سی نظمیں ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے مجاہدین نے سنگین حالات میں گاؤں دیہاتوں کو آزاد کرایا تھا۔ میں نے اس نظم کو ذہن نشین کر لیا تھا جس سے مجھ میں ایک نیا جذبہ آ گیا تھا اور میری ساری نفسیاتی بیماریاں ختم ہو جاتیں تھیں۔ جیسے جیسے ہماری شہرت کا چرچا ہو رہا تھا، لوگ ہمارے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ میں بھی اس قابل ہو گیا تھا کہ ایک نیا گروپ تشکیل دے دوں۔ نئے آنے والے زیادہ تر نوجوان تھے وہ پہلے سے موجود طالبان کے مقابلے میں زیادہ پرجوش تھے اور خالی ہاتھوں ہی امریکیوں پر پل پڑنے کو تیار تھے، یہ لوگ نا تو امریکی بموں سے ڈرتے تھے اور نا ہی ان کے جہازوں سے، مگر ہمارے گروپ کے پاس اسلحے اور پیسوں کی کمی تھی۔ اس سلسلے میں، میں نے ملا داداللہ سے رابطہ کیا۔ وہ 2006 کے شروع میں صرف 30 لڑکوں کے ساتھ ہلمند چلے گئے تھے اور جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ 300 کے قریب کمانڈر تھے اور ہر کمانڈر کے ساتھ اس کا ایک دستہ تھا اس کے علاوہ انہوں نے خودکش حملوں کیلئے رضاکاروں کو بھی بھرتی کیا تھا۔ خدا کی قسم ان کی واپسی ایسی تھی

جیسے افغانستان میں پانچ برس بعد بارش ہو رہی ہو۔ ملا داد اللہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے کہ اللہ کی قسم ہمارا امتحان پورا ہوا، اب اللہ ہم سے راضی ہو گیا ہے اور ہم امریکیوں کو بتا دیں گے کہ جنگ کیا ہوتی ہے، ہم دوبارہ اسلامی حکومت قائم کر دیں گے۔ میں نے ان کو اپنی ضروریات کی لسٹ دی۔ انہوں نے لسٹ پڑھنے سے پہلے ہی میری طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا کہ میں زندہ رہوں یا شہید ہو جاؤں مگر امریکیوں سے جنگ میری امید سے بھی بڑھ کر ہونی چاہئے، ہم افغانستان کا کنٹرول سنبھالنے کیلئے واپس آ گئے ہیں۔ اگلے دن انہوں نے مجھے بلایا اور اپنی کاپی میں سے ایک صفحہ نکالا اور اس پر کچھ لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ اس پر ایک آدمی کا پتہ لکھا تھا اور مجھے اس سے ملنے کی ہدایت دی گئی تھی، وہ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں اس شخص سے ملنے وزیرستان آیا اور اس شخص کو ڈھونڈا، اس نے ملا داد اللہ کا خط دیکھا تو اس خط کو بوسہ دیا۔ پھر دو ہفتے بعد اس شخص نے مجھے مطلوبہ اسلحہ مہیا کر دیا، یہ اتنا ہی تھا جتنا میرے گروپ کو ضرورت تھی۔ ملا داد اللہ نے اس طرح کے کافی خط مختلف کمانڈروں کو دیے تھے۔

☆☆☆☆☆

محمد نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: مجھے ایک دفعہ دھماکہ خیز مواد زابل پہچانے کا حکم ملا۔ کسی وجہ سے اس میں ریموٹ کنٹرول ڈوائس رکھنا بھول گئے۔ پھر مجھے فوری طور پر جو چیزیں رہ گئیں تھیں، انہیں پہچانے کا کہا گیا۔ میں واپس وزیرستان آیا اور پھر میں نے یہ ساری چیزیں سفری بیگ میں کپڑوں ادر کتابوں کے درمیان چھپا دیں۔ طورخم پاس پر پاکستانی پولیس نے میرے بیگ کی تلاشی لینا چاہی۔ مجھے پتہ تھا کہ اب میں پکڑا جاؤں گا اس لئے میرا اس وقت دل چاہا کہ میں کہیں بھاگ جاؤں مگر میں بھاگ کر جاتا بھی کہاں۔ میں نے بیگ کی چابیاں ڈھونڈنی شروع کر دیں پیچھے بہت لمبی قطار لگی ہوئی تھی، پولیس والے نے جھنجلاہٹ میں آکر مجھے غصے سے بارڈر کے اس پار دھکیل دیا۔ ایک اور رات میں کابل کے ہوٹل میں تھا اور مجھے ریموٹ کنٹرول ڈیوائس کی ترسیل کا کام سونپا گیا تھا۔ افغان پولیس اور انٹیلی جنس سارے مسافروں کا سامان چیک کر رہی تھی۔ میں اور میرے ساتھیوں نے اپنے بیگ جن میں سامان تھا باتھ روم میں چھپا دیے۔ پولیس نے ہماری جیبوں کی تلاشی لی مگر اللہ نے باتھ روم کی طرف سے ان کو اندھا کر دیا اور وہ وہاں کی تلاشی لئے بغیر چلے گئے۔ اگر وہ یہ سامان ڈھونڈ لیتے تو میری پوری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزرتی۔ ان سب واقعات سے ہمارے حوصلے

Marfat.com

بڑھ گئے اور اپنے رب پر اور بھی پختہ ایمان ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

حقانی نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: 2007 میں شکست کے بعد میں پہلی دفعہ افغانستان واپس آیا تو دل خوش ہو گیا، طالبان کی حکومت پھر کئی صوبوں میں قائم ہو چکی تھی۔ میں نے جنوبی حصوں کا دورہ کیا اور طالبان کے ترجمان سے بات کی۔ ملا عمر مجھ پر اس سلسلے میں بھروسہ کرتے تھے کہ میں شمالی اور جنوبی حصوں میں لوگوں کا اعتماد حاصل کر کے ان کو جہاد کی دعوت دوں اور مدد کی درخواست کروں۔ صرف اگست کے مہینے میں، میں نے 20 دن میں 8 افغان صوبوں کا دورہ کیا۔ لوگوں کی کرزئی حکومت سے بے رغبتی ہمارے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔ 2005 میں لوگوں کا سوچنا تھا کہ کرزئی حکومت کوئی تبدیلی لے کر آئے گی، مگر اب زیادہ تر افغان شہریوں کا ماننا یہ ہے کہ طالبان ہی افغانستان کا مستقبل ہیں۔ دن بدن مزاحمت بڑھتی جا رہی ہے۔ طالبان کا کہنا تھا کہ گھڑیاں بیشک تمہارے پاس ہیں مگر وقت ہمارا چل رہا ہے یہاں پیدا ہوئے، ہمیں یہیں مرنا ہے، اور ہم کہیں نہیں جا رہے۔

☆☆☆☆☆

مسیح الدین نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: برگ متل پہاڑ کی چوٹی پر امریکیوں کا ایک بیس تھا جہاں سے وہ ہماری فون کالز اور واکی ٹاکی کی مانیٹرنگ کرتے تھے اور افغان مخبروں کو بھی ہمارے خلاف استعمال کرتے تھے۔ ہم نے جون میں اس بیس پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ اگر امریکی اوپر سے ہم پر پتھر بھی برسائیں تو ہم میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا یہ سن کر سب ساتھی ہنس پڑے مگر اس کی بات میں سچائی بھی شامل تھی۔ ہم نے حملے کا فیصلہ کر لیا اور میں نے ان سے رضا کاروں کو بھرتی کرنے کا کہا جو کہ ہماری مدد کرتے اور زخمیوں کو اسٹریچر اور خچروں کے ذریعے نیچے لے کر جاتے۔ جب ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو بہت مشکل پیش آئی کیونکہ ہمارے پاس عام چمڑے کی چپلیں تھیں جو کہ صحیح سے گرپ نہیں کر پا رہیں تھیں اور ساتھیوں کے نیچے گرنے کا خطرہ تھا۔ میں نے اس مشن کو دو ھفتے کیلئے ملتوی کر دیا۔

☆☆☆☆☆

خان نے اپنی کہانی آگے بڑھاتے ہوئے کہا: امریکیوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ 2007 کی گرمیوں کی ایک رات میرے کمانڈر ملا نور اللہ کو امریکیوں نے ان کے گھر پر

Marfat.com

ریڈ کر کے شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ امریکیوں نے ہمارے 12 مزید کمانڈروں کو بھی شہید کر دیا۔ امریکی اکثر صبح صادق یا رات کے وقت حملہ کرتے تھے۔ ہمیں پتا لگا کہ امریکی ہماری فون کالز کو ٹریس کر کے اور مخبروں کے ذریعے ہمارے ٹھکانوں پر حملے کر رہے ہیں۔ ہم نے موبائل فون کمپنیوں سے شام 6 بجے کے بعد سے ٹرانسمشن بند کرنے کو کہ دیا تا کہ کوئی ہماری مخبری نہ کر سکے۔ ہمیں اب بھی امریکی ہیلی کاپٹروں اور بمبار طیاروں سے خطرہ تھا مگر فون کالز بند کرانے سے رات کے وقت حملوں میں کمی آ گئی تھی۔ حملوں میں کمی کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے امریکیوں کیلئے مخبری اور ہم سے غداری کرنا چھوڑ دی تھی۔ جبکہ ہمارے آدمی امریکی بیسوں کی 24 گھنٹے نگرانی کر رہے تھے۔ وہ ہمیں امریکیوں کی ہر نقل و حرکت کے بارے میں خبر دیتے تھے۔ پہلے ہم امریکیوں کو سڑک کنارے بم سے نقصان پہنچاتے اور چھپ جاتے تھے مگر اب دھماکے کے فوری بعد ہم اپنی کلاشنکوف اور RPG سے ان پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے پاس اب پہلے سے بھی زیادہ خطرناک دھماکہ خیز مواد ہے، ہمیں کھاد کی فراہمی بھی بروقت ہو جاتی ہے جس سے ہم بآسانی بم بنا لیتے ہیں۔ ہمیں جو عربوں نے بم بنانے کی تربیت دی تھی اس سے کہیں بہتر اب ہمارے بم ہیں، جس سے امریکیوں کا زیادہ سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ ہم اپنے بم کو مزید بہتر بناتے رہتے ہیں اور ہمارے ساتھ جو نئے لڑکے آئے ہیں وہ پڑھے لکھے ہیں اور کیمیا بھی جانتے ہیں، وہ بہت زیادہ اچھے بم بناتے ہیں، یہ اللہ کی مدد ہی تو ہے۔

☆☆☆☆☆

حقانی نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: میں مانتا ہوں کہ ہمارے کمانڈر شہید بھی ہوتے ہیں اور پکڑے بھی جاتے ہیں مگر ان سب کے ہوتے ہوئے ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارا جہاد ان کمانڈروں سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم باہر کے لوگوں پر انحصار نہیں کرتے جیسے آئی ایس آئی اور القاعدہ۔ میرا خیال یہ ہے کہ القاعدہ کا نام صرف امریکی پروپیگنڈا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسیح الدین نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: دو ہفتے بعد جمعہ کی نماز کے بعد ہم لوگوں نے چلنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ اپنے ساتھیوں کو پہاڑی پر چڑھنے کی ہدایت کی اور ایک خاص بلندی پر رات گزاری۔ اس رات سردی سے بچنے اور کھانا پکانے کیلئے احتیاط کے طور پر ہم نے آگ بھی نہیں جلائی۔ ہم نے یہ سیکھ لیا تھا کہ امریکی چھوٹی سی آواز پر بھی چوکنے

Marfat.com

ہو جاتے ہیں۔ صبح سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے میں نے حملے کرنے کیلئے گرین سگنل دے دیا۔ سب سے پہلے قریبی پہاڑیوں پر موجود ہمارے ساتھیوں نے بیس پر مارٹر اور راکٹ برسائے اور سورج نکلنے تک ہم لوگ بیس کی دیوار تک جا پہنچے تھے۔ ہم نے ڈھیر سارے افغان اہکاروں اور امریکی فوجیوں کو ھلاک کیا۔ جیسے جیسے ہم لڑ رہے تھے ہماری ویڈیو ٹیم اس جنگ کی فلم بھی بنا رہی تھی۔ راکٹ اور مارٹرز نے فوجی اڈے کی اندرونی دیواریں گرادی تھیں۔ ہم نے ان سے باہر آکر ہتھیار ڈالنے کو کہا مگر کوئی باہر نہیں آیا ہم نے بیس کے ایک طرف آگ لگا دی اور دوسری طرف چلے گئے تاکہ دھوئیں سے بچنے کیلئے جو فوجی باہر نکلیں ان کو ہم پکڑ سکیں۔ اس کارروائی میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس کے بعد امریکی ہیلی کاپٹر آگئے اور انہوں نے راکٹوں اور مشین گنوں سے ہم پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے ہمارے 12 ساتھی شہید ہو گئے۔ ہم اپنی طاقت کا امریکہ سے موازنہ نہیں کر سکتے مگر ہم ان سے بچنے کیلئے پہاڑوں اور پتھروں کے پیچھے پناہ ضرور لے سکتے ہیں۔ ان کی بھرپور طاقت کے باوجود ہم نے ان کو وہ بیس خالی کرنے پر مجبور کردیا اور خود اس بیس پر قبضہ کرلیا۔ میں نے خود دیکھا کہ اس بیس میں امریکی فوجیوں کی جلی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، مگر میں نے اپنے ساتھیوں کو منع کیا کہ کسی بھی لاش کو خراب مت کریں کیونکہ اس سے اللہ کی مدد چلی جائے گی۔

☆☆☆☆☆

یونس نے اپنی کہانی اس طرح آگے بڑھائی: جب میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہوئی تو میری ماں نے مجھ سے پوچھا کہ میں شادی کب کر رہا ہوں تو میں نے ماں کو جواب دیا کہ جس وقت تک کابل میں دوبارہ اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی، میں شادی نہیں کروں گا بلکہ جہاد کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ وقت ابھی دور ہے مگر یہ ہوگا ضرور۔

امریکی طالبان کو ڈالروں کا لالچ دے کر جہاد چھوڑنے کیلئے کہتے ہیں، یہ ایک تضحیک آمیز بات ہے۔ ایک برس پہلے میری منگنی ہوئی مگر میرے پاس مہر میں دینے کیلئے 1500 ڈالر نہیں ہیں اور لڑکی کے باپ کے پاس شادی کیلئے 500 ڈالر نہیں ہیں تاکہ وہ شادی کی تیاری مکمل کر سکے۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ تم سے کون شادی کرے گا تو وہ بڑا حیران ہوا اور بتایا کہ لوگ طالبان کو اپنی بیٹیاں دیتے ہوئے بلکل نہیں گھبراتے اور ان کو یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ جس سے وہ اپنی بہن یا بیٹی بیاہ رہے ہیں وہ ایک دو ہفتے یا مہینے میں شہید ہو جائے گا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس طرح ہمیں بھی جہاد میں شریک ہونے کا موقع مل جائے

Marfat.com

گا۔طالبان بننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ایک آگ کا لباس پہن لیا ہے۔آپ کو اس کیلئے اپنا گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے اور یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی پڑتی ہے کہ کسی بھی وقت آپ مر سکتے ہیں۔امریکی آپ کو گرفتار کر کے بگرام اور گوانتاناموبے کی جیلوں میں کتوں کے آگے بھی ڈال سکتے ہیں۔آپ کو اس بات کا بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ آپ کو کسی بھی وقت زخمی ہونے کی صورت میں علاج بھی کرانا پڑ جائے۔جب میں یہ باتیں نئے بھرتی ہونے والوں کو بتاتا تھا تو وہ خوشی سے آگ کا لباس پہننے کو تیار ہوجاتے تھے اور یہ سب اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ میرا ایمان پختہ ہوگیا ہے کہ جنگ ہم ہی جیتیں گے۔

☆☆☆☆☆

محمد نے اپنی کہانی اس طرح ختم کی: ہم کبھی بھی ٹائم کی پروانہیں کرتے۔ہم جنگ کو جیتنے تک لڑتے ہیں چاہے جتنا بھی وقت لگ جائے۔امریکیوں کے پاس جدید اسلحہ ہے مگر ہم نے لمبی اور تھکا دینے والی جہاد کی تربیت لی ہے۔ہم یہاں پیدا ہوئے،ہمیں یہیں مرنا ہے اور ہم یہاں سے کہیں نہیں جارہے۔

☆☆☆☆☆

مسیح الدین نے اپنی بات اس طرح ختم کی: جنوب کی طرف طالبان نے اوبامہ کیلئے نئے محاذ کھول دیے ہیں اور مجاہدین وہاں پر دھماکہ خیز مواد بڑی مقدار میں استعمال کررہے ہیں۔مگر ہم کنڑ اور نورستان والے اس معاملے میں خوش قسمت ہیں یہاں پہاڑ،جنگل اور درخت ہماری حفاظت کرتے ہیں اور امریکی ہمیں یہاں آسانی سے نہیں ڈھونڈ سکتے۔دو تین برس پہلے امریکی فوجی یہاں اس طرح رہتے تھے جیسے چھٹیوں پر آئے ہوں۔وہ ایک دوسرے کی ویڈیوز اور تصویریں بناتے ہوئے ان پہاڑوں پر آزادانہ گھومتے تھے اور کھلے میدان میں گیمز کھیلتے تھے۔مگر اب امریکیوں کے وہ دن گئے اور ان کو اس بات پر مجبور کردیا گیا ہے کہ 24 گھنٹے ان کی انگلی ٹریگر پر رہے۔

☆☆☆☆☆

آخندزادہ نے اپنی بات اس طرح ختم کی: بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ سب ایک خواب کی طرح تھا اور اس فتح تک میری ڈاڑھی سفید ہوجاتی مگر اللہ نے میری ڈاڑھی سفید ہونے سے قبل ہی وہ خواب پورا کردیا۔دن بدن ہم مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سعید احمد عباسی کا نام کراچی کے صحافتی حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کراچی پریس کلب کے سینئر ممبرز میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اسلام آباد اور کراچی کی یونیورسٹیز سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور پھر اخباری دنیا سے منسلک ہو گئے۔ سکیورٹی اور وار آن ٹیرر ان کی تحقیق کا خصوصی موضوع رہے اور اسی سلسلے میں کینیڈا کی یونیورسٹی آف کیلگری کے سینٹر فار اسٹریٹجک اسٹڈیز کے لئے بھی مقالات لکھے۔ پاکستانی اخبارات میں ان کی ریسرچ اسٹوریز تسلسل سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ اسلام آباد کا لال مسجد آپریشن۔ سوات آپریشن تفصیل کے ساتھ کور کیا۔ افغانستان اور پاکستانی قبائلی علاقوں میں جاری جنگ کو بھی کور کرتے رہے۔ دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ میں اسلام بھی خصوصی طور پر نشانہ بنا۔ مگر نتائج حیرت انگیز طور پر یہ نکلے کہ دنیا کے اہم ترین افراد بھی اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے۔ ایسے بہت سے لوگوں سے آپ نے ملاقات کی اور ان کی روداد کو قلم بند کیا۔ ان میں پاکستانی بھی ہیں، بھارتی بھی، امریکہ، افریقہ، یورپ اور کینیڈا کے خطوں کے لوگ بھی شامل ہیں جو اسی دور پر فتن میں اسلام سے روشناس ہوئے۔ زیر نظر کتاب بھی انہیں لوگوں کا احاطہ کرتی ہے۔ مختلف موضوعات پر سعید احمد عباسی کی کئی کتب اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی ہین۔ ان میں بعض اہم تراجم بھی ہیں۔ مشہور امریکی صحافی باب ووڈ ورڈ کی بیسٹ سیلر کتاب، ''اوباماز وار'' بھی سعید احمد نے ترجمہ کی اور یہ پاکستان میں بیسٹ سیلر ثابت ہوئی۔ اس کے علاوہ دنیائے عیسائیت کی مشہور کتاب ''دی ڈاونچی کوڈ'' کا ترجمہ کرنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ اس کتاب میں دنیائے عیسائیت کی خفیہ جنگ کو پہلی بار دنیا کے سامنے آشکار کیا گیا ہے۔ یہ جنگ چرچ اور پراری آف سائن نامی ایک خفیہ گروپ کے درمیان صدیوں سے جاری ہے۔ یہ کتاب مارکیٹ میں آنے کو ہے۔ جادو اور جنات بھی سعید کی ریسرچ کا ایک موضوع رہے ہیں اور اس پر ان کی ایک تصنیف مارکیٹ میں آ کر بیسٹ سیلر ثابت ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے درجن بھر کیس اسٹڈیز کو پیش کیا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو جادو جیسے حرام فعل میں شریک ہوئے اس میں مہارت حاصل کی مگر نتیجہ میں ان کی زندگی تو برباد ہوئی ہی مگر ساتھ میں وہ اپنے خاندان کو بھی لے ڈوبے۔ اسی سلسلے کی ان کی مزید کتب بھی مارکیٹ میں آنے کو ہیں۔

Marfat.com